مارچ 2015
ماہنامہ
سچی اور دکھی کہانیوں کا مجموعہ
جواب عرض
انمول محبتیں نمبر
RS:90
CPL NO 220
RS:90
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

دکھی اور زخمی کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ

جوابِ عرض

لاہور

انمول محبتیں نمبر

جلد نمبر 40۔ شمارہ نمبر 10

ماہ مارچ 2015

قیمت۔ 90 روپے

جوابِ عرض پوسٹ بکس نمبر 3202 غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور

ماہنامہ جواب عرض مارچ 2015 کے شمارے انمول محبتیں نمبر کی جھلکیاں

جلد نمبر 40

شمارہ نمبر 10

مارچ

2015

انمول محبتیں نمبر

کہانیوں کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتی ہیں ایسی تمام کہانیوں کے تمام نام مقامات قطعی طور تبدیل کر دیے جاتے ہیں جن سے حالات میں کی
پیدا ہونے کا امکان ہو جس کا ایڈیٹر۔ رائٹر۔ ادارہ۔ یا پبلیشر ذمہ دار نہ ہوگا۔ (پبلیشر شہزادہ عالمگیر۔ پرنٹرز زاہد بشیر۔ ریٹی گن روڈ لاہور)

اسلامی صفحہ

غیبت

ہم میں سے شاید ہی کوئی غیبت کے گناہ سے بچا ہو غیبت ایسا گناہ ہے جس سے بچنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے حکم دیا ہے لیکن پھر بھی ہم سب چھوٹے بڑے اس میں مبتلاء ہیں فرمان الٰہی ہے (ترجمہ) اور تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے پس تم اسے ناپسند کرتے ہو غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں ایسی بات کہنا جو اگر اس کے سامنے کی جائے تو اسے ناگوار گزرے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی غیبت ہے اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو وہ بہتان ہے جب رسول اللہ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے آپ کا گزر ایسی جگہ پر سے ہوا جہاں لوگ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے تھے وہ لوگ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے جبرآئیل علیہ اسلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کا گوشت کھاتے ہیں اور ایک دوسرے کی آبرو بگاڑتے ہیں یعنی غیبت کرتے ہیں آپ ﷺ نے غیبت کی بہت مزمت کی ہے اس سے معاشرے میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے لوگوں کے دلوں میں رنجش پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں منظر عام پر آ جاتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشیدہ کا حکم دیا ہے اور لوگوں کے عیب اچھالنے سے منع کیا ہے بعض اوقات اس سے برائی کی ترغیب ملتی ہے لیکن چند صورتوں میں غیبت قابل قبول کی گئی ہے مثلاً مظلوم کے حق میں آواز اٹھانے کے لیے کسی کے مکرو فریب سے آگاہ کرنے کے لیے اگر اس میں اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔

خلیل احمد ملک۔ شیدانی شریف۔

اے اللہ رب العزت

اے اللہ۔ تو اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کی بدولت مجھے زندہ رکھ جب تک تو سمجھتا ہے کہ میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور اے اللہ اور غیب اور حاضر میں تجھ سے ڈرتے رہنے کا سوال کرتا ہوں رضامندی اور غضب کی حالت حق بات کہنے کی توفیق چاہتا ہوں محتاجی اور غنی میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں نہ ختم ہونے والی نعمت مانگتا ہوں نہ منقطع ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک مانگتا ہوں تقدیر کے فیصلے پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں موت کے بعد اچھی زندگی کا طلب گار ہوں تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا آرزومند ہوں ملاقات کا شوق رکھتا ہوں بغیر کسی نقصان پہنچانے والی تکلیف کے اور بغیر گمراہ کرنیوالے فتنہ کے اور اے اللہ تو ہم کو ایمان کی زینت نصیب فرما دے اور ہم کو ہدایت یافتہ لوگوں کا رہنما بنا دے۔ آمین۔

ضیاقت علی۔ کوٹلی چوکی موسنگ

شہزادہ عالمگیر ہسپتال

شہزادہ عالمگیر صاحب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل پوری ہونے جارہی ہے

قارئین کرام آپ حضرات کے تعاون سے ہم عالمگیر ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شہزادہ عالمگیر صاحب کے خوابوں کو پورا کیا جائے۔ یہ فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے امید ہے کہ آپ قارئین ہمارے اس فیصلہ کو ویلکم کہیں گے اور اپنے تعاون سے نوازیں گے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپوں کی ضرورت ہے آپ کے تعاون سے ہم اس ہسپتال کی بنیاد میں انشاءاللہ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ سے جو بھی ہوسکتا ہے اس ہسپتال کی تعمیر میں ہماری مالی مدد کریں آپ کی مدد سے ہی ہم اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک روپیہ اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمارے لیے بہت اہم ہوگا۔ بہت جلد ہم اس کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں آپ حضرات سے مالی تعاون کی پرزور اپیل کرتے ہیں امید ہے کہ آپ اس نیک مقصد کو پورا کرنے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے۔ چاہے سو روپے ہی سہی آپ ہمارے اس اکاؤنٹ میں ڈال سکتے ہیں۔ آپ کے ایک ایک روپے کی حفاظت کی جائے گی اس ہسپتال میں نہ صرف غریبوں کا فری علاج کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے کھانے کا بھی بندوبست کیا جائیگا۔ یہ ہسپتال آپ کا ہسپتال ہوگا۔ آپ کے تعاون سے بننے والے اس ہسپتال کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ تمام قارئین کرام اپنی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں اور دعا کریں کہ ہم اس نیک کام میں جلد کامیاب ہو جائیں۔

شہزادہ التمش عالمگیر

اکاؤنٹ 01957900347001 حبیب بنک کمرشل ایریا کیولری گراؤنڈ لاہور

لاوارث

تحریر۔ کشور کرن۔ چتوکی۔

شہزادہ بھائی۔ اسلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
قارئین میں ایک ایسی کہانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں جسے پڑھ کر آپ بھی کانپ جائیں گے اور یہ ہی فیصلہ کریں گے کہ وہ ایک ننھا پھول اسے ہر چیز کی ضرورت تھی وہ بھی ہمارے بچوں کی طرح پڑھنا لکھنا چاہتا تھا مگر اس کے نصیب میں ایسا کیوں لکھ گیا وہ اتنا مجبور کیوں تھا وہ کہیں بھی جا سکتا تھا اپنے کما کر اپنا پیٹ پال سکتا تھا مگر نہیں وہ شروع میں ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ گیا تھا اب وہ مجبور تھا ایک دن یہ غلامی کی زنجیر توڑ کر اس نے اڑ جانا ہے وہ کب تک ایسے گھٹ گھٹ کر رہے گا میں نے اس کہانی کا نام۔ لاوارث۔ رکھا ہے اور اس کے پڑھ کر بتایئے گا ضرور کیسی لگی۔۔۔۔۔۔۔
ادارہ جواب عرش کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔ جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

آج پھر ایک تارہ آسماں کا دل چیر گیا
اور آج پھر کسی کے افسردہ دل نے
عرش کی دیواریں ہلا کر رکھ دیں آپ
پھر اس کی آہوں نے اس دل لرزہ دیا آج پھر اس کی مجبور خاموشی نے میرے دل کو چھلنی کر دیا تھا اس کے مظلوم نگاہوں نے میرے اندر کی دنیا کو کرچی کرچی کر دیا تھا اس معصوم نے میرے دل کے سارے دکھ بھلا دیئے تھے کیوں کہ میں نے آج تک اپنی لائف میں ایسا معصوم اور پیارا بچہ اتنا مجبور نہیں دیکھا تھا۔
حسب عادت ہم رات کو دس کے قریب کھانا کھا کر بیٹھے ہوئے تھے بھائی بھی سنڈے کی چھٹی گزارنے کے لیے گھر آ گئے تھے ہم گپ شپ میں مصروف خوشی سے سردیوں کے دن انجوائے کر رہے تھے کہ مجھے انڈے بوائل کرنا یاد نہیں رہا تھا جب کہ میں نے انڈے بھی منگوا لیے تھے مگر کسی نے بھی یاد نہیں کروایا جب یاد آیا تو میں نے چولہا جلایا مگر گیس کی لوڈ شیڈنگ نے دماغ خراب کیا ہوا تھا کیا کرتے کھانا دن رات بازار سے آ رہا تھا کیوں کہ جب سے گیس کا مسئلہ بنا تھا کچھ کھانے پینے کا مزہ نہیں آ رہا تھا رات کے کہیں دو بجے کے قریب تھوڑی سے گیس آئی تھی جب مجھے انڈے یاد آئے تو میں نے بھائی سے کہا۔
جاؤ کہیں کوئی انڈے والا بیچ رہا ہوگا تو اس سے لے آنا بھائی گیا تو مونگ پھلی اور کھانے والا گڑھ لے کر آ گیا آ کر کہتے کہ انڈے نہیں ملے۔ تو میں نے گیس کا ویٹ کرنا چاہا کیوں کہ رات کے ایک بج کر پندرہ منٹ ہو گئے تھے مگر انڈا کسی نے نہیں کھایا تھا کیوں کہ سب ہی رات کو انڈے کھائے بنا نہیں سوتے تھے اور پھر فل سردی کی راتیں۔ بہت سردی کی وجہ سے انڈے زیادہ یوز ہو رہے تھے۔

اچانک رات کو انڈے والے کی آواز آئی تو میں نے ونڈو سے اس کو بلایا اور دروازہ کھولا اور ہلکی ہلکی بارش کی پھوہار گر رہی تھی۔

اس انڈے والے سے میں نے کہا۔

تم دروازے سے اندر ہو کر انڈے گن کر دو کیوں کہ باہر سردی تھی اور بارش بھی تھی مگر مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب میں نے اس بچے کی حالت روشنی میں دیکھی تو توبہ کرتی ہوں کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا کہ یہ بچہ بھی پتہ نہیں کس چیز کا بنا ہوا ہے کہ اس کو بالکل بھی سردی نہیں لگتی جبکہ ہم کمروں میں ہیٹر لگا کر کمرے گرم کر کے اپنے بچوں کو یا خود ایسی سہولیات اپنے آپ کو بچاتے ہیں کہ کسی کی کو ذرہ بھی سردی محسوس نہ ہو اگر ہم خود کو اتنا محفوظ رکھتے ہیں تو کیا یہ بچہ بھی تو انسان کا بچہ ہے اس کا بھی دل کرتا ہے کہ اسے ہر سہولت ملے اس کا دل بھی کرتا ہے کہ وہ اس وقت رات کے دو بجے اپنے بستر میں چھپ کر سو یا مگر کیوں مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایسی حالت میں کیوں انڈے بیچ رہا تھا کیونکہ وہ ابھی اتنا ذمہ دار تو نہیں تھا کہ اسے اپنے ماں باپ کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی یہ حالت بنانا پڑی تھی وہ تو رو کر روٹی مانگنے والا تھا ہر وقت ہیٹھ کرنے کی عمر تھی اس کی مگر وہ اس وقت اس کی کیا مجبوری تھی میں خود سے ہی سوالوں میں الجھ سی گئی تھی کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ جب میں نے گھر کا دروازہ کھولا تو صحن کی لائٹ جلائی اور اسے اندر آنے کو کہا تو وہ اندر آ گیا ایک گیارہ سال کا معصوم سا بھولا بھالا سا ننھا سا بچہ تھا وہ گول مٹول منہ موٹی آنکھیں تیکھی ناک ایک مورت کی طرح لگ رہا تھا مگر اس کی حالت ایسی تھی کہ میں کمرے سے اپنے بستر سے اٹھ کر جب دروازہ کھولنے آئی تو مجھے اتنی سردی محسوس ہونے لگی کہ میں نے خود کو ایک جرسی میں اور ایک موٹی چادر میں محفوظ کیا ہوا تھا پھر بھی میری حالت سردی کو بہت زیادہ محسوس کر رہی تھی۔

جب میں نے اس کی حالت دیکھی تو میرا دل کانپ کر رہ گیا کہ یہ بچہ انسانی بچہ نہیں جو اس طرح اتنی سردی میں چھوٹی چھوٹی پھوہار میں نہ سر پر ٹوپی نہ کوئی موٹا کپڑا نہ پاؤں میں اچھے جوتے کیا اس کو سردی نہیں لگتی میں نے اس کو اندر بلا کر کہا۔

بیٹا کیا تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے تمہیں سردی نہیں لگتی کیا۔

اس نے میری طرف غور سے دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں مگر میں نے اس کی اٹھ کر جھکنے والی آنکھوں میں ہزاروں سوال پڑھ لیئے تھے۔ اس کی ایک نظر اس کی جھکی ہوئی آنکھیں کیا کچھ بول گئی تھی جو سنے بغیر ہی میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اس کے پاؤں میں وہ جوتے تھے جو فل گرمی میں ہوائی سلیپر جو ہم اپنے پاؤں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے پہنتے ہیں کہ پاؤں کو ذرا بھی گرمی نہ لگے۔ اس میں سارا پاؤں ننگا رہتا ہے۔ اور اس کی قمیض کے ٹوٹل چار بٹن تھے جن میں سے دو غائب تھے اور دو اس نے بند کیے ہوئے تھے بازو کے کف کا کوئی بٹن نہیں تھا سردی کی وجہ سے اس کے پاؤں اور منہ سرخ ہو چکے تھے اس کی گالوں پر لالی سی تیر رہی تھی وہ بار بار ناک کو شوں شوں کر رہا تھا شاید اس کو اس سردی میں زکام ہو چکا تھا اور اس سے بولا نہیں جا رہا تھا میں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کی وجہ جاننے کے لیے اسے سوال کیے مگر اس کی آنکھوں اور خاموشی نے مجھے اس کی مجبوری سے آگاہ کیا کہ وہ خود کو کسی اذیت میں نہیں ڈالنا چاہتا میں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

بیٹا تم اس طرح کیوں پھر رہے ہو تمہارے پاس موٹے کپڑے نہیں ہیں کیا۔

اس نے پھر بھی کچھ نہیں کہا میں نے اس کا

ہاتھ پکڑ کر دیکھا جو ٹھنڈا تھا میری اپنی سردی یوں
غائب ہوئی جیسے کبھی سردی تھی ہی نہیں اس معصوم
نے میرے اندر وہ موسم پیدا کر دیا کہ تھا کہ کبھی
سردی آئی ہی نہیں اس سے پوچھا۔
آپی کتنے انڈے بکے ہیں
میں نے کہا۔ تم پہلے مجھے اپنی حالت کے
سے میں بتاؤ ادھر آنا اندر کمرے میں ہیٹر چل رہا
ہے اپنے ہاتھ پاؤں گرم کر لو تم سے تو بولا بھی نہیں
رہا کیسے بیچو گے سارے انڈے۔
میں نے اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس
ڈول کی طرف اشارہ کیا اس نے کہا۔
نہیں آپی میں اگر ہیٹر کے پاس بیٹھ گیا تو
انڈے نہیں بیچ پاؤں گا کیوں کہ پھر مجھے زیادہ
سردی لگے گی اب تو میں عادی ہو چکا ہوں۔
میں نے دوسرا سوال کیا۔ آپ کی امی آپ کو
کپڑے یا جوتا لے کر نہیں دیتی یا پھر ابو آپ لوگوں
کو پیسے نہیں دیتے کہ آپ اپنے لیے گرم کپڑے یا
اچھے جوتے خرید سکو۔ تو اس کا جواب یہ تھا۔
آپی آپ رہنے دیں اگر میں نے آپ کو
سب بتا دیا تو آپ نے رونے سے باز نہیں آنا میں
بھی خود کو معاف نہیں کرواؤں گا کہ میری وجہ سے آج
اتنی اچھی آپی کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں کیونکہ
میں نے آج تک کسی کو کوئی دکھ نہیں پہنچایا اس لیے
میرے اپنے دکھ میری زندگی بن چکے ہیں اب
مجھے ہر روز باہر پھرنے کی عادت ہے اس لیے
میں سردی کی پرواہ نہیں کرتا اور میرے ماں باپ
میں ہیں اگر وہ ہوتے تو شاید آج میری یہ حالت
نہ ہوتی اور میں بھی اپنی ماں کے پاس اس طرف
بستر میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا اور کھاتا پیتا کمرے کے
اندر اپنی ہر فرمائش پوری کرواتا میرا نصیب مجھ سے
روٹھ جائے گا اگر میں ۔ آپ کی ذرا سی رہنمائی
کی وجہ سے اپنی اوقات ؟ بھلا دی کیونکہ میری چاچی
مجھے یہ کہتی کہ اپنی اوقات مت بھولنا اب تو میں
بہت سمجھدار ہو گیا ہوں کہ کیونکہ چچی کے بچوں کے
ساتھ تو نہیں مگر دوسرے بچوں کی باتیں تو ضرور سنتا
ہوں میں حالات کا مقابلہ کر رہا ہوں اگر میں ہار گیا
تو میں زندگی بھر کیسے جیوں گا اور اپنے باپ سے
اپنی ماں کی موت کا بدلہ کیسے لوں گا۔
اس کے ان الفاظ نے میرے دل کو ہلا کر
رکھ دیا کہ تھا کہ باپ بھی نہیں اور ماں بھی اس
دنیا میں نہیں باپ کے ہوتے ہوئے بھی وہ لاوارث
تھا اور مطلب یہ تھا کہ اس کے باپ نے اس کی
پیاری ماں کو مارا ہوگا اس معصوم سی جان سے اس کی
ماں کا سایہ چھیننے والا اس کا باپ ہے میں نے اسے
کہا۔
تم خود انڈا کھاتے ہو یا نہیں۔
اس نے کہا کہ دل تو بہت کرتا ہے مگر گھر جا کر
ان کا حساب دینا ہے اور اگر پورے انڈے نہ بیچے
تو روٹی نہیں ملے گی۔
اُف خدایا یہ کیا کچھ بول رہا تھا ایک چھوٹا سا
بچہ روٹی نہیں ملے گی اس کا مطلب اس نے ابھی
تک روٹی نہیں کھائی تھی اور اگر اتنی رات گئے اس
کے انڈے نہ بکے تو وہ کیا کھائے گا بھوکا ہی سو
جائے گا یا پھر خیر میری آنکھوں میں تو ساون کا
بادل پھٹ پڑا تھا اور یوں برس رہا تھا کہ رکنے کا
نام نہیں لے رہا تھا اس کے ان الفاظ نے میرے
اندر کے انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا میں نے اس
سے انڈے لیے اور جلدی جلدی سے انڈا چھیل کر
اس کے منہ میں ڈالنے کے لیے جب آگے کیا تو
اس نے کہا۔
نہیں آپی یہ کیا کر رہی ہیں آپ میں نہیں
کھاؤں گا ورنہ مجھے۔۔۔ یہ کہہ کر وہ رک گیا جیسے
اس پر ہوا کوئی ظلم اس کو یاد آگیا تھا میرا ہاتھ وہی پر
رکا رہ گیا انڈا۔ میں نے اسے ہیٹر کے پاس بیٹھنے

کہا اور یہ بھی کہا۔
بیٹا تم بیٹھو میں تمہارے پاس جتنے انڈے
سارے لے لوں گی اور تم جلدی گھر چلے جاؤ
اور میں تمہیں کھانا دیتی ہوں تم وہ کھا لو کیوں
بھوکے رہو گے جس دن تمہارے سارے انڈے
نہیں بکتے اس دن تم یوں بھوکے سوتے ہو کیا۔
اس نے کہا۔ آپی نہیں روٹی تو نہیں ملتی مگر
چاچی بورے سے سوکھی روٹی لے کر اس کو پانی میں
بھگو کر رکھ دیتا ہوں جب وہ کچھ نرم ہو جاتی ہے تو
اس میں تھوڑا سا نمک ڈال کر کھا لیتا ہوں اور پانی
پی کر سو جاتا ہوں تو یہ کر کے پاس ہمت ہے کے
سے دوسرا سوال کرے شاید اس وقت خدا کی
خدائی بھی رو پڑی ہو گی جب اس بچے نے یہ
جواب دیا۔
اتنا صبر ہے کسی میں؟ آج کل امیر لوگوں کے
بچے رات کو دودھ نہ پئیں تو نیند نہیں آتی اور اپنی من
پسند کے کھانے کھاتے ہیں۔ کھانے ان کے آگے
پڑے ہوتے ہیں پھر بھی نخرے کرتے ہیں کہ ہم
نے یہ نہیں کھانا وہ نہیں کھانا۔ دل والو کوئی اس بچے
سے سبق حاصل کر لو مجھے نہیں لگتا کہ اس بچے کی اس
پر کوئی آنکھ نم نہ ہو گی میں نے اس بچے کو
اپنے ساتھ لگایا اور کہا۔
بیٹا تم ایسا کرنے کے لیے اتنے مجبور کیوں۔
اس نے کہا آپی جب ماں باپ سر پر نہ ہوں
کوئی بھی ناز نخرے نہیں دیکھتا اگر میں زندہ ہوں تو
اپنی ماں کا بدلہ لینے کے لیے اس عورت سے بدلا
نہ ورتوں کا جس کی وجہ سے میری ماں پر میرے
باپ نے ظلم کیے تھے اور ماں کی ممتا بھی مجھے
لاوارث کر کے چھوڑ گئی اور میرا اس دنیا میں اپنا
کوئی بھی نہیں ہے میں دن کو غبارے بیچتا ہوں اور
رات کو انڈے میری چاچی اتنی سخت ہے کہ اس نے
انڈے بھی گن کر اور غباروں کا بھی پورا حساب لینا

ہوتا ہے اگر کوئی غبارا پھٹ جائے تو مجھے کیلوں والی
سنک سے مار کھانا پڑتی ہے اس کی باتیں سن کر تو
میرا دماغ بالکل بند ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اتنی ظالم
کمینی اس کی چاچی۔
کیا اس کے اپنے بچے نہیں تھے مجھ میں
بولنے کی ہمت نہ تھی اس بچے نے جب اپنی ٹانگ
دکھائی۔
یہ دیکھو آپی میری چاچی نے کیلوں والی
چھٹیاں رکھی ہوئی ہیں جب بھی کوئی غبارہ پھٹ
جاتا ہے تو اس کے پیسے پورے نہیں ہوتے تو دو یا
پانچ روپے غبارے کی قیمت میرا یہ جسم ظلم سہتا
ہے۔
میں یہ سن چیخ چیخ کر رونے لگی جب میں نے
اس بچے کی ٹانگوں پر وہ نشان کیلوں کے دیکھے تو وہ
نشان اس کی پنڈلیوں پر پڑے ہوئے تھے۔
اس نے کہا آپی کسی کو بتانا نہیں کہ میں نے
آپ کو یہ ساری باتیں بتائیں ہیں۔
میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے
ماتھے کو چوما اور کہا۔
بیٹا تم ادھر ہی رہ جاؤ میں بھی تم پر ظلم نہیں
ہونے دوں گی۔
میرے اس سوال کا جواب اس نے دیا۔
آپی اگر کا باپ چھوڑ سکتا ہے تو اور اگر کوئی
میرے پاس رشتہ ہے تو وہ چاچی کا ہے اور ان کے
علاوہ تو مجھے نہیں پتہ کہ میرے باپ یا ماں کے کوئی
رشتے دار ہوں گے کیوں کہ میں چھوٹا سا تھا جب
باپ نے دوسری لڑکیوں کی خاطر ماں کا مار مار کر لہو
لہان کر دیتا تھا اور میں اپنی امی کی گود میں بیٹھ کر
اس کو چپ کرواتا تھا اور کہتا تھا امی نہ رو جب میں
بڑا ہو جاؤں گا تو میں بھی اپنے ابو سے آپ کا بدلا
لوں گا۔ اس پر امی کہتی نہیں بیٹا وہ تمہارا باپ ہے
اور اس کا ظلم سہنا میرا مقدر ہے تم ایسی باتیں نہ کیا

رو بیٹا وہ تمہارا باپ ہے اس تم نے اس کا اور میرا بار اجنا ہے۔

ماں بھی کس گھر میں کام کرتی تو کبھی کس گھر تھی اور مجھے خرچ کرنے کے لیے پیسے بھی دیتی تھی اور رات کو دودھ کا گلاس بھی دیتی تھی میں جو کہتا میری امی مجھے لے کر دیتی تھی اور کبھی اس نے سردی یا گرمی میں مجھے باہر نہیں نکلنے دیا تھا اور جب تک میں کچھ کھا نہیں لیتا تھا ماں کے ہاتھوں سے تو ماں کے حلق سے کچھ نیچے نہیں جاتا تھا میرے کھانے پینے کی چیزیں لے کر میرے پیچھے پیچھے پھرتی تھیں اور اب کبھی کسی نے نہیں کہا کہ تم کچھ کھا لو اگر زیادہ بھوک ستاتی ہے تو میں پانی پی لیتا ہوں یا پھر کہیں دربار کے آس پاس پھرتے ہوئے کوئی نہ کوئی لنگر کا ٹکڑا مل جاتا ہے اور میں وہ کھا کر شکر کرتا ہوں کہ چلو اس دشمن پیٹ کی آگ تو بجھی ہے اب کچھ دیر اور کام کر سکتا ہوں۔

وہ بولتا جا رہا تھا میں بت بنی سنتی جا رہی تھی کہ کیا کچھ کہہ رہا ہے میری چیخ چیخ کر رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ گئی تھی کہ اتنا معصوم اور پیارا بچہ اور اتنے ظلم اس کی ٹانگوں پر نیلوں کے نشان۔ اور اس کا رات کو سوکھی روٹی کو کچھ دیر بھگو کر رکھ کر پھر نمک ڈال کر اس کا ذائقہ چینج کر کے کھا لینا کبھی کسی نے ایسا کھانا کھایا ہے کوئی جتنا بھی غریب ہو مگر کوئی قسم دے کر نہیں کہے گا کہ ہم نے ایسا کھایا ہے خیر میں اس کی کون کون سی بات کو سننے کی ہمت رکھتی میرے اندر تو ہمت ختم ہو چکی تھی میری زبان گنگ ہو چکی تھی میری آنکھیں پتھرا گئی ہو چکی تھی میں نے اس بچے سے پیار کیا اور اس کو انڈا کھلایا اور اس کے کھانے کا کہا۔

اس نے کہا نہیں آپی اگر ادھر سے کھا لیا تو میری چچی کے بچے کے بچے ہوئے ٹکڑے کون کھائے گا آج تو مجھے وہ بچی ہوئی روٹی مل جائیگی کیونکہ میں نے سارے انڈے بیچ دیے ہیں اور چچی کو پورے پیسے جا کر دوں گا وہ پیار تو نہیں کرے گی مگر یہ ضرور ہے کہ اوئے کتے جا وہاں تیرے چھابے میں آدھی روٹی پڑی ہے کھا لے اور اپنے کمرے میں جا کر سو جا صبح جلدی اٹھنا ہے اور غبارے بھی بیچنے ہیں۔

میں آج تو کچھ نہ کچھ کھا کو سوؤں گا آپی آپ پریشان نہ ہوں۔ اس کا اتنا صبر اور مجھے حوصلہ دینا میں اس کی کون کون سی بات کو برداشت کرتی یہ تو وہ ہی جانتا تھا کہ اس پر کیا گزر رہی تھی میں نے اسے زبردستی تھوڑی سی روٹی کھلائی اور ایک انڈا بھی کھلایا اور پھر میں نے اسے چائے دی۔

بیٹا تم گرم گرم چائے پیو اور پھر چلے جانا مگر میں تب جانے دوں گی اگر تم روزانہ میرے پاس آ کر انڈے ادھر مجھے بیچ دیا کرو اور جلدی گھر چلے جایا کرو سردی نہ لگ جائے تو وہ مسکرا دیا۔

آپی مجھے کچھ نہیں ہوتا نہ سردی لگتی ہے نہ گرمی میں نے پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

بیٹا اگر تیری چچی تیرے اوپر ظلم نہ بڑھائے تو میں تمہیں کپڑے اور جوتا لے دوں۔

وہ کہنے لگا توبہ توبہ آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ کیوں میری جان گنوانی ہے آپ نے ایسا مت سوچنا ہاں میں روزانہ آؤں گا اور پھر میں نے کہا۔

کل تم نے غبارے بھی ادھر ہی لے کر آنا ہے میں لے لوں گی سارے۔

کہنے لگا نہیں آپی سارے اگر آپ نے لے لیے تو اگلے دن دوگنے ہو جائیں گے اور وہ سارے میرے مجھے بیچنے پڑیں گے۔

میں نے یہ سنا تو مجھے اس عورت پر اتنا غصہ آیا کہ اگر وہ میرے سامنے ہوتی تو اس کی جان لے لیتی مگر میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ میں اسے

ڈھونڈ بھی سکتی تھی مگر اس لیے کہ اس سے اس بارے میں بات بھی کی تو اس بچے پر ظلم اور بڑھ جائے گا بہتر یہی ہے کہ اسے جتنا ہو سکے اس پر رحم کرنا چاہئے اس میں اس کا بھی بھلا ہوگا اور اس کو بھی خبر نہیں ہوگی میں نے اس معصوم بچے سے اس کا نام پوچھا تو وہ بولا۔

سب مجھے نومی کہتے ہیں اور میرا نام نعمان ہے

میں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کپڑے نہیں ہیں۔

کہتا کہ دو سوٹ ہیں وہ بھی پتہ نہیں کس سے لیے تھے چچی نے اور دوسرا بھی پھٹا ہوا ہے اور جوتا تو بالکل ہی نہیں ہے میں نے اس کے سائز کا جوتا کل لانے کا وعدہ کیا اور کپڑے کیسے دیتی کہ اس کا نام بھی ہو جاتا اور اس عورت کو بھی پتہ نہ چلتا خیر بس اسی سوچ میں تھی کیا کروں۔

میں نے اسے کھانا دیا تو اس نے تھوڑا سا کھا یا پھر دودھ بھی دیا۔

اس نے کہا۔ آپی آپ بہت اچھی ہیں

جب کہ میں تو اس کو دیکھ دیکھ کر روتی ہی رہی تھی جب۔ اس نے مجھے اپنے زخم دکھائے جو کہ نیلوں کی وجہ سے اس کے جسم پر داغ اور کچھ پرانے نئے ملے جلے جن سے اس کی ٹانگوں پر بہت نشان پڑ چکے تھے ہو سکتا ہے کہ پورے جسم پر ہی ہوں مگر اس نے صرف اپنی پنڈلیاں ہی دکھائیں تھیں اور جب اس نے کہا کہ جس دن انڈے نہ بچیں پاؤں تو مجھے بھوکا سونا پڑتا ہے اور پھر اگر بھوک زیادہ ہو تو میں سوکھی روٹیوں میں سے کچھ ٹکڑے لے کر پانی میں بھگو دیتا ہوں اور پھر نمک ڈال کر کھا لیتا ہوں تو میری چیخیں نکل گئیں کہ کیا انصاف ہے اس کا کوئی بھی وارث نہیں ہے یہ لاوارث کیوں کہ جب میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو میرے سب گھر والے جمع ہو گئے تھے اور ہم سب اس کی باتوں پر رو رہے تھے مگر میرے دل میں تازہ بے شمار زخم لگ رہے تھے کہ یہ اپنی پوری زندگی کیسے بسر کر پائے گا۔

میں نے نعمان کو سمجھا دیا کہ کل سے تم انڈے ہمارے گھر لے آنا اور تمہیں اس کا معاوضہ دے دوں گی۔

پھر اس نے کل آنے کا وعدہ کیا اور جانے کی اجازت مانگی میں نے اسے پیار سے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اس معصوم نعمان کو اپنے ساتھ لگایا تو وہ رو پڑا حالانکہ وہ سب کچھ بتا کر نہیں رویا تھا بلکہ مجھے کہہ رہا تھا۔

آپی آپ مت روئیں کچھ نہیں ہوگا میں تو حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرتا جا رہا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہوں اور آپ پہلی واحد آپی ہیں جنہوں نے میرے دکھ میں مجھے حوصلہ دیا اور مجھے پیار سے کھانا کھلایا اللہ اس کا اجر ضرور دے گا میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے انشاء اللہ ایک دن آپ کے حالات ضرور بدلیں گے اور یہی تم پر ظلم کرنے والے انسان کے روپ میں درندے ایک دن تمہارے ہی محتاج ہوں گے تمہارے صبر کو سلام کرتی ہوں۔۔ بیٹا مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم میرے ساتھ میرے گھر میں بیٹھ کر کھانا کھا کر جا رہے ہو اور اب تمہیں اتنی سردی میں باہر انڈے نہیں بیچنے پڑیں گے آرام سے سو جانا کل پتہ نہیں آپ کے ساتھ وہ کمینی عورت کیا کیا ظلم کرتی ہے یہ تو خدا جانتا ہے اور آپی میرے لیے تو ہر دن ہی اک نیا موڑ بدل کر آتا ہے اور میں ہارنے والا نہیں ہوں مار کھا کر بیٹھ جاتا ہوں کبھی کبھی میں دعا کرتا ہوں کہ لوگوں کے بچے اغوا ہو جاتے ہیں مگر مجھے آج تک کسی نے اغوا نہیں کیا تاکہ مجھے ان لوگوں کی سزہ

برداشت بھی ہوگی اور وہ کچھ نہ کچھ کھانے کو تو دیں گے یا پھر کوئی تو اس ظلم سے نجات دلائے گا میں نے اسے بہت حوصلہ دیا اور بھائی تو اسی وقت گرم ہوگیا کہ چلو میں دیکھتا ہوں اس بدبخت عورت کو جو اتنی ظالم ہے۔

میں اس کے بچے کے منہ پر تھپڑ ماروں گا تو اس سے برداشت نہیں ہوگا ایک انسان نہیں ہے یا اس کو درد نہیں ہوتا یا اس کو سردی گرمی نہیں لگتی یا پھر اس نے اس کی جان لینے کی ٹھان رکھی ہے میں نے بھائی کو روکا اور اس بچے نے بھی کہا۔

نہیں انکل آپ ایسا نہیں کریں گے اللہ تو سب کے سر پر ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے اک دن اس کی بے آواز لاٹھی ضرور ان کے اوپر گرے گی اور ان کو ان کے کرموں کی سزا مل جائے گی آپ پریشان نہ ہوں آج مجھے پتہ چلا کہ اس دنیا میں کوئی انسانیت کو زندہ رکھنے والا بھی ہے ورنہ تو میں نے اپنے چھ سال کی ہوش سنبھالی ہے تو مجھے آج تک کسی نے پیار سے نہیں دیکھا شاید میں نفرت کے قابل ہی ہوں پر آج پتہ چلا کہ نہیں ابھی پیار کرنے والے رحم دل بہت ہیں۔

کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ بجلی کے تار کو ہاتھ لگا کر اپنی ماں کے پاس چلا جاتا ہوں پر ایک دن میں نے مسجد میں ایک خطاب سنا تھا جس میں مولوی صاحب کہہ رہے تھے جو کوئی اپنے آپ کو سزا میں مارتا ہے وہ جہنمی ہے اور اس کی بخشش نہیں ہے میں نے توبہ کی اور کہا۔

نہیں آج کے بعد میں ایسی موت کے بارے میں سوچوں گا بھی نہیں خیر میں اس کی باتیں سن سن کر حیران تھی کہ اتنی سمجھداری اس کو کیسے آگئی شاید حالات انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے میں نے اس بچے کو پیار کیا اور بھائی نے اس کے اوپر چھتری کی اور اس کے اس کی گلی میں چھوڑ کر آیا اور اس کی باتیں سن کر میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا تھا کہ اس نے کچھ کھایا ہوگا یا نہیں خیر میں نے صبح ہونے کا ویٹ بہت ویٹ کیا پھر صبح میں نے بازار جا کر اس بچے کے لیے ایک جوتا اور کپڑے لیے اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی نجانے وہ کب آئے گا میں نے اس کے لیے کھانا بھی رکھا ہوا تھا کہ وہ آئے اور میرے سامنے بیٹھ کر کھائے اور مجھے بہت خوشی ہوگی۔

خیر رات کے دس بجے پھر گیارہ پھر بارہ خدا خدا کر کے اس کی آواز آئی وہ بالکل میرے دروازے کے پاس تھا میں نے جلدی سے اس کو اس آواز دی وہ ونڈو کے پاس کر ہو کر بولا۔

آپی دروازہ کھولیں۔

میں نے دروازہ اوپن کیا تو وہ اندر آیا اور آتے ہی میرے ساتھ لگ کر رو دیا۔

میں نے پوچھا۔ کیا ہوا بیٹا اس نے مارا تو نہیں

کہنے لگا۔ نہیں آپی میرا دل کب کا کر رہا تھا کہ میں جاؤں مگر اس نے جلدی انڈے بوائل کر کے نہیں دیئے تھے اس لیے میں لیٹ ہوگیا میں نے اس دو بار اسے کہا بھی کہ چچی جلدی کریں پھر لوگ سو جاتے ہیں اور انڈے نہیں بکیں گے اس نے میرے کان سے کھینچ کر کہا کہ آج تجھے زیادہ جلدی ہے میں نے یہ سن کو خاموش ہوگیا اور اپنے کان کو مسلنے لگا کیونکہ وہ بہت درد کرنے لگا تھا۔

خیر میں سب سے پہلے ایک انڈا چھیل کر اس کو کھلایا اور روٹی دی اس نے حسب عادت تھوڑی سی کھائی اور ڈرتے ہوئے باقی کی چھوڑ دی کہ وہ گھر میں کوئی شک نہ کرے پھر بولا۔

آپی دودھ ہے کیا۔

میں نے اسے گرم گرم دودھ دیا اور اس کے غٹا غٹ پی لیا میں اس کے پاس بیٹھ کر اس کو کھلا پلا

کر خوشی محسوس کر رہی تھی وہ بھی خوش ہو رہا تھا
میں نے اسے کپڑے دینے کہا۔
یہ پہن لو۔
اس نے تو بہ کی اور سوری کی اور کہا۔نہیں
آپ میری مجبوری کو سمجھیں آپی میں یہ نہیں کر سکتا وہ
رات تو رات میرا گلہ دبا کر مار دے گی۔
پھر میں نے اس کو جوتا دیا کہ چلو یہ لے لو مگر
وہ اس کے ظلم سے اس کے قہر سے ڈر رہا تھا میں کیا
کرتی کہ کیسے دیتی اس کو یہ سب کچھ خیر میں نے
اسے کہا کہ تم باہر نکلو اور میں باہر رکھ دوں گی تو تم
اٹھا کر لے جانا کہنا گلی میں شاپر گرا ہوا تھا جو کسی کا
گر گیا ہوگا تو میں نے اٹھا لیا اور کہنے لگا۔
آپی میں نے آج تک جھوٹ نہیں بولا اور وہ
تھا بھی سچ کیونکہ گلی سے اٹھاتا تھا میرے ہاتھوں
سے تھوڑا لیا تھا میں اس کی اس بات پر بھی بے حد
خوش ہوئی کہ اس میں اتنا ظلم سہہ کر بھی کوئی غلط
بات نہ تھی کوئی بری عادت نہ تھی خیر میں اس سوچ
میں تھی کہ اب اس کو یہ کیسے دوں کون سا جھوٹ
بولوں اور اس کا فائدہ ہو جائے پھر میرے ذہن
میں خیال آیا کہ اگر کسی کی جان بچانے کے لیے یا
پھر اس کی کسی مصیبت سے نجات دلانے کے لیے
جھوٹ کا سہارا لیا جائے تو وہ گناہ نہیں ہوتا خیر بات
میری نہ تھی بات تو نعمان بیٹے کی تھی۔
میں نے اسے کہا۔تم کہہ دینا کہ گلی میں سے
ملا ہے اور وہ کیا کہے گی کل مجھے بتانا اگلا پلان پھر کل
بتائیں گے یا پھر میں تمہیں کہیں دور لے جاتی ہوں
کہ اپنوں کے ظلم کی ہوا بھی نہ لگے۔
اس نے کہا نہیں آپی میں روز آپ کے پاس
آپ کو ملنے آؤں گا اور آپ کو ہر بات بتاؤں گا۔
میں نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور
اس کو ہمت دلائی اور کہا۔
تم نے ہمت نہیں ہارنا

وہ پھر کل آنے کا وعدہ کر کے گلی میں نکلا کہ
میں نے جوتے اور کپڑوں والا شاپر گلی میں رکھ دیا
اور اسے کہا۔
اٹھا لو بیٹا یہ لے جاؤ اور پہن لینا اب تمہیں
جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا تم کہہ سکتے ہو کہ گلی میں
سے ملا ہے اس نے شاپر اٹھا لیا اور چلا گیا پھر کیا ہوا
کہ میں نے ہر روز اس کی آواز سننے کی منتظر تھی مگر وہ
نہیں آیا۔
آج اس کو پورے پچیس دن ہو گئے تھے مگر وہ
کہیں نہیں آیا وہ کہاں ہوگا کس حال میں ہوگا اس
کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا اس نے یا پھر اس کو کوئی
نقصان تو نہ پہنچایا ہو وہ جہاں بھی ہو ٹھیک ہو وہ بچہ
نہ تو بھول سکتا ہے اور نہ ہی بھولنے والا ہے کیوں کہ
اس کے دکھی داستان سن کر میرا ضمیر جاگ گیا تھا
اس کے بعد جب میں بھی کھانے بیٹھتی ہوں تو میرا
دل خون کے آنسو روتا ہے اور کھانے کو دل نہیں کرتا
کچھ بھی اچھا نہیں لگتا نجانے وہ غریب بچہ کہاں ہوگا
کس حال میں ہوگا اس نے کچھ کھایا یا نہیں وہ کیا
کرتا ہوگا اس نے کیا سلوک کیا ہوگا اگر وہ بچہ کسی کو
ملے تو اسے ایک بار ضرور یاد کروانا کہ تمہاری آپی
تمہیں بہت یاد کرتی ہے اس کا نام نعمان ہے اور
نومی کہتے ہیں وہ دن کو غبارے بیچتا ہے اور
رات کو اللہ نے خدارا ایک بار مل جائے اس کے جسم
پر نجانے کتنے نشان بن چکے ہوں گے نہ جانے وہ
ہر روز سوکھی روٹی کو گیلی کر کے کھاتا ہوگا یا پھر اس
کے نصیب میں کوئی اچھی چیز بھی ہوگی یا نہیں یہ
تو اللہ جانتا ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ اس کے دکھ
ختم کر دیں اور وہ اک بار مجھے ملے تاکہ میں اس کو
دیکھ لوں کہ اس معصوم پر کتنے ظلم ہوئے ہیں میں
اسے اس دکھ سے ضرور نکالوں گی میرا اس سے
وعدہ ہے میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھاؤں گی میں
کمزور نہیں ہوں اس عورت کو ضرور بتاؤں گی کہ کسی

پر ظلم سہنا پڑتا ہے۔

قارئین کسی کو تو میری داستاں ضرور بتائیں یہ ایک سچی کہانی اور آنکھوں سے دیکھی کانوں سے سنی اک معصوم سی صورت کی کہانی ہے جس نے ابھی اس دنیا میں کچھ نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی خوشی ملی اس بھی خوشی کی تلاش ہے وہ بھی آرام کرنا چاہتا ہے اور اس کو بھی ہر ضرورت ملنی چاہئے اس کے بھی ارمان ہیں اس کا دل بھی سکول جانے کو کرتا ہے اس کو بھی پڑھنے کا بہت شوق ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اچھے اچھے کپڑے پہنوں اچھا کھاؤں اچھا بن کر رہوں مگر اس کے نصیب میں کیا لکھا گیا اس کے نصیب میں اس کی عمر سے زیادہ دکھ لکھے گئے اس پر ایک ایک دن میں نجانے کتنی بار ظلم ہوتا تھا وہ جانے کتنی دیر روتا رہتا تھا پتہ نہیں اسے رونے بھی دیا جاتا تھا یا پھر گھٹ گھٹ کر روتا تھا یا پھر چھپ چھپ کر روتا ہوگا کیوں کہ جب انسان کسی کا غلام بن جات ہے تو وہ اپنے سارے ارمان ختم کر دیتا ہے اس کی خوشیاں اس وقت دفن ہو جاتی ہیں جب اس کو غلام بنا لیا جاتا ہے وہ اک غلامی کی زندگی میں اپنی بچپن گزار رہا تھا مگر اسے ابھی سے اتنے دکھ ملے تھے کہ وہ جوانی میں آنے تک حالات کا مقابلہ کرتا ہے یا پھر ڈر ڈر کر زندگی گزارتا ہے۔

اللہ اسے کمزور مت بنانا اللہ اسے زندگی دینا کیوں کہ وہ بتا چکا ہے کہ میں نے کئی بار خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اپنی امی جان کے پاس جا کر ان کی آغوش میں آرام کروں اور ان کو بتاؤں کہ مجھے کس کے سہارے چھوڑ گئی ہیں اب مجھے اپنی گود سے مت نکالنا وہ یہ سب باتیں بتاتے ہوئے بہت رویا تھا اس نے میرا دل تو کیا سب کے دل میں زخم کر دیئے تھے۔

قارئین میری ان بہن بھائیوں سے گزارش ہے کہ خدارا کبھی اپنی اولاد کو کسی کے رحم و کرم پر مت چھوڑو اس طرح کے معصوم بچوں پر رحم کرو کہ کوئی اور تو می نہ بن جائے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو برداشت نہ کر سکے اور اس دنیا کو چھوڑنے کا فیصلہ کر دے ایسا نہ ہونے دیں ان کا کیا قصور ہے کہ وہ تو ابھی اس دنیا میں آئے ہیں آتے ہی ان کی زندگی میں کانٹے بھر دیئے جائیں اور ان کے ننھے ننھے سے دماغ میں انتقام کی آگ بھر دی جائے تو وہ ساری زندگی کیسے جی پائیں گے یا تو وہ لاوا بن جائیں گے یا بے بس ہو کر رہیں گے اور یا لاوہ بن کر ایک دن پھٹ جائیں گے۔

ایسے باپ پر خدا کی لاٹھی ضرور برسے گی جس کو اپنے ہی بیٹے کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔

قارئین دل تو نہیں کرتا کہ بس کروں مگر کیا کروں اس معصوم کا چہرہ بار بار میری آنکھیں نم کر دیتا ہے اور رونے بھی نہیں دیتا۔ خدارا اس دل کو کیسے سمجھاؤں کہ وہ تو اک سپنا تھا جو آنکھ کھلتے ہی ختم ہو گیا مگر یہ نہیں ہو سکتا دل نے حقیقت مانی ہے اور وہ ہے بھی حقیقت میرا دل کہتا کہ اس عورت نے اس کو کسی اور کام پہ لگا دیا ہوگا اس لیے وہ بھی نہ بھی تو ادھر آ جاتا مگر وہ مجبور ہے میرا دل یہ بھی کہتا کہ جب بھی اس کو موقع ملا تو وہ ضرور آئے گا۔

غزل

پتھر بنا دیا مجھے رونے نہیں دیا
دامن بھی تیرے غم میں بھگونے نہیں دیا
تنہائیاں تمہارا پتہ پوچھتی رہیں
شب بھر تمہاری یاد نے سونے نہیں دیا
دل کو تمہارے نام کے آنسو عزیز تھے
پلکوں پہ کوئی خواب پرونے نہیں دیا
بچھڑے یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کے
میلے میں اس جہان کے کھونے نہیں دیا

☆......عابد قریشی۔ ساہیوال

انمول محبتیں

تحریر۔افرا ناز۔فرام آزاد کشمیر

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج اپنی ایک سٹوری۔انمول محبتیں۔لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں میری یہ کہانی محبت کرنے والوں کے لیے ہے یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے کسی سے بے وفائی کرنے سے احتراز کریں گے کسی کو بیچ راہ میں نہ چھوڑیں گے کوئی آپ کو بے پناہ چاہے گا مگر ایک صورت آپ کو اس سے مخلص ہونا پڑے گا وفا کی وفا کہانی ہے اگر آپ چاہیں تو اس کہانی کو کوئی بہترین عنوان دے سکتے ہیں ورنہ یہی چلنے دیں۔
اپنی ساری باتیں تم کہہ چکی ہو اب میری سنو۔جس دن پہلے دن تم مجھ سے ٹکرائی تھی اسی دن سوچ لیا تھا کہ تمہارے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے تمہیں اپنا بنانا ہے۔یہ بات اس کی تو وہ تم سے نفرت کرتی تھی تمہاری راہوں میں کانٹے بچھانے کی کوشش کرتی تھی اس لیے میں نے پہلے اسے اپنے قریب کیا اور پھر بری طرح اس کا دل توڑا کیونکہ اس گھر میں رہنے والوں کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہر چیز ہماری مٹھی میں نہیں ہوتی بلکہ تقدیر کا عمل دخل ہر جگہ ہوتا ہے۔یہ سب تم سے برا سلوک کرتے رہے اور تقدیر انکو آزماتی رہی اور جب وقت آیا تقدیر نے اپنا تیر پھینکا تو یہ سب ہار گئے۔تقدیر نے مجھے تمہاری تقدیر بنا کر بھیجا ہے کہ رشتوں کی اوٹ میں تم نے جو دکھ اٹھائے ہیں انکا ازالہ کر سکوں اب بولو اپنی تقدیر کو میری تقدیر سے ملنے کی اجازت دو گی۔ایک محبتوں اور چاہتوں بھری کہانی۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

مانو مانو مہ وش اسے پکارتی ہوئی اس کے روم میں آئی جہاں وہ ایک کتاب میں مصروف تھی۔
کیا مسئلہ ہے تمہیں مہ وش کیوں سر کھا رہی ہو۔
افوہ میری بات تو سنو تمہیں پتہ ہے کون آ رہا ہے مجھے کیا پتہ بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں۔تمہیں پتہ ہے کہ بڑی پھوپھو آ رہی ہیں لندن سے اور اپنے ہیرو کو لے کر۔
تمہاری پھوپھو آ رہی ہیں تم خوش ہو میں کیا کروں۔
مانو کی بچی تمہیں چھوڑوں گی نہیں تم بھول کیوں جاتی ہو ہم کزنز ہیں اور میری پھوپھو تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں۔میں جب کتاب سے فرصت ملے تو سوچنا کہ تمہارا بھی کوئی رشتہ ہے ان سے اب اس نے کتاب سے نظر اٹھا کر مہ وش کی جانب دیکھا۔
اچھا سنو تو۔تم میرے ماموں کی بیٹی

اور تمہاری پھوپھو۔ میں۔۔میری خالہ ہوئی مطلب ہے صوفیہ خالہ آرہی ہیں۔۔

اوہ مہ وش پہلے کیوں نہیں بتایا تھا مطلب بہت مزہ آنے والا ہے۔

ہو۔ ہو بہت ہی مزہ آئے گا مدوش اس نے خوشی سے مہ وش کو پکڑ کر چکر کھانا شروع کر دیا تھا

چھوڑو بھی مجھے مانو۔ اچھا بتاؤ خالو بھی آرہے ہیں۔ مہ وش نے پوچھا

یہ کس نے کہا آپ سے محترمہ۔

تم خود تو کہہ رہی تھی خالہ اپنے ہیرو کے ساتھ آرہی ہیں۔

اے لو جی میں نے کہا تھا اپنے ہیرو کے ساتھ زیرو کے ساتھ نہیں اور ہیرو کا مطلب پھوپھو کے برخوردار تعبیر بھائی آرہے ہیں۔

اوہ اچھا تو یہ نہ کہو تعبیر بھائی نہیں دونوں بڑے ماموؤں اور ممانیوں کے لڑنے کی وجہ سے آرہی ہیں۔

وہ کیسے مانو۔۔

بیٹا ابھی تم چھوٹی ہو آہستہ آہستہ سب جان جاؤ گی۔

اے۔۔ہے یہ دیکھو ناں میری دادی ماں بڑی آئی۔۔

یہ تھی زبیر صاحب کی حویلی جہاں ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی رہ رہی تھی سب سے بڑے بیٹے عقیل جن کی شادی خاندان سے ہی زرینہ بیگم سے ہوئی اور اب ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تنزیل اور ہوا ان بڑے تھے جبکہ ثنا سب سے چھوٹی تھی عقیل سے چھوٹے منصور تھے جن کی دو بیٹیاں تھیں زوہا اور امن جبکہ سب سے چھوٹے راحیل کی ایک ہی بیٹی تھی مہ وش زبیر کی دو ہی بیٹیاں تھیں صفیہ اور جیا صفیہ کی شادی لندن میں ہوئی تھی سو وہ لندن رہ رہی تھی جبکہ جیا کے شوہر کے انتقال کے بعد وہ اپنی چھوٹی سی بیٹی ماہ نور کو لے کر حویلی میں آگئی کیونکہ ان کے سسرال والے سخت مزاج لوگ تھے اور جیا ان کے ساتھ گزارہ نہ کر سکی اور یوں وہ بھائیوں کے ساتھ رہنے لگی عقیل نے اپنے بڑے بیٹے تنزیل کے لیے ثنا کا ہاتھ مانگ لیا تھا سب اس رشتے سے بہت ہی خوش تھے چند دنوں میں شادی ہونے والی تھی اور صفیہ بیگم بھی اپنے بیٹے تعبیر کے ساتھ شادی میں شرکت کے لیے آرہی تھیں۔

مانو۔

جی ثنا آپی۔

ادھر آؤ کچن میں میری مدد کرو۔

جی اچھا۔ آپی مجھے اچھی سی روٹی بنانی نہیں آتی میں سالن بنا لیتی ہوں آپ روٹی پکا لیں پلیز۔

تمہیں نظر نہیں آرہا ہے کہ میری شادی ہونے والی ہے مجھ سے کام کرواؤ گی اب تم کچن کا سارا کام آج تم کرو گی روز کالج کا بہانہ بنا کر بھاگ جاتی ہو بڑی بنتی ہو معصوم آج رات کا کھانا تم بناؤ گی سب لوگ شادی پر جارہے ہیں بڑے سب جارہے ہیں جیا پھوپھو بھی جا رہی ہیں اس لیے آج ان کی جگہ کھانا تم بناؤ گی۔ آج پھر وہ احساس کمتری کا شکار ہو گئی تھی امن زوہا اور مہ وش کو کوئی کام نہیں تھا کیونکہ یہ ان کے ابو کا گھر ہے اور میرے ابو ہمارا گھر۔ آنسو تھے کہ بہنے کو تیار تھے کہ ایک مہربان ہاتھ اس کے کندھے پر آکر رکا تھا وہی مانوس سا لمس۔

ارے تم کب آئی مہ وش۔

جب آپ رونے کی تیاری کر رہی تھیں کچھ ہوا مانو کسی نے کچھ کہا۔

نہیں تو کچھ نہیں ہوا۔

مجھ سے چھپاؤ گی کیا مانو مجھے پتہ ہے ثنا آپی یا امن زوہا آپی میں سے کسی نے کچھ کہا ہوگا۔

اچھا چھوڑو آؤ مل کر کھانا بنالیتی ہیں اچھا مانو تمہیں یاد ہے جب ہم نے کالج سے واپسی پر ایک بڑے ہی پیارے لڑکے کو غلط راستہ بتادیا تھا بچارہ گھوم گھوم کر پھر ہمارے پاس آگیا تھا۔

ہاہاہا۔ مہ وش کی بچی اور اس کے بعد جو اس نے گھمایا تھا یاد ہے تمہیں گھر تک چھوڑ کر گیا تھا وہ تو شکر ہے کہ گھر پر کوئی نہیں تھا۔۔۔

ہاں مانو وہ نوٹس بنالیے تم نے جو میں نے تمہیں دیئے تھے۔

اے ہے۔ اس کو کیا ہوگیا یہ اس لڑکے والی بات میں نوٹس کہاں سے آگئے مانو اس کی طرف پلٹی ہی تھی کہ دیکھا امن کچن کی طرف آرہی تھی۔

اوہ تو امن آپی کو دیکھ کر اس کو بریک لگی ورنہ یہ اور چپ ہوجائے توبہ۔

مہ وش۔

جی آپی۔

تم کیا کررہی ہو کچھ میں مانو کررہی ہے ناں کام

جی بالکل وہ اکیلی کررہی تھی اس لیے میں بھی آگئی آپ چلیں ہم کھانا لگاتی ہیں امن غصہ میں وہاں سے چلی گئی تھی۔

اوہ مانو کہاں کھوگئی تو۔

یار مہ وش تم میری ہیلپ نہ کیا کرو کسی کو بھی تمہارا میرے ساتھ رہنا اچھا نہیں لگتا۔

مجھے مہ وش کو تیرے ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے باقی کو تو گولی مار۔

اف اتنا بڑا ڈائیلاگ تھوڑا ہولا ہاتھ رکھا کرو مہ وش۔

اچھا مانو چلو ورنہ ثنا آپی آکر یہ ڈائیلاگ ولیں گی کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔ ہاہاہا۔

سوہان بھیا کھانا کیسا ہے۔

تم نے بنایا ہے۔ مہ وش بہت مزے کا ہے میں اور کھانا۔۔ کیا کرتے ہو بھیا یہ تو مانو نے بنایا ہے۔ تنزیل نے بھی حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

ارے واہ مہ وش ہماری ماہ نور تو بہت اچھا کھانا بنالیتی ہے۔

ہاں بھیا ہماری یہ کزن ہے ہی اچھی سی اب کی بار سوہان بولا تھا۔

ارے ماہ نور کی باتیں کررہے ہو سب مگر وہ ہے کہاں کھانا نہیں کھانا اسے۔

ارے نہیں بھیا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں میں اور مانو روم میں کھانا کھالیں گی۔

او کے جاؤ تم اس کا کھانا لے جاؤ برتن وغیرہ امن اور ثنا سمیٹ لیں گی مہ وش کا دل کیا تھوڑی دیر رک کر ان اور ثنا کے چہرے دیکھتی جہاں پر برتنوں کا سنکر بارہ بج چکے تھے۔

مانو اٹھو بیٹا سب ایئرپورٹ جارہے ہیں تمہاری خالہ کو لینے تم بھی تیار ہوجاؤ۔

اٹھتی ہوں امی۔

اتنے میں عقیل ماموں کی آواز سنائی دی۔

جیا ماہ نور ہمارے ساتھ نہیں جارہی تم چلو وہ گھر پر رہیں گی بس جیا بیگم کا دل تو ٹوٹ سا گیا تھا۔

امی آپ جائیں میں گھر پر ہوں تو ویسے بھی گھر پر کوئی نہیں ہے۔ سب چلے گئے تھے وہ اکیلی رہ گئی ہمیشہ کی طرح ماہ نور سب سمجھتی تھی اسے ہر وقت لوگوں کی نظروں سے دور رکھا جاتا تھا کہ کہیں کوئی نگاہ اسے اپنا نہ بنالے وہ ایک عام سی لڑکی تھی درمیانی سی رنگت درمیانہ سا قد ذہن سی آنکھیں مگر

عام ہو کر بھی اس میں کچھ تو خاص تھا وہ بی اے کے آخری سال میں تھی۔ اس فیملی کے لڑکے تو تعلیم یافتہ تھے مگر لڑکیوں نے لنگ لنگ کر میٹرک کر لی تھی مگر مہ وش اور ماہ نور کو پڑھنے کا شوق تھا سو انہوں نے اپنی پڑھائی کو جاری رکھا۔ اس فیملی کو جیا اور ماہ نور سے اتنا لگاؤ نہیں تھا مگر مہ وش راحیل صاحب اور زارا بیگم یعنی مہ وش کی ماما پاپا ماہ نور سے بہت پیار کرتے تھے۔ آج وہ اکیلی تھی سولان میں آ کر ٹہلنے لگی۔۔۔ اے میرے رب میری قسمت میں کیا لکھا ہے کیوں سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں پہلے ابو امی سے اور مجھ سے نفرت کرتے تھے اور اب ماموں لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں آج اسے موقع ملا تھا خوب رونے کا سو وہ ساری کسر نکال رہی تھی تب ہی مہ وش کی آواز آئی تھی۔

خبردار مانو جو تم روئی تو۔ مجھے پتہ تھا تم روؤ گی اس لیے میں نہیں گئی تھی۔

اف تم یہاں کیا کر رہی ہو مہ وش تم کیوں نہیں گئی تم تیار بھی ہوئی ہو پھر کیا ہوا

کیسے جاتی میں تم جو نہیں گئی پتہ ہے مانو میرا دل کہتا ہے کہ دنیا کی ہر خوشی سب سے چھین کر تم کو دے دوں بس پلیز مانو تم رویا نہ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے تم مایوس نہ ہوا کرو دیکھنا ایک دن کوہ قاف سے پرنس آئے گا اور ہماری پرنسز کو ساتھ لے جائے گا۔ لیکن یار ایک مسئلہ ہے۔

وہ کیا مہ وش۔

یار پرنس تو پرنسز کو لینے آئیگا مانو چڑیل کو دیکھ کر تو وہ بے گا مہ وش شہزادی کو لے چلتے ہیں۔

یہ خوش فہمی تم دل سے نکال ہی دو ویسے مانو آج گھر پر کوئی نہیں ہے آؤ سب کے کمروں کی تلاشی لیں کچھ تو کھانے کو ملے گا ناں۔

اف یہ بری عادت تم نہ چھوڑنا وہ سب کے کمروں کی تلاشی لے رہی تھیں جب سوہان کے روم سے اس کی ڈائری مانو کے ہاتھ لگ گئی وہ ڈائری دیکھنے لگی تھی جب مہ وش نے یاہو۔ کا نعرہ لگا کر ڈائری چھین لی۔

آج تو سوہان کے سارے راز فاش ہوں اور پھر ہم ان کو بلیک میل کریں گے کتنا مزہ آئے گا۔ مانو جو دروازہ پر پہرہ دے رہی تھی چلائی۔

مہ وش مہ وش۔۔۔ مہ وش۔ بھاگ سب آ گئے ہیں جلدی کرنا۔ مہ وش ڈائری کو رکھ کر آتا مہ وش بھاگ رہی تھی جب اس کو کرسی کی ٹھوکر لگی اور وہ گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئی

مانو میری ٹانگ یار اٹھا نا آ کر مجھے۔

اف یہ لڑکی کبھی تو کوئی کام ٹھیک رہا کرو مہ وش

اف اب کیا کروں سوہان بھائی روم کی طرف آ رہے ہیں۔

ایسا کرو ہم دونوں پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہیں اتنے میں سوہان لاک کھول کر اندر آ گیا اف آج تو بہت تھک گیا ہوں وہ بیڈ پر لیٹ گیا تھا وہ دونوں بری طرح پھنس گئی تھیں نکلنا مشکل ہو گیا تھا اور اگر تھوڑی لیٹ ہو جاتی تو باہر سب نے ان کی کمی کو محسوس کرنا تھا۔

ش۔ ششش مانو میں سوہان بھائی کو ٹیکسٹ کرتی ہوں میرا موبائل میرے پاس ہے

اوکے جو کرنا ہے کرو اور نکلو یہاں سے پلیز۔

مائی ڈیئر سوہان پلیز تھوڑی دیر باہر آ جائیں مجھے بہت ہی امپورٹنٹ بات کرنی ہے آپ سے۔

یہ لکھ کر مہ وش نے سینڈ کر دیا۔ سوہان کے موبائل پر مریم کی بیپ ہوئی تھی اس نے بیزاری سے موبائل اٹھا کر میسج پڑھنا شروع کر دیا مہ وش کا ٹیکسٹ ہے لگتا ہے دن اچھا ہے آج پرنسز نے یاد

کیا ہے سوہان الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگا اور اس لمحے کا فائدہ اٹھا کر دونوں باہر کی طرف بھاگی تھیں مہ وش کے پاؤں میں درد تھا وہ تھوڑی آہستہ چل رہی تھی جبکہ ماہ نور اس سے آگے تھی وہ مڑ مڑ کر مہ وش کو دیکھتی اور قہقہے لگا رہی تھی۔

افوہ سوہان بھائی نے بولا پرنسز

اوہ مائی گاڈ مہ وش لگتا ہے ان کو تم سے پیار ہو گیا ہے۔

رکو مانو بدتمیز میں ٹھیک کرتی ہوں تمہیں مانو آگے کی طرف بھاگی جب اس کی ٹکر کسی ناآشنا سے ہو گئی۔

افوہ دیکھ نہیں سکتے آپ لڑکیوں کو دیکھ کر تو اوسان خطا ہو جاتے ہیں لڑکیوں سے ٹکرانے کے بہانے ابھی تک اس نے نظر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا نہیں تھا شاید اس پر خوب سنائے جا رہی تھی۔

دیکھیں محترمہ۔ محترمہ۔ کا لفظ آتے آتے مہ وش کے کان مین پڑ گیا تھا اس لیے اس نے بھی آ کر اپنی چونچ لڑائی تھی۔

اے ہے مسٹر محترمہ کس کو کہا اتنی سویٹ سی لڑکی کو محترمہ کہے جا رہے ہیں آپ جو بھی ہیں واپس چلے جائیں گھر پر کوئی بھی نہیں نہ تنزیل نہ سوہان بھائی سو آپ۔

ارے سروش بیٹا تم کیا کر رہے ہو یہاں کمرہ ملا اپنا کیا اور یہ کون ہے۔

میری ماہ نور اور مہ وش مجھ سے ملی ہی نہیں ۔وہ دونوں ان کی طرف بڑھی تھیں صفیہ بیگم نے دونوں کو گلے سے لگایا اور بہت پیار کیا۔

ان سے ملو یہ تعبیر ہیں۔

اسلام علیکم تعبیر بھائی۔ دونوں نے بیک وقت کہا تھا وہ دونوں تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی وہ واقعی میں بہت شاندار انسان تھا اس کی عمر پچیس سال تھی اور اس کی پرسنالٹی اتنی زبردست تھی کہ دل کرتا تھا کہ اس کی گرے آنکھوں میں ڈوب جائے انسان وہ واقعی قدرت کا انمول شاہکار دیکھتا تھا

ان سے ملو بیٹا یہ تعبیر کا دوست ہے سروش پاکستان دیکھنے آیا ہے۔

جی جی پھوپھو ہم مل چکے ہیں سروش بھائی سے کیوں سروش بھائی۔

جی آنٹی بہت اچھا ویلکم کیا ہے ان لوگوں نے مجھے یہ بات اس نے مانو کی طرف دیکھ کر کہی تھی جبکہ مانو نے اسے بار بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا

ہم لوگ تو کھانا باہر سے کھا آئے مہ وش اور مانو بیٹا آپ لوگ بھی کھا لو۔ منصور صاحب نے کہا تھا اور وہ دونوں کچن کی طرف چلی گئیں۔

افوہ مہ وش آج کا دن بہت برا گزار پہلے سوہان بھائی کے روم میں پھنسی ہم اور پھر اس بیچارے کی بے عزتی کر دی۔

تو کس نے کہا تھا اس سے جا کر ٹکر مارو۔

میں نے نہیں ماری تھی غلطی اس کی تھی۔

جو بھی ہے مانو تم نے بڑی بے عزتی کی ہے اس کی اور تم نے جو اسے کہا تھا کہ گھر پہ کوئی نہیں جھوٹ کی پوٹلی ہو تم سوہان بھائی کی پرنسز

خبردار جو مجھے سوہان سے جوڑا تو۔

او یاد آیا سوہان بھائی کی ڈائری تو میں اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی اب روم میں چل کر پڑھیں گے

یہ اچھا نہیں کیا تم نے مہ وش بغیر اجازت کے کسی کی پرسنل چیز پڑھنا بہت بری بات ہے۔

فی الحال روم میں چلو مانو بعد میں تم مجھے اخلاقیات پر لیکچر دے دینا

اچھا بڑے بھیا آپ لوگ بیٹھیں ہم لوگ تھوڑا ریسٹ کر لیں پورا دن سفر میں گزرا ہے۔

ہاں ہاں صفیہ تم لوگ آرام کرو

سوہان جی چاچو بیٹا آپ جا کر تعبیر اور سروش کو ان کے روم دکھا دو۔

اوکے میں دکھاتا ہوں۔ آئیں بھائی تعبیر میں آپ کو آپ لوگوں کو روم دکھا دوں یہ رہا آپ کا روم تعبیر بھائی اینڈ سروش بھائی یہ آپ کا روم آپ روم کی لائٹ سائیڈ ہے نا جو وہاں پر جو روم ہے وہاں پر چڑیلوں کا سایہ ہے اس لیے آپ کانوں میں روئی دے کر سو جائیں۔

کیا مطلب۔ سوہان یار کیوں ڈرا رہے ہو۔

ارے ڈرا نہیں رہا سروش بھائی اصل میں وہاں اس روم میں میری دو عدد چڑیل ٹائپ کی کزنز رہتی ہیں ہر وقت لڑتی رہتی ہیں اور بولتی اتنا ہیں کہ توبہ۔۔

دیکھو مانو پہلے ڈائری میں پڑھوں گی۔

نہیں پہلے میں پڑھوں گی مانو مجھے دو ڈائری وہ دونوں لڑ رہی تھیں اور ان کی آواز سروش کو سونے نہیں دے رہی تھی اف سوہان ٹھیک کہتا تھا یہ لڑکیاں نہیں چڑیلیں ہیں

پہلے میں پڑھوں گی۔

نہیں پہلے میں پڑھوں گی۔

یکدم کسی نے ان کو کسی نے دروازہ کھولنے کا کہا تھا۔

اف اللہ یہ کون آ گیا ہے مانو دروازہ کھولو۔

میں کیوں کھولوں تم کھولو ضرور تنزیل بھائی ہوں گے۔ بہت ڈانٹ پڑے گی اب کیا کریں مہ وش۔

ایسا کرو تم دروازہ کھولو میں سونے کی ایکٹنگ کرتی ہوں۔

ارے واہ میں کیوں اکیلے جوتے کھاؤں ۔ٹک ٹک ۔۔ٹک مانو دروازہ کھول مانو رنے ہمت کر کے دروازہ کھول دیا تھا اور نگاہ اٹھائے بغیر وضاحت دینا شروع کر دی کیونکہ اس نے جوتوں کو دیکھ کر فرض کر لیا تھا کہ وہ تنزیل ہے۔

و۔۔وہ۔ تنزیل بھائی مہ وش لڑ رہی تھی مجھ سے اور شور بھی وہی کر رہی تھی اب آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ سوری پلیز سوری۔

تنزیل نے کوئی جواب نہ دیا تھا یہ تنزل بھائی کو کیا ہو گیا ہے جواب ہی نہیں دے رہے بولیں تو سہی مگر یہ باتیں وہ دل میں سوچ رہی تھی مگر جب اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئی حیران سے زیادہ پریشان ہو گئی تھی کون ہے یہ اور اس وقت اس سے پہلے کہ وہ شور کرتی ایک بھاری ہاتھ نے اس کے ہونٹوں کو ساکت کر دیا۔

آ۔ و۔ آ۔۔ وکون ہو تم چھوڑ و مجھے۔

ش۔ ششش۔ اب اس نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ لی تھی وہ کسی سائے کی طرح اس کے قریب تھا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

چھوڑ دو مجھے جانے دو وہ رونے لگی۔

اوکے چھوڑ رہا ہوں ابھی تو۔ مگر دوبارہ ملی تو ۔

تو۔۔

جاؤ تم یہاں سے پیاری مانو بلی بعد میں بتاؤں گا

پھر تو مانو نے اپنے روم کی طرف ڈور لگا دی مہ وش ہمیشہ کی طرح جلدی سو گئی تھی اسے تو بیڈ پر جانے کی دیر ہوتی تھی گدے گھوڑے بیچ کر سو جاتی تھی اس وقت مانو کو لگا وہ مر جائے گی آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے کون تھا وہ۔ آخر کون ۔اوہ میرے اللہ اس نے مجھے چھوا میرے ہونٹوں پر اپنے ہاتھ اے اللہ مجھے معاف کر دے تو تو سب جانتا ہے۔ روتے روتے نہ جانے کب وہ نیند کی وادی میں اتر گئی اسے پتہ بھی نہ چلا۔

دیکھو زویا اسن ان دونوں لڑکوں کو قبضے میں کرنے کی کوشش کروایسے رشتے بار بار ہاتھ نہیں آتے صفیہ بتارہی تھی تعبیر کو تھوڑی ایکٹو لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انزلہ بیگم اپنی بیٹوں کو ان دوعدد لڑکوں کو پھنسانے کا پلان بتارہی تھی۔ جبکہ جیا بیگم نے ان کو ناشتے پر بلانے کے لیے قدم رکھا تو انزلہ بیگم نے خاموشی پکڑلی جب کہ جیا بیگم سب سن چکی تھیں سب ناشتے پر اکٹھے تھے سوائے ان دونوں کے کیونکہ وہ تو سویرے ہی کالج کے لیے نکل گئی تھیں۔

مہ وش مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پتہ نہیں وہ کون تھا۔ مانو نے کہا۔

اچھا بتاؤ وہ دیکھنے میں کیسا تھا۔

میری جان پر بنی ہے اور تمہیں اس کمینے انسان کی پڑی ہے۔

ویسے مانو کیا سین ہوا ہوگا۔ ہیرو نے زبردست انٹری ماری اور ہیروئن کے ہونٹوں پر ہاتھ بھی رکھ لیے واہ کاش مجھے بھی ایسا رومینٹک سا ہیرو مل جائے۔

اے۔اے ارے۔ مانو سوری یار روتو ناں۔ ہوا کیا پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی میں اتنی جرات نہیں کہ ہمارے خاندان کی دیواروں کو پھلانگ کر یوں کمرے تک آجائے دیکھ مانو یہ تیرا خواب تو ہوسکتا ہے مگر حقیقت نہیں۔

پلیز مہ وش سمجھنے کی کوشش کرواس نے مجھے چھوا ہے۔ مانو نے ڈرے لہجے میں کہا

خواب میں اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے مانو بلی۔ مہ وش نے کہا۔

مانو بلی تو اس نے بھی بولا تھا۔

تم پاگل ہوگئی ہو ماہ نور چلو کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے

صفیہ جیا کے پاس آئی تھیں جیا تم نے مانو کا رشتہ وغیرہ کہیں طے کردیا کیا۔ کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈ کر اس کی شادی کردو۔

مگر صفیہ آپا آپ نے تو تعبیر کے لیے مانو۔

اوہ پلیز رہنے دو اس بات کو یہ پہلے کی بات تھی اب بچے بڑے ہوگئے ہیں اور ان کی سوچ بدل گئی ہے ویسے بھی میرے تعبیر کو تو زویا پسند آگئی ہے بڑی پیاری بچی ہے میں منصور بھائی سے اس کا ہاتھ مانگوں گی تم میرا مانو تو کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر ماہ نور کی شادی کردو۔

یہ کہہ کر صفیہ تو چلی گئی تھیں مگر جیا اپنی جگہ یوں ساکت ہوئی کہ پھر اٹھ نہ سکی کیونکہ وہ اپنی مانو کو چھوڑ کر وہاں چلی گئی تھی جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا اور ہر طرف مانو کی آواز سنائی دے رہی تھی ماں اٹھو ناں پلیز اٹھ جاؤ ناں مجھے کس کے پاس چھوڑ کر جارہی ہو مجھے اکیلا کردیا ماں صفیہ بیگم نے اسے دلاسا دیا تھا صبر کرو مانو جانے والے واپس نہیں آتے۔ آج ہر کوئی اس سے محبت جتارہا تھا مگر اصل محبت تو کھو گئی تھی اور وہ تھی اس کی ماں۔

وقت سے بڑھ کر کوئی طبیب نہیں اور وقت نے اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھ دیا تھا اور سب سے بڑھ کر مہ وش نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی وہ کسی حد تک اس صدمے سے نکل آئی تھی مگر کبھی کبھی وہ اس شدت سے روتی تھی کہ لگتا تھا کہ آسمان پھٹ جائے گا آج اس کی ماں کو گئے ہوئے دوماہ ہوگئے تھے اور آج ثنا کی مہندی تھی شادی میں اتنی دھوم دھام تو نہ تھی مگر وہ سادگی بھی نہ تھی وہ خاموش سی کمرے میں بیٹھی تھی جب راحیل

اوران کی بیگم اس کے کمرے میں آئے۔
ارے ماموں آپ لوگ مجھے بلا لیتے میں آجاتی
نہیں بیٹا ہم خود آئے ہیں دیکھو بیٹا جانے والے چلے جاتے ہیں رہ جانے والوں کی زندگی تو چلتی رہتی ہے بہادر بنو بیٹا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا تب اس کا خود پر کنٹرول نہ رہا اور وہ پھر سے رونے لگی تب زارا بیگم نے اس کے ماتھے کو چوما
اٹھو بیٹی آپ بھی تیاری کرو مہندی کی مہ وش بھی اپنے روم میں بیٹھی رو رہی ہے میں اسے بھی کہتی ہوں تم دونوں مل کر تیار ہو کر باہر آجاؤ اور اب میں تمہارے چہرے پر صرف مسکراہٹ دیکھوں۔
اسے خود کو بدلنا تھا مہ وش کے لیے کیونکہ اس کے پاس مما کے بعد ایک ہی رشتہ بچا تھا اور وہ تھی مہ وش۔
مہ وش۔۔اوہ۔۔مہ۔۔۔
ہاں بولو مانو میں ادھر ہوں۔
کیا کر رہی ہو۔چلو اٹھو تیار ہو جاؤ۔سب مہندی کی تیاری کر رہے ہیں۔
دیکھو مانو اگر تم تیار نہ ہوگی تو میں تیار نہیں ہونگی
اف اٹھو بتاؤ ڈریس کہاں ہے میں بھی تیار ہوں گی اور تم بھی۔
سچی مانو بہت مزہ آئے گا۔
وہ دونوں ڈریس پہن کر آئی تو حد سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھیں دونوں نے وائٹ اور سکائی کلر کے کپڑے پہن رکھے تھے۔
مانو آؤ تم کو بھی میک اپ کروں۔
پلیز۔مہ۔وش میرے چہرے پر کوئی ظلم نہ کرنا پلیز تمہیں پتہ ہے مجھے ان چیزوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔
اوکے بابا نہ ہو۔مجھے تو ہوتا ہے۔
ارے میرے ایئر رنگز کہاں گئے مانو۔
ڈھونڈو پلیز۔
ارے یہ کیا مانو سوہان بھائی کی ڈائری تو ہمیں یاد ہی نہیں رہی۔
چلو اب تو یاد آگئی ہے ناں۔
چلو مانو میں ایئر رنگز ڈھونڈتی ہوں تم زور سے پڑھنا شروع کر دو پتہ تو چلے سوہان بنتے تو شریف ہیں مگر ضرور تین چار لڑکیوں سے چکر چلا رکھے ہوں گے۔مانو نے پڑھنا شروع کر دیا۔
زندگی گزرتی گئی وقت کٹتا گیا اور میں منتظر رہا کاش تو پلٹ کر میرا ہاتھ تھامے اور کہے میں آپ کی ہوں سوہان صرف آپ کی۔
یا۔ہو۔۔یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہوا موصوف کسی سے چکر چلا رہے ہیں اور اتنے رومنٹک دیکھتے تو نہیں ہیں چلو مانو آگے پڑھو۔
آج وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی جیسے کوہ قاف کی کوئی پری میرا دل چاہا کہ اپنے سارے جذبات اس سے کہہ دوں مگر وہی مصیبت سوہان بھائی جب وہ مجھے بھائی کہتی ہے تو میرا دل ٹوٹ سا جاتا ہے ہائے دل کب وہ مجھے ملے گی اور بس میری ہو جائے گی۔کب تک تڑپاؤ گی پیاری مہ وش۔۔۔
ہائے میں مر جاؤں مہ وش بہت مبارک ہو تمہیں تم تو مری بھابھی بن جاؤ گی۔
جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا کزن غضب خدا کا عمر نہیں دیکھتے اپنی پچیس کے ہو گئے ہیں اور میں بیس کی
اوہو۔اب یہ بہانے تو تم مت بناؤ ناں اب اتنی بھی بچی نہیں ہو تم۔
مانو کی بچی رکو تم ذرا۔

مانو نے ڈور کھول کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی اسے پتہ تھا اگر رکی تو مہ وش اس کا سر پھاڑ دے گی دوڑتے ہوئے آج پھر اس کی ٹکر کسی سے ہو گئی اس نے نظر اٹھا کر دیکھنا گوارہ نہ کیا۔

دیکھ کر نہیں چل سکتی آپ مسئلہ کیا ہے تمہارا۔ ہر وقت بلی کی طرح چھلانگیں مارتی رہتی ہو۔

دیکھیں سوری پلیز۔۔ مجھے پتہ ہے میری غلطی ہے مگر اب تو شارٹ ہی ہو گئے ہیں۔ سوری بول تو رہی۔۔ اس نے نگاہ اٹھا کر جو دیکھا تو۔۔

تم۔۔ آج پھر کون ہو تم اس نے دن رات کو بھی تم نے مجھے۔۔

پلیز اب رات بھی کہہ رہی ہو دن بھی کہہ رہی ہو کون یقین کرے گا تمہارا۔

تم جو بھی ہو میری جان چھوڑو۔

میں نے آپ کو کب پکڑا ہے اور اگر پکڑ لیا تو چھوڑنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تم ہو کون۔ آخر چاہتے کیا ہو مجھ سے۔

بس اتنا سا چاہتا ہوں کہ ہر بار مجھ سے ٹکر نہ مارا کرو ورنہ۔۔۔

ورنہ کیا۔ کیا کر لو گے تم بہت دیکھے ہیں میں نے تم سے تیز لوگ اگر تم ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں ماموں کو بتاؤں گی نکلو ہمارے گھر سے باہر۔

ارے واہ تمہارا گھر کب سے ہو گیا ہے یہ۔

مانو رونے ہی والی تھی کہ تعبیر کو آتے دیکھا تعبیر بھائی کو بتاتی ہوں اس کمینے کا تعبیر بھائی مجھے کچھ کہنا ہے آپ سے۔

ہاں جلدی سے بولو باہر بہت کام ہیں۔

ارے سروش پلیز باہر جا کر ڈیکوریشن والوں کو دیکھنا۔

او کے میں جاتا ہوں۔

ہاں بولو مانو کیا بات ہے۔

جی وہ کچھ نہیں بس پوچھنا تھا فنکشن کب شروع ہو گا۔

اتنی سی بات پر اتنی پریشان ہے میری گڑیا اب تھوڑی دیر میں شروع ہو جائے گا۔

وہ بہت پریشان ہو گئی تھی سروش تو یہ۔ وہی ہے جس سے پہلے بھی ٹکر ہوئی تھی تعبیر بھائی کا دوست لیکن یں نے اسے دیکھا نہیں پھر اس رات کے بعد مہ وش کو بتاتی ہوں جا کر۔

تعبیر بتایئے ناں میں کیسی لگ رہی ہوں۔

بہت پیاری لگ رہی ہو لگتا ہے مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

اب اتنی بھی پیاری نہیں لگ رہی ہوں میں۔

اچھا زوہا سنو میں نے ماما سے بات کر لی ہے تنزیل کی شادی کے بعد ہماری منگنی کرنا چاہتی ہیں وہ اور سروش نے بھی کوئی لڑکی پسند کر لی ہے تمہیں پتہ تو ہے اس کے والدین تو ہیں نہیں اس لیے اس کی منگنی کے فرائض بھی ماما کے ذمہ ہیں۔

او ہو۔ ویسے کون سی لڑکی پسند آ گئی ان کو۔

یہ تو نہیں بتایا اس نے کہہ رہا تھا جب ٹائم آیا تو بتا دوں گا اچھا اب میں ذرا باہر کام دیکھ لوں۔

جاتے ہوئے امن سے کہنا کہ میرے پاس روم میں آئے۔

او کے کہہ دوں گا۔

آپی آپ نے مجھے بلایا۔

ہاں امن مجھے لگتا ہے کہ سروش کو تم پسند آ گئی ہو ذرا بن سنور کر رہنا اور اس کے پاس پاس رہنا۔

او کے آپی بے فکر رہو آپ دیکھتی جاؤ میں کرتی کیا ہوں۔

او کے گڈ۔

سروش۔

او۔جی آپ نے مجھے یاد کیا۔

جی وہ مجھے بازار جانا تھا کچھ چیزیں لینے سب کام میں لگے آپ مجھے لے چلیں۔

ارے آپ بولیں اور ہم نہ مانیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔سروش مسکرایا۔

او کے پھر میں تیار ہو کر آئی۔

سنو امن۔

جی۔۔

چاچی کہاں جا رہی۔

جی وہ مین بازار جا رہی ہوں کچھ چیزیں لینے۔

گاڑی پر جا رہی ہو۔

جی ہاں وہ سروش کے ساتھ۔

او کے میں سروش کو بولتی ہوں مانو اور مہ وش کو بھی لے جائے مانو نے چیل لینی ہے۔

اف کیا مصیبت ہے کباب میں ہڈی اب ان دونوں کو بھی ساتھ لے کے جانا پڑے گا اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس کر دیا امن کا غصہ دیکھنے کے لائق تھا۔

مانو سروش کے بارے میں مہ وش کو بتانے جا رہی تھی جونہی دوڑ کو کھولنے لگی تو اندر سے آنے والی آوازوں نے اسے چونکا دیا اور وہ رک گئی۔

دیکھیے سوہان بھائی ایسا کیسے ممکن ہے میں آپ کو بھائی۔

پلیز مہ وش بس کر دو۔ پلیز مجھے یوں نہ ٹھکراؤ پلیز مہ وش وہ اس کے پیروں میں بیٹھ گیا تھا پلیز مہ وش اگر تم کسی اور کو۔۔۔

خدا کے لیے ایسا نہ بولیں میں کسی کو پسند نہیں کرتی اور یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔

تم جیسے چاہو گی ویسا ہوگا میں ساری زندگی تمہارا انتظار کرونگا۔ پلیز مہ وش میں خود راحیل چاچو سے بات کروں گا پلیز مہ وش ایک بار کہہ دو تم صرف میری ہو۔ مانو جو دروازے پر کھڑی تھی ششدر رہ گئی۔ ایسے جنونی لوگ بھی ہوتے ہیں اور مہ وش کو دیکھو کمینی اتنا پیار کرنے ہیں سوہان بھائی اور نخرے کر رہی ہے مانو نے یکدم دروازہ کھولا تو وہ دونوں ہی ڈر گئے مانو نے اندر سے دروازہ لاک کر دیا اور سوہان کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

کیا ہو گیا ہے سوہان بھائی کیوں اس بے حس لڑکی کے سامنے اپنے آنسو ضائع کر رہے ہیں اس کو کیا فرق پڑتا ہے ایک کام کریں جائیں جا کر زہر کھا کر مر۔۔

شٹ اپ۔۔ مانو مہ وش نے آگے بڑھ کر اس کو تھپڑ مار دیا تھا بند کرو بکواس اپنی۔

ارے دیکھا سوہان بھائی یہ آپ سے پیار کرتی ہے بس آپ کو تڑپا رہی تھی مہ وش کی نظریں جھک گئیں تھیں۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ کیونکہ وہ تو اس وقت ہی اس کی ہو گئی تھی جب وہ اس کے پیروں میں جھک گیا تھا۔ سوہان بھائی آپ راحیل ماموں سے بات کریں پرنسز تیار ہے۔ مہ وش کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

کیوں مہ وش مانو ٹھیک کہہ رہی ہے۔

جی۔و۔وہ۔ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے سوہان بھائی

خبردار جو مجھے بھائی کہا تو۔

اور تینوں کی ہنسی دیکھنے کے قابل تھی اس لیے اچھا اب میں چلتا ہوں یہ نہ ہو کوئی گڑبڑ ہو جائے۔

کیا بھائی مجھے تو مفت کا تھپڑ پڑ گیا ناں۔

ارے میری سویٹ کزن تھینک یو سوچ ویسے میری ہونے والی بیوی کو تنگ کرو گی تو مار تو پڑے گی۔

ہائے اللہ یہ کیا نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

امن پلیز اپنی باقی کزنز کو بھی بلا لیں ورنہ دیر ہو جائے گی ابھی زارا یہ آنٹی نے بولا تھا کسی اور کو بھی بازار جانا ہے۔

ارے سروش چھوڑیں ان لوگوں کو جانا ہوتا تو آ جاتیں۔

او کے جیسے آپ کی مرضی۔

مانو مہ وش جلدی کرو سروش تم لوگوں کا ویٹ کر رہا ہے۔

او کے امی ہم آ ئی ہیں۔ چلو مانو۔

میں نہیں جا رہی اس کمینے کے ساتھ

کیوں کیا ہوا۔

تمہیں پتہ ہے اس رات اسی نے مجھے پکڑا تھا اور یہ تھا کہاں اس رات کے بعد مجھے نظر نہیں آیا۔

اف کیا ہو گیا ہے تمہیں اتنے ہینڈسم بندے کو تمہیں پکڑنے کی کیا ضرورت تھی اور ویسے وہ ایک رات رکے تھے وہ۔ یہاں پھر کاغان چلے گئے تھے گھومنے کے لیے۔

میرا یقین کرو اس رات۔۔

اٹھو چلو دیر ہو رہی ہے پتہ نہیں کیا اول فول بولتی رہتی ہو۔ وہ گھسیٹ کر اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے

ایک سیکنڈ امن میں فون روم میں بھول آیا ہوں وہ لے آؤں۔

وہ دونوں تیز چل رہی تھیں جب ایک بار پھر وہ سروش سے ٹکرا گئی۔

اوہ سنبھل کر اگر چوٹ لگ جاتی تو۔

ہونہہ۔۔۔ مہ وش کو دیکھ کر شریف بنتا ہے کمینہ

ارے سروش بھائی چلیں ناں دیر ہو جائیگی

وہ سب اپنی اپنی چیزیں لے کر واپس آ گئے تھے مگر مانو کو یوں لگا کہ سروش امن سے بے تکلفی سے بات کر رہا تھا اور بات کرتے ہوئے کافی کلوز بھی ہو رہا تھا مگر امن کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا وہ تو اس کے پاس ہونے پر اور بھی خوش ہو رہی تھی مہندی کا فنکشن بہت زبردست ہوا تھا مگر اس کا موڈ سروش کی وجہ سے آف ہی رہا تھا کیونکہ وہ بار بار اس کو سراہتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

شادی کا دوسرا دن بھی اچھا گزر گیا تھا۔

مہمانوں نے اپنے گھروں کو جانا شروع کر دیا تھا اور گھر پھر سے خالی ہونا شروع ہو گیا تھا ثنا اور تنزیل بہت خوش تھے اور وہی مون کے لے چلے گئے تھے سوہان بھائی اور مہ وش کے رشتے کی بات چل رہی تھی اور وہ دونوں بھی بہت خوش تھے جبکہ مانو اپنی کتابوں میں مصروف رہنے لگی تھی۔

مانو۔۔ او مانو۔

ہاں بول۔ مہ وش تمہیں پتہ ہے گھر میں بات چل رہی ہے کہ سروش بھائی کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے

تو میں کیا کروں مہ وش یہ کون سی انہونی ہے۔

انہونی تو یہ ہے یار سب کہہ رہے ہیں انکو امن پسند آ گئی ہے۔

مہ وش اس میں انہونی والی کون سی بات ہے۔ ہر وقت تو امن سے چپکے رہتے تھے۔

خیر آج فائنل ہو جائے گا سب کو ہال میں بلایا ہے بڑے تایا نے۔

ہم سب چھوٹوں کو بھی۔
سب کو بلایا ہے اور تم بھی آ جاؤ مانو میرے ماما پاپا تمہیں بھی بلا رہے ہیں۔
اوکے میں آتی ہوں۔

سب ہال نما کمرے میں جمع تھے بڑے تایا نے ایک نگاہ مہ وش پر ڈالی اور ایک سوہان پر آج میں نے تم سب کو اس لیے بلایا تھا کہ میں نے سوہان اور مہ وش کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ کسی کو کوئی اعتراض ہے تو بولے۔ سب خاموش تھے اور سب کی خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ کسی کو کوئی اعتراض نہیں مجھے لگتا ہے سب اس رشتے سے خوش ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر میں تعبیر اور زوہا کی منگنی کا اعلان بھی کرتا ہوں۔ سب بہت خوش تھے لیکن اس خوشی کے موقع پر میں اپنے بیٹے سروش سے کہوں گا کہ وہ اپنی مرضی کا اظہار کر دے کیونکہ اس نے مجھ سے کہا تھا اسے ہماری فیملی میں سے کوئی لڑکی پسند ہے جس کا نام وہ آج بتائے گا باقی سب خوش تھے مگر مہ وش کچھ زیادہ ہی خوش تھی مانو نے اسے گھورا جیسے کہہ رہی ہو تمہارا رشتہ سوہان بھائی سے ہو گیا ہے اس لیے سروش کے لیے اتنا خوش نہ ہو مگر سب منتظر تھے بڑے ماموں خود بھی کروٹ بدل رہے تھے کب سروش امن کا نام لے اور سب کو مبارک باد دی جائے۔ بولو سروش بیٹا بولو۔

مجھے مانو سے شادی کرنی ہے صفیہ آنٹی۔ سب کے خوش ہوتے چہرے مرجھا گئے تھے سوائے مہ وش سوہان اور راحیل زارا بیگم کے۔ اس سے پہلے کہ منصور صاحب کچھ بولتے راحیل صاحب نے مانو کی طرف دیکھا۔

ہاں بیٹا مانو ہماری بہت پیاری بچی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیوں مانو بیٹا۔

مانو کی تو جیسے جان نکل گئی تھی اس کمینے سے شادی مجھے انکار کر دینا چاہیے مگر ماموں نے جس مان سے اسے پوچھا تھا وہ سب کے سامنے ان کو بے عزت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

بولو مانو۔

جیسے آپ کی مرضی ماموں جو آپ کو بہتر لگے یہ کہہ کر وہ ہال سے باہر نکل آئی تھی ناچار سب کو یہ فیصلہ ماننا پڑا کو کہ سروش بہت خوش تھا مگر ایک امتحان باقی تھا اور وہ ماہ نور کو منانا تھا۔

اف مانو تم بہت خوش قسمت ہو اتنا زبردست بندہ مل گیا۔

مگر مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔

پلیز مانو وہ بہت اچھے ہیں تم انکے بارے میں غلط سوچ رہی ہو۔

کوئی نہیں ہے میرا سب میرے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں مجھے سب پتہ ہے سب نفرت کرتے ہیں مجھ سے اور وہ شخص جو ہر وقت امن کے ساتھ چپکا رہا اب مجھے اس کے ساتھ جوڑ دیا مجھے نہیں کرنی اس سے شادی مہ وش۔ پلیز وہ مہ وش کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی لیکن جب وہ پلٹی تو وہاں وہاں مہ وش نہیں تھی بلکہ سروش کھڑا اسکی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اس سے کترا کر نکلنا چاہتی تھی کہ سروش نے اس کو کندھے سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

اپنی ساری باتیں تم کہہ چکی ہو اب میری سنو۔ جس دن پہلے دن تم مجھ سے ٹکرائی تھی اسی دن سوچ لیا تھا کہ تمہارے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے تمہیں اپنا بنانا ہے رہی بات امن کی تو وہ تم سے نفرت کرتی تھی تمہاری راہوں میں کانٹے بچھانے کی کوشش کرتی تھی اس لیے میں نے پہلے اسے اپنے قریب کیا اور پھر بری طرح اس کا دل

توڑا کیونکہ اس گھر میں رہنے والوں کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہر چیز ہماری مٹھی میں نہیں ہوتی بلکہ تقدیر کا عمل دخل ہر جگہ ہوتا ہے۔ یہ سب تم سے برا سلوک کرتے رہے اور تقدیر انکو آزماتی رہی اور جب وقت آیا تقدیر نے اپنا تیر پھینکا تو یہ سب ہار گئے۔ تقدیر نے مجھے تمہاری تقدیر بنا کر بھیجا ہے کہ رشتوں کی اوٹ میں تم نے جو دکھ اٹھائے ہیں انکا ازالہ کرسکوں اب بولو اپنی تقدیر کو میری تقدیر سے ملنے کی اجازت دو گی بولو مانو بولو۔

وہ کچھ نہ بول سکی آج اسے تقدیر کے فیصلوں پر رشک آیا تھا واقعی تقدیر نے اسے خوب آزمایا تھا اس لیے اس نے چپ چاپ تقدیر کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور سروش کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

آپ بھی مجھے ماں کی طرح اکیلا تو نہیں چھوڑ دیں گے۔

جی نہیں بالکل بھی نہیں میڈم۔ میں ہمیشہ اپنی مانو بلی کے پاس رہوں گا۔

آپ نے مجھے بلی کہا چھوڑوں گی نہیں۔ وہ باہر بھاگی تھی جب دوڑتے دوڑتے اچانک رکی تو وہ تیزی سے بھاگتے ہونے پھر اس سے ٹکرائی۔

اوہ دیکھ کر اب تو ٹکریں مارنا چھوڑ دو یار کب تک ظلم کرتی رہو گی۔ وہ اس کے بالکل پاس تھی جب عقب سے اسے قہقہوں کی آواز آئی۔ سوہان اور مہوش ہنس رہے تھے۔

مانو یہ اس تھپڑ کا بدلہ ہے جو میری ہونے والی وائف نے تمہیں مارا تھا۔ یہ سن کر سب مسکرانے لگے تھے۔

قارئین کرام یہ میری پہلی کاوش تھی کیسی لگی آپ کو اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا تاکہ میں مزید لکھ سکوں اگر آپ قارئین کو میری جواب عرض میں انٹری اچھی لگی اور مجھے ویلکم کہا تو میں آئندہ بھی لکھتی رہوں گی اور ادارہ جواب عرض سے میں گزارش کرتی ہوں کہ میری حوصلہ افزائی ضرور کیجئے گا میری اس تحریر کو شائع کردیں۔

غزل

یہ دنیا ہی محفل میرے کام کی نہیں
کس کو سناؤں حال دل بے قرار کا
بجھتا ہوا چراغ ہوں اپنے مزار کا
اے کاش بھول جاؤں اسے کو مگر بھولتا نہیں
اپنا پتہ ملے نہ ملے خبر یار کی ملے
دشمن کو بھی نہ ایسی سزا پیار کی ملے
ان کو خدا ملے خدا کی جنہیں تلاش ہے
مجھ کو بس ایک جھلک میرے یار کی ملے

نصر اللہ خان مگسی۔ بوچلستان

غزل

فنا کے بعد مجھ کو ستا رہا ہے کوئی
نقش میری قبر کا مٹا رہا ہے کوئی
میرے خدا مجھے تھوڑی سی زندگی دے
اداس میرے جنازے سے جا رہا ہے کوئی
خدائی سوتی ہے آنسو بہا رہا ہے کوئی
فرشتوں عرش سے گلاب کے پھول برساؤ
میری قبر کو دلہن بنا رہا ہے کوئی
میرے خدا مجھے تھوڑی سی زندگی دے

نصر اللہ خان مگسی۔ بوچلستان

پہلا قدم

تحریر۔ آنیہ۔ لاہور

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں یہ پہلی کہانی لے کر حاضر ہوئی ہوں امید ہے کہ اس دکھی نگری میں سب میرا حوصلہ بڑھائیں گے اور مجھے اور زیادہ لکھنے کا موقع ملے گا میں نے اس کہانی کا نام۔ پہلا قدم۔ رکھا ہے امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی۔ اس نے گاڑی سے باہر نظر دوڑائی تو سب کچھ اپنی جگہ پر ٹھیک لگا اسے لیکن ایک چیز ہمیشہ اس کے دل میں کرواہٹ پیدا کر دیتی تھی اور آج بھی اس کو دیکھ کر اس کے دل میں ہمدردی کے کئی جذبات امڈ آئے تھے اور افسوس بھی ہے۔ میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں ضرور بتایئے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہو گی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

وہ کالج سے گھر پہنچی تو ماں نے بڑے تپاک سے ہمیشہ کی طرف استقبال کیا مگر اس کے دل دماغ میں وہ ہی سب کچھ چل رہا تھا جسے وہ راستے میں دیکھ کر آئی تھی اسے خاموش اور اداس دیکھ کر اس کی ماں نے بڑے پیار سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔
بیٹی ایشال۔ تو اتنی اداس کیوں ہو ایسی کیا بات ہے آج۔
ماں کی آواز نے ایشال کی سوچوں میں خلل ڈالا وہی بات مجھے پریشان کر دیتی ہے ایشال نے خود میں الجھتے ہوئے کہا اچھا تو آج پھر تم نے دیکھ لیا ہوگا وہ سب ماں کھانا گرم کرنے کے لیے اٹھی اور ایشال وہاں ہی پریشان بیٹھی رہی تھی اچھا تازہ دم ہو جاؤ منہ دھو کر کھانا کھا لو ماں نے کچن سے آواز لگائی۔

ایشال ایک اچھی رائٹر تھی وہ دل سے لکھتی تھی وہ اب تک کئی ناول غزلیں اور تحریریں لکھ چکی تھی وہ ماحول کا بہت غور سے جائزہ لیتی تھی اپنے ماحول میں ہونے والی برائیاں ختم کرنا چاہتی تھی مگر اسے سمجھ نہ لگتی تھی کہ وہ کیسے اکیلے ان سب کو ختم کر سکتی ہے آج بھی وہ اس لیے ہی پریشان تھی وہ ہمیشہ سڑک پر کڑی دھوپ میں بہت بوڑھے بوڑھے لوگوں کو کام کرتے دیکھا کرتی تھی جو اپنا بوجھ بھی بمشکل سے اٹھاتے ہونگے مگر وہ کئی کئی اینٹیں اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھا کر کئی کئی منزلیں چڑھا کرتے تھے اس نے اکثر اپنے کالج میں بھی ایسے ہی بوڑھے لوگوں کو دیکھا تھا جو اپنی کمر جھکا کر صفائی کیا کرتے تھے ان سب بوڑھے لوگوں کو دیکھ کر وہ سوچا کرتی تھی کہ یہ لوگ ساری ساری زندگی محنت مزدوری کرتے پوری زندگی اپنی ناتواں کمر پر بوجھ اٹھاتے ہیں عمر کے اس حصے میں وہ کیوں اتنا کام کرتے ہیں ان کے بچے ان کو کام کیوں کرنے دیتے ہیں۔
اس کے ذہن میں مسئلہ تھا اور حل بھی اسے اس مسئلے کا یہ حل لگتا تھا کہ حکومت کو کچھ رقم ان بوڑھے

لوگوں کو ہر مہینے یا ہر سال دینی چاہیے جن سے یہ لوگ سکون سے کھا سکیں یہ بوجھ نہ اٹھائیں اتنی سخت دھوپ میں جہاں جوان انسان بھی کام کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں وہ بھی ڈرتے ہیں کہ اتنی دھوپ میں وہ کیسے کام کریں گے جب سخت گرمیوں میں سب لوگ گھر میں پنکھوں۔اے سی۔ کے نیچے آرام کر رہے ہیں تو یہ بزرگ لوگ بھی اپنے گھروں میں آرام کر سکیں مسئلے کا حل تک کا سفر وہ کیسے اکیلے طے کرے یہ جاننا تھا اس کو۔

میں کسے مدد کروں ان سب لوگوں کی ماں ایشال نے کھانے کھاتے ہوئے اداسی سے پوچھا۔

یہ کام میں اکیلے کیسے کر سکتی ہوں دوسرا کوئی مدد کو تیار بھی نہیں ہے ایشال مزید پریشان ہوئی۔

تمہارے پاس تمہارا سب سے بڑا ہنر ہے وہ یہ کہ تم لکھ سکتی ہو لکھ کر اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتی ہو اس کی ماں نے اسے ایک بہت خوب صورت مشورہ دیا تھا اس سے کیا ہوگا ایشال نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا دیکھو تم بہت اچھا لکھتی ہو تم اپنی تحریروں سے یہ بات دوسرے لوگوں تک پہنچا سکتی ہو تم ان کو وہ سوچنے اور دیکھنے پر مجبور کر سکتی ہو جو تم محسوس کرتی ہو اور شاید کوئی اور بھی سوچتا ہو اور تمہاری طرح وہ بھی کر نہ سکتا ہوں اپنی تحریر کے ذریعے ان سب کی آواز بن سکتی ہو دونوں کی بیچ کچھ دیر خاموشی حائل رہی تھی پھر ماں نے اس خاموشی کو توڑا علامہ اقبال نے بھی مسلمانوں کی غلامی کو محسوس کیا تھا وہ بھی مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے باہر نکالنا چاہتے تھے انہوں نے بھی اپنی نظموں میں مسلمانوں کو آزادی کا پیغام دیا تھا انہوں نے بھی اپنی آواز اپنی تحریروں اور نظموں کے ذریعے اٹھائی تھی تم بھی ایسا ہی کر سکتی ہو شروع شروع میں رکاوٹیں آئیں گی بالکل ویسے ہی جیسے علامہ اقبال کے رستے میں آئیں تھی ان کی نظموں کا بھی ہندوؤں نے مذاق بنایا تھا مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی اور اپنے مقصد کامیاب اپنی منزل کو پا لیا تھا اور تمہارا مقصد بھی ہے اور منزل اور راستہ تمہیں اب خود ہی بنانا ہے۔۔ماں ایشال کو سمجھا کر برتن سمیٹنے لگی اور ایشال ماں کی باتوں پر غور وفکر کرنے لگی پھر وہ اپنی نشست سے اٹھی اس خیال اور اس خوشی کے ساتھ کہ اب وہ بھی ان تمام بوڑھے اور کمزور لوگوں کی آواز بنے گی جن کی آواز ابھی بہت مدھم ہے۔

وہ اپنے کمرے میں گئی اور کاغذ اور قلم اٹھایا اور سکون سے جگہ پر بیٹھ گئی اس مقصد اور منزل کی طرف یہ اس کا پہلا قدم تھا۔

پہلا قدم اٹھانے سے بہت تک منزل بہت دور نظر آتی ہے لیکن پہلا قدم اٹھانے کے بعد منزل کا اور آپ کا فاصلہ صرف ایک قدم کا رہ جاتا ہے۔

آنسہ خان لاہور

سانحہ پشاور کے نام

گزرا گزر جا کر بھی انہیں روکا رو کر بھی انہیں روکا
ظالم نے ظلم ڈھایا ہم کو نہ دیا موقع
ننھے سے پھول تھے وہ کھلنے سے پہلے ٹوٹے
پھر خون کی ندیوں میں نہا کر بھی انہیں روکا
تھی ہچی ہچی کلیاں ہیروں سے تھے چمکتے
پھر اپنے ساتھیوں کو چھپا کر بھی انہیں روکا
جانے کس بات کا بدلا لینے وہ ہم سے آئے
پھر گولیاں سینے میں کھا کر بھی انہیں روکا

کشور کرن چنوکی

ہاتھوں میں قلم لے کر دشمن کو ماریں گے
ہم ننھے مجاہد ہیں اس جنگ میں نہ ہاریں گے

کشور کرن چنوکی

قلم ہے ننھے ہاتھوں میں تنیں ظالم نے تانی ہیں
بدن ہے خون میں ڈوبا مگر آنکھوں میں پانی ہے

کشور کرن چنوکی

پیار کا سراب

..تحریر.فلک زاھد.لاھور..قسط نمبر ۲

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ناکمل
میں آج پھر اپنی ایک نئی تحریر پیار کا سراب کا دوسرا حصہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں میری یہ کہانی محبت کرنے والوں کے لیے ہے یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے اگر آپ چاہیں تو اس کہانی کو کوئی بہتریں عنوان دے سکتے ہیں میں ابراہیم سے پیار کرتی ہوں میں خود نہیں جانتی ایسا کب اور کیسے ہو گیا پلیز مجھے معاف کر دو شمائلہ نے نظریں جھکالیں وہ شرمندہ تھی نہیں۔نہیں بیوقوف ایسا کوئی مطلب نہیں تھا میرا مجھے تم دل سے قبول ہو تسنیم کے ارادے اچانک بدل گئے تھے وہ دل سے کہہ رہی تھی شمائلہ شرم سے سرخ ہو گئی۔خدا نے خاص مجھے ابراہیم کے لیے بنا کر بھیجا ہے آسمانوں سے کیوں کہ خدا کی ذات بہت بڑی ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ ابراہیم کو کوئی نہیں چاہے گا شمائلہ نے یہ بات زبان سے نہیں کہی تھی اور تسنیم اسے پہچان گئی تھی کہ شمائلہ عشق کرنے لگی ہے ابراہیم سے۔تسنیم نے شمائلہ کی یہ بات سن کر ٹھان لی کہ وہ کسی بھی طرح شمائلہ اور ابراہیم کو ایک کر کے رہے گی بے شک کوئی مانے یا نہ مانے دولت ملے یا نہ ملے ان دونوں کو وہ ایک کر کے ہی دم لے گی تسنیم شمائلہ کو ابراہیم کے پاس لے آئی ابراہیم سو رہا تھا شمائلہ کافی دیر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر ابراہیم کے ماتھے پر رکھ دیا کے بخار چیک کیا تو ابراہیم ڈر کر اٹھ گیا کیوں کہ وہ خود ہی آگ کی طرح گرم تھا اور شمائلہ کا ہاتھ ٹھنڈا تھا ابراہیم نے مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں تو شمائلہ کو اپنے پاس چار پائی پر بیٹھے دیکھ کر حیرت سے چونک گیا اور بے یقین نظروں سے تسنیم کی طرف دیکھا جو دروازے سے ٹیک لگائے ہنس رہی تھی پھر شمائلہ کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔شمائلہ کے ابراہیم کے سینے پر ہاتھ کر اسے واپس لٹانا چاہا لیکن وہ چار پائی سے ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھ گیا شمائلہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

شمائلہ نے پیچھے پلٹ کر پیار بھری آنکھوں سے ابراہیم سے کہا ابراہیم نے شمائلہ کو جواب میں مسکراہٹ پیش کی اور پھر شمائلہ واپس اپنے گھر آ گئی۔اور اس نے اپنے گارڈ سے کہہ کر دفتر بھی بند کروا دیا تھا شمائلہ کام کرنے کے موڈ میں نہیں تھی تھی

کیونکہ ابراہیم کے خیالوں نے اس کے دل و دماغ میں قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اپنے بیڈ پر ایک پتلے کی طرح آ کر لیٹ گئی ابراہیم غسل خانہ سے فارغ ہو کر خود کو آئینے میں دیکھ رہا تھا براؤن بال ،شراب کے نشے والی براؤن آنکھیں ،سرخ لب اور گوری

خوبصورت بھی نہیں ہوں ابراہیم خود ہی اپنی سوچ پر مسکرادیا اور واپس اپنی چارپائی پر آکر لیٹ گیا۔

بھائی مجھے اس کھیل کے انجام سے ڈر لگ رہا ہے تسنیم سہمی ہوئی تھی تسنیم تمہیں کتنی بار بتاؤں کہ ہم اس کے ساتھ کھیل نہیں رہے بس میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں ابراہیم نے سردمہری سے کہا آپ نے شائلہ کو دیکھا تھا لگتا ہے اسے آپ پسند آئے وہ شرمارہی تھی آپکو سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اس کا دل مت دکھانا اُس کے جذباتوں کے ساتھ مت کھیلنا ورنہ بہت گناہ ہوگا آپکو میری قسم آپ اسے دھوکا نہیں دو گے آخری لفظ پر تسنیم نے ابراہیم کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر اس سے قسم لینا چاہی۔

اُف ۔او۔یار خوامخواہ میرا دماغ تو نہ خراب کرو پہلے ہی میری طبیعت ٹھیک نہیں اور تم مجھے اور تنگ کررہی ہو۔

ابراہیم کو یکدم غصہ آگیا اور اس نے اپنا ہاتھ زور سے تسنیم کے ہاتھ میں سے چھڑایا جو تسنیم کے سر پر تھا۔

عصر کی آذان ہو رہی تھی شام کا وقت تھا شائلہ کے چلے جانے کے بعد بہن بھائی کے بیچ گفتگو ہو رہی تھی۔

میں بھی نہیں سکتی کہ میرا بھائی اتنا لالچی بھی ہو سکتا ہے جتنا بھیڑیا ہوتا ہے تسنیم نے تلخی سے کہا۔

کیا کہا تم نے میں نے سنا نہیں دوبارہ کہنا ابراہیم نے دائیں کان میں ہاتھ لگائے تسنیم کی طرف قدم بڑھا رہا تھا تسنیم ڈر گئی اسے ابراہیم کی آنکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔

مجھے بھیڑیا بولتی ہے مجھے لالچی کہتی ہے تو سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو ابراہیم نے تسنیم کے بال ہاتھ کی مٹھی میں اتنی زور سے لئے کہ اُسکی گردن کمر کی پشت کی طرف پیچھے کو جھک گئی۔

تو خود کیا کیا ہے ابراہیم غصے سے سرخ ہو گیا اور درشتی سے بولا۔

میں بتاتا ہوں۔ابراہیم نے تسنیم کو اتنی زور سے دھکا دیا کہ پیچھے دیوار سے اُس کا ماتھا ٹکرایا اور وہ زمین پر گر پڑی لیکن ہوش میں تھی ۔

تم اتنی بزدل ہو جتنا خرگوش ابراہیم دانت پیس کر بولا یہ سب تمہارے اور اپنے لئے ہی تو کر رہا ہوں۔

اگر اُس کا باپ شادی پر راضی نہ ہوا یا جائداد سے عاق کر دیا تو۔۔

یہ سب بعد میں دیکھا جائے گا ابھی مجھے میرا کام کرنے دو اور تم تب تک اپنا منہ بند کر کے تماشا دیکھو اگر شائلہ یا کسی سے بھی اس بارے میں بات کی تو تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں ابراہیم ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

تسنیم لمبی لمبی سانسیں لیتی ہوئی دیوار کے کونے کیساتھ ٹیک لگائے نظریں جھکائے اپنے بھائی کی باتیں سن رہی تھی اور ساتھ میں اپنا ماتھا بھی مسل رہی تھی ابراہیم کی بھی سانس پھول گئی تھی اور وہ کھانستا دیکھ کر تسنیم آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ ابراہیم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خود سے دور رہنے کیلئے کہا۔

تم کتنی خودغرض ہو اپنے بھائی کا سوچنے کے بجائے اپنی سہیلی کا سوچ رہی ہو ابراہیم کا دل بھر آیا تسنیم خاموش رہی اگر آپ اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔تو پھر میں بھی اپنے پسند کی شادی کروں گی تسنیم نے سودا کیا۔

تسنیم نے بات سن کر ابراہیم غصے سے آتش فشاں کی طرح پھٹ گیا اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں وہ بے ساختہ چارپائی سے اُٹھا اور تسنیم کے چہرے پر بغیر رکے بہت زیادہ تھپڑ رسید کیے اسکے بال

بھی کھینچے اور بیچاری تسنیم درد سے چیخ رہی تھی ابراہیم کے اختیار میں کچھ نہیں تھا وہ پاگلوں کے طرح تسنیم کو مارے جا رہا تھا زندگی میں اس نے پہلی بار اس نے اپنی لاڈلی بہن پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

بے حیا۔ بے شرم۔ کتی۔ کمینی۔ جاہل یہ سکھایا ہے میں نے۔ مجھے شمائلہ میری پسند نہیں ہے وہ بس پیاری ہے ابراہیم چلا رہا تھا تسنیم فرش پر گری ہوئی تھی اور ابراہیم اسکا گلا دبا رہا تھا تسنیم کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی وہ مسلسل اپنے لڑکھڑاتے ہاتھوں سے خود کو ابراہیم سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ناکام رہی شکل دیکھی ہے تم نے اپنی آئی بڑی یاریاں رچانے۔ ابراہیم مسلسل بڑبڑا رہا تھا تسنیم کو ابراہیم کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی اور اسکا جسم آہستہ آہستہ ہلکا پڑ رہا تھا اور اب اسکے کان ابراہیم کی آواز بہت دھیمی سن رہے تھے۔

وے کتے۔ کمینے حرام دے۔ مارتا ہے۔ بچی کو پروین ابراہیم کی اتنی اونچی لڑنے کی آوازیں سن کر گھر کے اندر آ گئی تھی اور یہ سب دیکھ کر پروین کا کلیجا اچھل کر حلق میں آ گیا کہ ابراہیم اپنی بہن تسنیم کو جان سے مار رہا تھا یہ وہی پروین تھی جس نے بچپن میں ابراہیم اور تسنیم کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا پروین کیساتھ ابراہیم کے ماں شہزاد اور دوست ظفر بھی تھا دونوں نے ابراہیم کو پیچھے دھکا دیا اور خالدہ و پروین تسنیم کی طرف لپکیں ابراہیم کی گرفت سے تسنیم کی گردن نکلی تو اُسے فوراً سانس آیا اور کھانسنے لگ پڑی ابراہیم کی آنکھیں خوف کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ وہ یہ کیا کر رہا تھا اب اُسے پوری طرح ہوش آ چکا تھا۔

اگر خالدہ بیگم وقت پر نہ آتیں تو تسنیم تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ابراہیم کو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی سایے نے اس پر قابو کر رکھا تھا اب وہ مکمل طور پر حیران کن پریشان تھا تسنیم کی حالت دیکھ کر اسے فکر ہوئی تسنیم کی طرف دو قدم بڑھائے ہی تھا کہ تسنیم بری طرح ڈر گئی اور اپنی ٹانگیں بھی لپیٹ لیں اور اپنا چہرہ خالدہ بیگم کے دوپٹے میں کر لیا اور ان کے سینے سے لگ کر بے تحاشہ رو پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔

شمائلہ تسنیم کے گھر سے واپس آ کر شام کی چائے پی رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ گر کر ٹوٹ گیا اس کا ذہن اور دل ابھی تک ابراہیم کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا جب کپ ٹوٹا تو اسے ہوش آیا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے اچانک سے کیا ہو گیا ہے اسکا دل یونہی اداس ہو گیا تھا ذہن پر دباؤ پڑ رہا تھا وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

ملازمہ پروین بھاگی آئی اس نے شمائلہ کو سنبھالا

میں ٹھیک ہوں۔ شمائلہ نے گہری سانس لے کر کہا

وہ پروین کے ساتھ مل کر کپ کی کرچیاں اٹھانا چاہتی تھی کہ ملازمہ پروین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

میں کرلوں گی صاحب آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں آپ آرام کیجئے۔

شمائلہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور فون پر اپنی سہیلی کا نمبر ڈائل کرنے لگی کافی دیر بیل جانے کے بعد ایک باریک آواز نے ہیلو کہا۔

اسلام علیکم۔۔۔۔ میں شمائلہ بات کر رہی ہوں روباب کی سہیلی مہربانی فرما کر اسے بلا دیجئے شمائلہ نے کہا۔

وعلیکم اسلام میں روباب ہی بات کر رہی ہوں دوسری طرف سے آواز آئی۔

کافی دیر ہی علیک سلیک کی گفتگو ہوتی رہی اور پھر بات اصل موضوع پر آ گئی۔

مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے شمائلہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

بولو جانی میں حاضر ہوں روہاب نے خوش اخلاقی سے کہا۔

شمائلہ اور روباب بھی آپس میں میٹرک تک پڑھ چکی تھیں تسنیم کی طرح روباب بھی شمائلہ کی کلاس فیلو تھی شمائلہ کی تسنیم کیساتھ اچھی اور اچھی دوستی تھی مگر روہاب کیساتھ سلام دعا ہی کی حد تک محدود تھی شمائلہ کو اس وقت روباب اپنے سب سے قریب اور بھروسے مند لگی تو اس نے اپنا حال سنانے کیلئے روباب کو فون کر دیا۔

مجھے پیار ہو گیا ہے شمائلہ نے اپنی آواز اس قدر آہستہ رکھی تھی صرف روباب ہی اسکی ٹھیک بات سن سکتی تھی اور کوئی نہیں کیونکہ شمائلہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو پتا چلے یہاں تک کہ گھر کے ملازمین کو بھی لیکن روباب کی بات اور تھی۔

لگ گیا۔روباب کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا۔

ہاں روباب ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں شمائلہ روباب کی کیفیت سمجھ گئی تھی کہ ضرور اسے شاک لگا ہے۔

مجھے یقین نہیں آ رہا شمائلہ کہ تمہیں پیار ہو گیا ہے تم تو شادی وغیرہ کے بہت خلاف ہوا کرتی تھی اور یہ اچانک سے میں کیا سن رہی ہوں کون ہے وہ کیا کرتا ہے کہاں دیکھا اسے روباب نے ایک ہی سانس میں سب سوال کر ڈالے۔

حوصلہ رکھو روباب اس میں اتنا حیران پریشان ہونے والی کونسی بات ہے شمائلہ نے مسکرا کر کہا۔

مجھے سب بتاؤ روباب نے بے صبری سے کہا۔

اچھا بابا سنو دیکھو وقت بدلتا ہی رہتا ہے اور وقت کیساتھ ہم بھی بدل جاتے ہیں اب میں پہلی والی شمائلہ نہیں ہوں آج مجھے بھی پیار ہوا ہے اور کل تمہیں بھی ہو سکتا ہے انسان کو خود پر قابو نہیں ہوتا کب پیار ہو جاتا ہے پتا ہی نہیں چلتا ایسا ہی ہوا ہے۔میرے ساتھ شمائلہ نے اشتیاق سے کہا۔

او میری ماں یہ پہیلیاں بنانا بند کر مجھے سیدھی طرح بتا ہوا کیا ہے روباب نے شمائلہ کو چھیڑا۔

اس کا نام ابراہیم ہے وہ تسنیم کا بھائی ہے درزی کا کام کرتا ہے اور پھر شمائلہ نے وہ سب کچھ روباب کو بتا دیا جو تسنیم نے آ کر اسے کہا تھا اور گھر کی ملاقات کے بارے میں بھی روباب کو بتا دیا شمائلہ کی زبانی سن لینے کے بعد روباب کافی دیر خاموش رہی کہ شمائلہ کو خود ہیلو کرنا پڑا۔

دیکھو شمائلہ مجھے یہ بہت خطرناک لگ رہا ہے اچھا ہوگا کہ تم اس چکر میں نہ ہی پڑو۔

لیکن کیوں شمائلہ کا دل ٹوٹ گیا۔

کیونکہ تم ایک امیر باپ کی بیٹی ہو جہاں تک میں جانتی ہوں تمہارے والدین اس رشتے کیلئے کبھی نہیں مانیں گے روباب نے وضاحت پیش کی شمائلہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

مجھے معاف کر دو شمائلہ اگر میری کسی بات سے تمہیں ٹھیس پہنچی ہو میرا مطلب تمہارا دل دکھانا نہیں تھا میں تو تمہاری بھلائی کے بارے میں کہہ رہی تھی شمائلہ کو روتا پا کر روباب کو بہت دکھ ہوا شمائلہ کچھ سنبھل گئی اور اس نے اپنے الٹے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

وہ خود ایک درزی ہے مشکل سے اپنا اور اپنی بہن کا پیٹ پالتا ہے تمہیں کیا دے گا روباب نے شمائلہ کو سمجھانے کی کوشش کی شمائلہ پھر سے رونے لگی اسے روباب سے ایسی امید نہ تھی وہ تو صرف اسکی مدد چاہتی تھی روباب کی باتوں سے شمائلہ کے دل کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔کیونکہ روباب نے اس کے محبوب کی برائی کی تھی یعنی شمائلہ بھی اور اسکی پسند کی بھی

بابا ضرور مانیں گے کیونکہ میں ان کی لاڈلی اکلوتی بیٹی ہوں وہ میری خوشی کیلئے ضرور مانیں گے

اگر نہ بھی مانے تو پھر میں شادی کروں گی تو اُسی سے
کروں گی ورنہ مرجاؤں گی مجھے اگر کوئی ہاتھ لگائے
گا تو وہی لگائے گے ورنہ کاٹ کے پھینک دوں گی
سب کو میرا جینا مرنا اب وہی ہیں جس حال میں بھی
رکھے گئیں رہ لوں گی زیادہ سے زیادہ بابا کیا کرینگے
جائداد سے عاق کردے گئیں تو خوشی سے دولت
قربان کردوں ۔اُن کے ساتھ بھوکی رہ لوں گی یہ
سوچ کر کہ اپنے شوہر کا صدقہ دیا ہے میں نے روتے
روتے سب کہہ دیا اور رابطہ منقطع کردیا۔

روباب ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی شائلہ روتے روتے
نجانے کب تھی دیر سوئی جب آنکھ کھلی تو کمرے میں
مکمل اندھیرا تھا اندھے پن ہی بستر سے اُٹھی تو
لائٹ آن کی ایک نگاہ گھڑی کی طرف ڈالی تو رات
کے دس بج رہے تھے وہ حیران ہوئی کہ وہ شام کی
سوئی اب بیدار ہوئی تھی وہ اتنا روئی تھی کہ تھک
کر کب سوئی شائلہ کا اندازہ لگانا مشکل
ہو رہا تھا شائلہ چلتے ہوئے Dressing table
کے پاس آکر رک گئی اور اپنے ہاتھوں سے اپنی
آنکھیں چھونے لگی رونے کی وجہ سے اُسکی آنکھیں
سوجھ گئی تھیں اور آنکھوں کے نیچے ہلکے بھی نمودار
ہوگئے تھے شائلہ نے اپنے سنہری بالوں میں برش
پھیرا اور پھر اپنی انگلیوں سے ریشمی براؤن بال
سلجھانے لگی۔

کیا وہ مجھ سے پیار کرے گا کیا وہ مجھے میری
محبت کو سمجھے گا کیا میں خوبصورت ہوں شائلہ خود کو
آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی شائلہ نے
اپنے نادان سوالوں کو خود ہی فوراً اپنے ذہن سے
جھٹک دیا کیونکہ ابراہیم کے بارے میں بار بار سوچ
کر اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا اور پیٹ بھی
بھوک کا احساس دلا رہا تھا۔

شائلہ باورچی خانہ میں آئی لائٹ آن کر کے
کھانے کیلئے سوچنے لگی کہ وہ کیا کھائے پھر اس کے
دماغ میں اچانک سے خیال آیا اس دل بریانی
کھانے کو کیا۔

شائلہ نے ایک پلیٹ میں بریانی ڈال کر
Micro oven میں گرم کی اور ٹرے میں پانی کا
گلاس رکھے ٹی۔وی لاونج میں آگئی شائلہ ٹی۔وی
آن کر کے مختلف چینلز سرچ کرنے لگی۔ٹی وی پر کوئی
ایسا چینل نہیں تھا جو شائلہ کو متاثر کر سکے شائلہ نے
ٹی۔وی آف کردیا اور خاموشی سے کھانے میں مصرو
ف ہوگئی کھانے سے فارغ ہو کر شائلہ نے برتن کو دھو
کر واپس اسی جگہ سجادیا جہاں وہ پہلے تھے اور واپس
ٹی۔وی لاونج میں آکر اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھے
کچھ سوچنے میں مصروف ہوگی۔

شائلہ اکیلی بیٹھی بیٹھی بور محسوس کرنے لگی اس کا
دل چاہا کوئی اس سے بات کرے وہ تنہائی سے اُکتا
رہی تھی اُس کا دل عجیب سی گھٹن محسوس رہا تھا جب
سے اس نے ابراہیم کو دیکھا تھا تب سے شائلہ کی یہی
حالت تھی شائلہ کو ڈر بھی لگنے لگا تھا اتنی بڑی حویلی
میں وہ اور پروین اکیلی تھی لیکن شائلہ اس وقت اکیلی
جاگ رہی تھی اور پروین دن بھر کی تھکی ہوئی گھوڑے
بیچ کر سورہی تھی۔جس وجہ سے ایک آہٹ پر بھی
شائلہ کا دل ڈر کے مارے کانپ اُٹھتا تھا اس نے اپنا
دھیان ابراہیم کی طرف کرنا چاہا لیکن پھر بھی اسے
سکون نہیں ملا وہ اُٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی گئی پردہ
سرکا کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا آدھا باریک
چاند بہت خوب صورت لگ رہا تھا اور ستارے بے
مشکل سے ہی وہ تین نظر آرہے تھے باہر مکمل سناٹا تھا
ایسا لگ رہا تھا وہ اس دنیا میں اکیلی ہے شائلہ باہر کا
نظارہ دیکھنے میں محو تھی کہ اس کے کمرے سے فون کی
گھنٹی بجنے کی آواز آنے لگی شائلہ تشویش ہوئی کہ
رات کے ڈھائی بجے کس کا فون ہوسکتا ہے وہ سرسری
سی چال میں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور فون
ریسیو کیا ہی تھا کہ کٹ گیا شائلہ نے فون واپس رکھ

دیا ایک سیکنڈ بعد ہی فون دوبارہ بجنے لگا اور شائلہ نے دیر کیے بغیر فون اُٹھالیا۔

ہیلو دوسری طرف سے آواز آئی۔

کون شائلہ الجھی اور کچھ دیر کیلئے پہچان نہ سکی کہ کون ہوسکتا ہے۔

ناراض ہو دوسری طرف سے پھر کہا گیا۔

نہیں شائلہ۔ پہچان گئی کہ فون کرنے والی روباب ہے am soury اور روباب نے معذرت کی

جب ناراض ہی نہیں تو کس بات کیلئے معاف کروں شائلہ کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

لیکن اُس وقت میں نے انجانے میں جو کچھ بھی میں نے کہہ دیا پلیز معاف کر دو اور اس بات کو دل پر مت لینا جانے دو اب مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے تم خوامخواہ رو پڑی ہماری بچپن کی دوستی کی خاطر معاف۔ کر دو روباب جانتی تھی کہ شائلہ اس سے ناراض ہے اس لئے اس نے منانے میں دیر نہیں کی اور بار بار معافی مانگی۔ روباب کے بار بار معافی مانگنے پر شائلہ کو خود شرمندگی ہونے لگی تھی اور اس نے روباب کو خوش دلی سے معاف کر دیا۔

تم سوئی نہیں اب تک۔

سکون نہیں مل رہا تھا دل کیونکہ میں اپنی سہیلی کو ناراض کر دیا تھا شائلہ ہنسی۔

تم کیوں نہیں سوئی اس بار روباب نے سوال کیا

جب تمہارا فون بند کیا تو میں روتے روتے سو گئی تھی پھر دس بجے اٹھی شائلہ نے جواب دیا ابراہیم دکھتا کیسا ہے روباب نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا

تم اس بات کو اب رہنے ہی دو تو اچھا ہے شائلہ نے تلخ انداز میں کہا

میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں روباب نے شائلہ کے تلخ انداز کو نظر انداز کر کے کہا

کیسی مدد شائلہ نے پوچھا

اگر تمہیں اس ملنا ہو یا اس کے بارے میں کچھ پتا کروانا ہو کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا یہ سمجھ لو کہ میں اب اس محبت کی کتاب میں مسافر اور منزل کی رہ گزر ہوں روباب نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا شائلہ کو روباب کی یہ بات سن کر جیسے، روحانی سکون مل گیا۔

شکریہ میری سہیلی مجھے ناز ہے تم پر

اب تو بتا دے دکھتے کیسے ہیں میرے جیجا جی روباب نے شائلہ کو پیار سے چھیڑ کر کہا

شائلہ مسکرائی میرے پاس لفظ تو نہیں ہیں انکی تعریف بیان کرنے کیلئے ہاں لیکن ایک شعر عرض ہے انکی خدمت میں جو میں نے خاص طور پر ان کیلئے لکھا ہے شائلہ کی آنکھوں کے سامنے اسکے محبوب ابراہیم کا چہرہ گردش کر رہا تھا۔

رک گئی نگاہیں اک ایسے دل نشین پر
نجانے وہ انسان تھا فرشتہ تھا یا حسن کا ٹکڑا

واہ واہ روباب تعریف کیے بغیر رہ نہ سکی تم پہلی ہی ملاقات میں اسے اتنا چاہنے لگی ہو شاید تمہاری محبت کے آگے اس کی محبت کا کوئی جوڑ نہ ہو بے شک وہ تم سے پیار کرنے بھی لگ جائے تو وہ بھی تمہاری محبت کی برابری کو نہیں پہنچ پائے گا میں یقین کیساتھ کہہ سکتی ہوں۔

روباب نے اظہار خیال کیا شائلہ شرم سے سرخ ہونے لگی۔

میں ابراہیم کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں اس کے قریب آنا چاہتی ہوں تاکہ اسے اپنے جذبات کے بارے میں بتا سکوں میں کسی بھی قیمت پر اسے اپنا بنا کر رہوں گی شائلہ نے دوٹوک انداز میں کہا کافی دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور بعد میں شائلہ نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا شائلہ کے چہرے پر امید کی کرن دوڑ گئی تھی اور وہ خوش تھی کہ اب اسکی کوئی مدد کرنے کیلئے تھا۔

شائلہ۔۔۔گھڑی پر نو بجے کا آلارم لگایا اور سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اور ڈسپیرین کی گولی ہاتھ میں لی اور کھائی کیونکہ اسکے سر میں درد ہو رہا تھا شائلہ کمبل اوڑھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی آلارم کلاک مسلسل بج رہا تھا شائلہ نے نیند کے عالم میں ہی ادھر اُدھر ہاتھ مارا اور بند کر دیا اور کمبل ہٹا کر انگڑائی لی شائلہ خود کو تازہ اور خوش وخرم محسوس کر رہی تھی وہ بستر سے اُٹھ کر شاور لینے چلی گئی اور اپنے گیلے بالوں میں تاول پھیرتے ہوئے باہر آئی بال سکھانے کیلئے اُس نے Hair day کا استعمال کیا اور بغیر تیار ہوئے ناشتے کیلئے نیچے آن پہنچی شائلہ نے ناشتے میں اپنے لئے چائے کا مگ اور Bread کیساتھ آملیٹ تیار کیا اور Dining table پر آ کر ناشتہ کرنے لگی ناشتے سے فارغ ہو کر شائلہ نے آج کا اخبار دروازے کیسامنے سے اٹھایا اور سرخیاں پڑھنے لگی ایک سرخی پر آکر شائلہ کو شاک لگا۔

ابراہیم نے شک کی بنا پر بغیر کسی ثبوت کے اپنی بہن تسنیم کو ناحق قتل کرنے کی کوشش کی شائلہ نے روباب سے اس بارے میں بات کرنے کا سوچا کہ وہی تو کیا یہ دونوں وہی ہیں۔شائلہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر بیل ہوئی شائلہ کے خود دروازہ کھولا تو روباب کو پایا شائلہ روباب کو دیکھ کر مسرت سے ابھری۔

آؤ اندر روباب بہت لمبی عمر ہے تمہاری ماشاء اللہ میں ابھی تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی کہ تم آ گئی بیٹھو میں تمہارے لئے کھانے جو کچھ لاتی ہوں شائلہ نے کہا۔

نہیں شکریہ میں گھر سے ناشتہ کر کے آئی ہوں روباب نے کہا ایک بری خبر ہے روباب نے دونوں ہونٹ اندر دبوچ کر کہا۔

کیا شائلہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

ابراہیم جیل میں ہیں اور تسنیم ہسپتال میں مجھے ٹھیک سے معلوم تو نہیں ہے لیکن اتنا پتا چلا ہے

روباب نے دل بات مکمل کی شائلہ کا دل ڈوب گیا اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی اس نے اپنا تھوک نگلا۔

آج اخبار میں بھی یہ تازہ خبر چھپی ہے۔

ہاں جانتی ہوں پورے گاؤں میں بات پھیل چکی ہے سوچا تمہیں بتا دوں روباب نے کہا

اب کیا کرنا ہے روباب نے جواب طلب نگاہوں سے شائلہ کی طرف دیکھا۔

جا کر سارے معاملے کی چھان بین کرتے ہیں شائلہ نے پلان بتایا۔

ٹھیک ہے روباب نے پرجوش انداز میں کہا

روباب یہ صرف تم جانتی ہو کہ میں ابراہیم سے پیار کرتی ہوں تمہارے علاوہ اس بات کا علم کسی کو نہیں ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہونی چاہئے اور ہم بڑے احتیار سے سارے معاملے پر غور کریں گے تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ ہم اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں شائلہ ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

تم فکر نہ کرو تم مجھ پر ہر قسم کا بھروسہ کر سکتی ہو یہ ساری بات راز ہی رہے گی۔اب چلو روباب نے شائلہ کو یقین دلاتے ہوئے کہا

شام تک گھر والوں نے آ جانا ہے اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ شام سے پہلے آ جائیں شائلہ نے روباب کو ہر بات سے آگاہ کر دیا۔

شائلہ نے آج بھی دفتر نہیں کھولا تھا کہ ابراہیم کی ہوگئی تھی اس کے خیالوں کے سوا اسکا اب کہیں دل نہیں لگتا تھا شائلہ ہلکے پھلکے کپڑوں میں تیار ہوگئی شائلہ اور روباب نے اپنی چادروں سے اپنے چہروں پر نقاب کر لیا تھا اور وہ پرس ساتھ لئے گھر سے روانہ ہوگئیں شائلہ اور روباب جب ابراہیم کے گھر

کے باہر پہنچیں تو گھر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

اب کیا کریں کہاں سے شروع کریں روباب نے سوالیہ نگاہوں شمائلہ کے چہرے مرکوز کر لیں

تسنیم نے کہا تھا کہ اسے اور ابراہیم کو پروین خالدہ نے بچوں کی طرح پال پوس کر بڑھا کیا تھا

تو کیوں نہ ان سے جا کر پوچھ تاچھ کر لیں شمائلہ نے سوچ سمجھ کر کہا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے شمائلہ نے تائید کی کھیتوں میں معمر شخص ہل چلا رہا تھا شمائلہ اور روباب نے اس سے خالدہ بیگم کے گھر کا پتہ دریافت کیا اس معمر شخص نے ایک گھر کی طرف اشارہ کیا جو تسنیم کے گھر کے بالکل سامنے تھا ان دونوں نے کسان کا شکریہ ادا کیا اور خالدہ بیگم کے گھر کے باہر پہنچ کر دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا کافی دیر دستک دینے کے بعد ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔

جی فرمائیں کیا کام ہے۔۔لڑکے نے بدتمیزانہ انداز میں سوال کیا۔

ہمیں خالدہ بیگم سے ملنا ہے روباب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

آپ دونوں کون ہیں لڑکے نے پھر وہیں کھڑے پوچھا۔

ہم دونوں تسنیم کی سہیلیاں ہیں اسکی خیریت کے بارے میں آنٹی سے معلوم کرنا ہے شمائلہ نے غصے پر قابو پا کر کہا۔

نام کیا ہے آپ دونوں کے لڑکے نے مزید سوال کیا۔

آپ کو اس سے مطلب شمائلہ نے غصے سے کہا۔

ٹھیک ہے پھر آپ دونوں جا سکتی ہیں لڑکے نے کندھا اچکائے اور دروازہ بند کرنا چاہا۔

میرا نام روباب ہے اور انکا نام شمائلہ ہے روباب نے ٹھنڈے مزاج سے کہا۔

کہاں سے آئی ہو لڑکے نے اس بار جان کے سوال کیا۔

جہنم سے شمائلہ غصے سے آگ بگولا ہو گئی۔

خود پر قابو رکھو شمائلہ۔روباب نے شمائلہ کے کان میں سرگوشی کی۔

یہی پاس سے آئے ہیں روباب نے جواب دیا پاس سے مطلب ٹھیک طرح بتاؤ لڑکے کو شرارت کرنے میں مزہ آرہا تھا جب شمائلہ کو غصہ آتا تب اس لڑکے کو تنگ کرنے میں اور بھی مزہ آتا۔

جس گاؤں میں تم رہ رہے ہو وہیں سے آرہے ہیں شمائلہ نے اونچی آواز سے کہا۔

کون ہے بیٹا۔ایک بھاری رعب دار زنانہ آواز ابھری لڑکے نے ڈر کر دروازہ چھوڑ دیا اور ان سے اندر آنے کا کہہ کر بھاگ گیا

ارے آپ دونوں باہر کیوں کھڑی ہو آؤ اندر آؤ بیگم خالدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ہمارے گھر کی چوکھٹ پر جب بھی کوئی خاتون آئی ہے ہم اسے باہر نہیں کھڑا رکھتے شمائلہ اور روباب چارپائی پر براجمان ہو گئیں کون ہو آپ دونوں کہاں سے آئی ہو خالدہ بیگم نے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرا نام شمائلہ ہے اور یہ روباب ہم دونوں تسنیم کی سکول کی سہیلیاں ہیں ہمیں پتا چلا کہ تسنیم ہسپتال میں ہے تو آپ سے پوری بات اور اسکی خیریت معلوم کرنے آ گئیں شمائلہ نے بلا جھجک بات مکمل کی۔

پتہ نہیں بیٹا مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں کہ ان کے بیچ ایسی جونسی بات ہوئی جو ابراہیم اسے مارنے پر اتر آیا خالدہ بیگم نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے کہا بولو کیا کھاؤ پیو گے خالدہ بی بی نے خوش اخلاقی سے کہا

نہیں آنٹی بہت شکریہ ہم کھا کر آئی ہیں۔دونو ں نے یک زبان ہو کر کہا آپ ہمیں تسنیم کے ہسپتال

کا پتہ دے روباب نے پنسل اور کاپی خالدہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا خالدہ بیگم نے ہسپتال کا پتہ لکھ دیا۔

ابراہیم کا کیا ہوا وہ کہاں ہے شائلہ نے ہچکچا کر سوال کیا

وہ اب جیل میں ہے میں نے اس کے خلاف ایف۔آئی۔آر درج کروادی تھی کہ اس نے اپنی بہن کو قتل کرنے کی کوشش کی خالدہ بیگم نے صاف گوئی سے کہا

شائلہ اور روباب نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا شائلہ کو اب اپنے سامنے والی عورت غصے آ رہا تھا کیونکہ اس نے اسکے محبوب کو بغیر کسی وجہ حوالات میں بند کروادیا تھا شائلہ کا دل نہیں کر رہا تھا یہاں اور بیٹھنے کا کمرے سے وہی لڑکا نکلا کو روباب اور شائلہ کو اندر نہیں آنے دے رہا تھا۔

یہ کون ہے بدتمیز شائلہ نے بے اختیار کہہ دیا اسے پہلے ہی غصہ آ رہا تھا اور اب اس لڑکے کی شکل دیکھ کر اسکا غصہ زیادہ بڑھ گیا تھا

میرا بیٹا ہے کیوں کیا ہوا شائلہ کے اس انداز پر خالدہ بی بی حیرت سے چونکی۔

دراصل یہ ہمیں اندر نہیں آنے دے رہا تھا بدتمیزی کر رہا تھا روباب نے بات کو بگڑنے سے بچا لیا

ادھر آؤ اور معافی مانگو بہنوں سے خالدہ بیگم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے پاس بلایا۔

سوری لڑکے نے مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا اور چلا گیا روباب کو لڑکے کی یہ ادا بہت اچھی لگی تھی لیکن شائلہ نے غصے سے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا

کیا نام ہے اسکا روباب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

کیف نوید میٹرک پاس ہے خالدہ بیگم نے خوشی سے بتایا اپنے چہرے تو دکھاؤ بیٹا۔

خالدہ بیگم نے کہا روباب نے اپنا چہرہ بے نقاب کیا لیکن شائلہ نے نہیں خالدہ بیگم سمجھ گئی تھی کہ شائلہ اپنا چہرہ نہیں دکھانا چاہتی بھی انہوں نے اصرار بھی نہیں کیا کیف کمرے سے ہلکا سا دروازہ کھولے دونوں کو چپکے سے دیکھ رہا تھا۔

روباب کیف میں دلچسپی لے رہی تھی لیکن کیف شائلہ میں دلچسپی لے رہا تھا وہ اس انتظار میں تھا کہ شائلہ بھی اپنا چہرہ بے نقاب کرے لیکن ایسا نہیں ہوا اسے روباب کچھ خاص نہیں لگ رہی تھی۔

کیا کرتا ہے کیف روباب نے اس کے کمرے کی طرف آنکھیں جماتے ہوئے پوچھا۔

بک شاپ ہے اپنی خالدہ بیگم نے جواب دیا

کتنے بچے ہیں آپ کے روباب نے پھر سوال کیا

صرف کیف ہی ہے میں اور کیف اس گھر میں اکیلے ہی رہتے ہیں کیف کے والد فالج کے مرض سے چل بسے اور مجھے جوانی میں Hepatitus ہو گیا تھا ڈاکٹر نے اور بچوں سے منع کر دیا تھا خالدہ بیگم اچانک اداس ہو گئیں۔

سوسوری خواہ مخواہ میں نے آپ کو تکلیف دی میری وجہ سے آپ کو اپنا ماضی یاد آ گیا۔

کوئی بات نہیں بیٹی مجھے خوشی ہوئی تم نے پوچھا خالدہ بیگم نے ہاتھ نچا کر کہا شائلہ کو حیرت ہو رہی تھی وہ روباب کے ہر سوال پر بری طرح چونک رہی تھی کہ آخر روباب کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا وہ کیا بکے جا رہی ہے کیسے فضول آدمی میں دلچسپی لے رہی ہے۔

کیف کو اپنے کمرے میں ان تینوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ دل ہی دل میں اچھل رہا تھا کہ روباب اسے پسند کرنے لگی تھی۔

اچھا میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے شائلہ

جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی اس نے تنگ آ کر کہا
اتنی جلدی بیٹھو بیٹا کیا تم بور ہو رہی ہو خالدہ بیگم نے چشمہ درست کیا۔
نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ذرا جلدی میں ہوں پھر کبھی ملاقات ہوگی شائلہ نے خالدہ بیگم کے جواب کا انتظار ہی نہیں کیا اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر آ گئی روباب بھی شائلہ کے پیچھے چل دی
کیا ہوا تمہیں شائلہ کیوں آ گئی وہاں سے تم
روباب نے تیزی سے آگے بڑھ کر شائلہ کا بازو پکڑ کر اسے روکا۔
اگر تمہیں جانا ہے تو جاؤ مجھے نہیں بیٹھنا وہاں اب اور ابھی میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں فضول لوگوں کے بیچ بیٹھ کر برباد کروں شائلہ نے روباب کے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا غصہ کیا۔
کیا ہو گیا ہے تمہیں شائلہ پہلے تو تم ایسی نہیں تھی جب سے تم نے اس دو ٹکے کے درزی کو دیکھا ہے تم بہت ... رہ گئی ہو تمہیں صرف اپنی ہی پڑی ہوئی ہے میں ابھی تو تمہاری مدد کر رہی ہوں ناں روباب کو بھی غصہ آ گیا اور اسکی آواز بھی اونچی ہو گئی شائلہ نے بے اختیار غصے میں پورے زور سے روباب کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔
احسان نہیں کر رہی مجھ پر میری مدد کر کے اور آئندہ اس کے بارے میں برے لفظ نکالے اپنے منہ سے تو زبان کھینچ لوں گی شائلہ جنگلی بلی کی طرح خطرناک ہو گئی
ہاں تو اس دو ٹکے کے لڑکے میں دلچسپی لے رہی تھی۔
وہ میرے ابراہیم کی جوتی تو کیا اسکی زمین بھی بھی نہیں ہے جس پر ابراہیم قدم رکھتا ہے شائلہ نے انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا۔

روباب اپنے گال پر ہاتھ رکھے شائلہ کی کڑوی باتیں سہے جا رہی تھی اسے شائلہ سے یہ امید نہ تھی روباب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے وہ ٹوٹ گئی تھی اندر سے۔
غلطی کی تمہیں اپنے اس راز میں شامل کر کے تم اس قابل ہی نہیں ہو شائلہ نے الزام لگایا گاؤں کی کچھ خواتین جمع ہو گئی تھیں
جاؤ یہاں سے کوئی تماشا نہیں لگا یہاں پر شائلہ نے سب کو اونچی آواز سے کہا اور روباب کو چھوڑ کر اکیلی چلی گئی روباب وہیں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی

شائلہ نے ہسپتال کی نرس کو تسنیم کا نام بتایا تو نرس نے اسے تسنیم کے روم کا نمبر بتا دیا شائلہ روم میں آئی اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی جو تسنیم کے بستر کی بائیں جانب پڑا ہوا تھا۔
ہیلو کیسا محسوس کر رہی ہو تسنیم میں شائلہ ہوں شائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا تسنیم نے اپنا چہرہ شائلہ کی جانب کیا اور اثبات میں سر ہلایا آخر کیسے ہوا شائلہ نے تسنیم کے چہرے کا جائزہ لینے کے لئے سوالیہ نگاہیں اسکے چہرے پر مرکوز کر لیں
یہ صرف ایک Accident تھا اور کچھ نہیں تسنیم نے ناگواری سے کہا۔
دیکھو تسنیم جھوٹ مت بولو پورے گاؤں کو پتا ہے کہ ابراہیم جیل میں ہے۔ اور تم ہسپتال میں کیا ہوا تھا تم دونوں کے بیچ شائلہ نے اپنے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے پوچھا۔
سننے کا حوصلہ رکھتی ہو تسنیم نے بھیگی پلکوں کے ساتھ کہا۔
کیا مطلب شائلہ الجھی۔
جو پوچھا اسکا جواب دو تسنیم نے شائلہ کے سوال کو نظرانداز کیا شائلہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان

پھیر کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
تو ٹھیک ہے سنو تم میرے بھائی سے دور ہی رہو تو اچھا ہے۔
لیکن کیوں کیا ہوا شائلہ نے تسنیم کی بات کاٹ دی
پلیز شائلہ پہلے میری پوری بات سنو اب دوبارہ مجھے مت کاٹنا تمہیں جو کہنا ہوگا میری بات مکمل ہونے کے بعد کہنا تسنیم نے سنجیدگی سے کہا میں جانتی ہو تم میرے بھائی کو پسند کرنے لگی ہو لیکن ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے اچھا ہوگا کہ تم ابھی اس دلدل سے پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ بعد میں بہت دیر ہو جائے گی روگی پچھتاؤ گی تم پر واپسی کو کوئی راستہ نہیں ہوگا میرا بھائی کل نہیں تو آج تم سے جھوٹ کا اظہار کرے گا کیونکہ اسے خود پر بہت غرور ہے کہ وہ بہت خوبصورت ہے ہمارے اس جھگڑے کی وجہ اصل میں یہی ہے میں نے ابراہیم سے کہا کہ شائلہ کیساتھ دھوکا مت کرو تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا وہ تمہاری جائیداد سے پیار کرتا ہے تم سے نہیں اسی لئے میں تمہیں بہانے سے گھر لے کر آئی تھی کیونکہ اس نے مجھے اپنی باتوں میں پھنسا لیا تھا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا تسنیم نے جھوٹ بولا اور جھگڑے کی اصل وجہ نہ بتائی۔
شائلہ کا دل کسی بھی طرح کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جو کچھ بھی تسنیم نے کہا وہ محض ایک جھوٹی کہانی ہے اور کچھ نہیں ایک ڈاکٹر اور ایک نرس اندر داخل ہوئیں انہوں نے تسنیم کو چیک کیا اور گھر چلے جانے کا مشورہ دیا شائلہ نے تسنیم اس کہانی کا کوئی جواب نہیں دیا وہ بس اسٹول پر بیٹھی اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔
چلو چلیں تسنیم نے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا شائلہ خاموشی سے اسٹول سے اٹھی اور کچھ کہے بنا چل پڑی تسنیم شائلہ کو اپنے گھر لے آئی دوپہر کے دو بج رہے تھے اور شائلہ کو بھوک ستانے لگی تھی تسنیم اور شائلہ نے سرسوں کے ساگ مکئی کی روٹی کھائی کھانے کے دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔
تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا اگر میری وجہ سے تمہارا دل دکھا ہو تو۔
نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں تمہاری بات میں ٹھیک ہوں شائلہ نے تسنیم کی بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
تسنیم جب کچن میں برتن رکھ کر باہر آئی تو شائلہ گھر پر نہیں تھی وہ جا چکی تھی تسنیم کو شائلہ کی یہ حرکت ناگوار گزری وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ آخر یوں بغیر بتائے کیوں چلی گئی۔

مجھے ایک قیدی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے کہ اسے یہاں کس جرم میں لایا گیا ہے شائلہ نے کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا نام ابراہیم ہے شاید اس پر ایف آئی آر بھی درج ہوئی ہے۔
دیکھئے میڈم اس نے اپنی بہن کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ملزم کا کہنا ہے کہ یہ سب اس نے ہوش کے عالم میں نہیں ہوا انسپکٹر اظہر نے جواب دیا
قتل کی وجہ کیا ہے شائلہ نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔
معلوم نہیں انسپکٹر اظہر نے کہا۔
آپ اسے چھوڑ دیں آپ جو ضمانت مانگیں گے میں دینے کیلئے تیار ہوں۔
شائلہ نے جوش سے کہا
انسپکٹر اظہر نے سوالیہ نگاہیں شائلہ کے چہرے پر مرکوز کیں شائلہ اپنے پرس سے کچھ کاغذات نکالنے لگی اور انسپکٹر اظہر اسے حیرت سے دیکھنے لگا شائلہ نے کاغذات نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھ دیئے۔
انسپکٹر اظہر نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور شائلہ

کو دیکھ کر کہا۔

چھوڑ دو اسے انسپکٹر اظہر نے ایک اہلکار کو کہہ دیا چل باہر نکل تیری ضمانت ہو گئی ہے اہلکار نے سلاخوں پر ڈنڈا مارتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول دیا

میری ضمانت آخر کس نے کروائی ابراہیم منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور اہلکار کے پیچھے چل دیا

چل شاباش گھر جا اور آئندہ ایسی غلطی پھر مت کرنا سمجھا گیا انسپکٹر اظہر نے ابراہیم کو کندھا تھپتھپا کر کہا شائلہ اور ابراہیم پولیس سٹیشن سے باہر آ گئے شائلہ اپنے پرس سے موبائل فون نکال کر کسی سے باتیں کرنے لگی۔اور ابراہیم گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ آخر یہ لڑکی ہے کون اس نے میری ضمانت کیوں کروائی کیا یہ جانتی ہے مجھے

شائلہ نے چہرے پر نقاب کر رکھا تھا جس وجہ سے ابراہیم کو پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی شائلہ اور ابراہیم نے دس منٹ انتظار کیا پھر ایک گاڑی انہیں لینے کیلئے آ گئی یہ شائلہ کی اپنی ذاتی گاڑی تھی لیکن اس وقت اس گاڑی کو ڈرائیور چلا رہا تھا۔شائلہ اور ابراہیم اکٹھے پیچھے والی سیٹوں پر براجمان ہو گئے شائلہ ابھی تک تسنیم کی باتوں پر غور کر رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ ایک بھائی اپنی لاڈلی بہن کو محض چھوٹی سی بات پر قتل کرنے پر اتر نہیں سکتا ضرور کوئی اور وجہ ہے ان دونوں کے جھگڑنے کی وجہ میں نہیں ہوں شائلہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی کہ ایسی بھی کیا وجہ ہوئی ہے تسنیم نے اس سے جھوٹ بولا شائلہ کو پورا یقین تھا کہ تسنیم جھوٹی ہے

آپ کون ہے۔ابراہیم نے پوچھا شائلہ نے اپنا چہرہ اس کی جانب کیا۔

میں شائلہ ہوں جو کل آپ کے گھر آئی تھی شائلہ نے بھی چہرہ ابراہیم کی جانب کر کے کہا ابراہیم شائلہ کی نیلی براؤن آنکھوں کو حیرت سے تکنے لگا۔خبر نہیں تھی کہ شائلہ اس کیلئے اس حد تک بھی جا سکتی ہے اسے کچھ دیر کیلئے احساس ہوا کہ شائلہ بہت نیک اور اچھی لڑکی ہے میری خاطر اس نے میری خاطر اتنا کچھ کیا۔ابراہیم دل ہی دل میں مسکرایا بھی اور اسے پیسہ اور جنون کی حد تک ستانے لگا اس کیلئے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ ایک سونے کی چڑیا جتنی اس کے قریب ہے اتنی ہی اس کے دور ہے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے کھیل کا آغاز کہاں سے کرے لیکن ابھی اس نے خاموشی ہی بہتر سمجھی

آپ دونوں کیوں جھگڑے شائلہ کو اصل بات معلوم کیے بغیر چین نہیں مل رہا تھا۔

وہ در اصل بات ہماری عزت کی ہے لیکن آپ سے کیا چھپانا تسنیم نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ پاگل ہو گیا ابراہیم نے سرد مہری سے جواب دیا اور وہ شائلہ کو اپنے قریب پا کر اپنی جیت سمجھ رہا تھا۔

کک۔کیا کون ہے وہ لڑکا شائلہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا اس نے قدرے حیرانگی سے پوچھا

نہیں معلوم لیکن سب معلوم کر لوں گا میں۔۔۔ ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔

میں بھی آپ کا ساتھ دوں گی شائلہ نے ابراہیم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا ابراہیم نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا شائلہ مسکرائی

آپ کی طبیعت کیسی ہے شائلہ نے گاڑی کے شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا

پہلے سے بھی خراب ہو گئی ہے ابراہیم نے بے زاری سے کہا

آپ فکر مت کریں میں آتی رہوں گی آپ انشاءاللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے شائلہ نے خوش دلی سے کہا

تسنیم کہاں ہے

وہ صحیح سلامت گھر پہ ہے شمائلہ نے ابراہیم کی بات کاٹ دی

آپ کا گھر آ گیا آپ سے کل ملاقات ہو گی انشاءاللہ ابھی کیلئے الوداع شمائلہ نے نظروں سے ابراہیم کو اتارا ابراہیم نے اللہ حافظ کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ شمائلہ نے ڈرائیور کو دس ہزار روپے دیئے اور اس سے کہا۔

اپنا منہ بند ہی رکھنا ورنہ اگر کبھی مجھے پتا چلا کہ تم نے اپنا منہ کھولا ہے تو پھر دیکھنا میں تمہارا کیا حال کروں گی پہلے تو ڈرائیور کو شک ہو رہا تھا کہ بی بی جی کیساتھ وہ لڑکا کون تھا لیکن بعد میں دس ہزار روپے لینے کے بعد جیسے اس کے منہ پر تالا ہی لگ گیا ہو کیونکہ دس ہزار اس کیلئے دس لاکھ جتنے تھے۔

جی ٹھیک ہے مالکن ڈرائیور نے پیسے لیتے ہوئے کہا شمائلہ آج کی جدوجہد کی وجہ سے بہت تھک چکی تھی اس نے خون پسینہ ایک کر کے سب معاملہ ٹھیک کر دیا تھا اور کسی کو خبر بھی نہیں ہونے دی شام ڈھل رہی تھی سورج غروب ہونے کو تھا۔

باہر سردی بڑھنے لگی تھی چرند پرند واپس اپنے گھروں کو اڑان بھرتے نظر آ رہے تھے شمائلہ اپنے بیڈ پر آ کر سیدھی لیٹ گئی اور پھر تسنیم کے بارے میں سوچنے لگی کہ تسنیم جیسی لڑکی بھی محبت کر سکتی ہے کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ شمائلہ کو اس کا ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا لیکن نجانے کیوں اس کا دل ابراہیم کو سچا کہہ رہا تھا اور وہ اپنے محبوب کی بات کو جھٹلا بھی نہیں سکتی تھی۔ دروازہ کھلا خانساماں شمائلہ کی شام کی چائے لے کر اندر داخل ہوئی اور شمائلہ چائے پینے میں مصروف ہو گئی۔

رات چھائی تھی آسمان پر چاند بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا بس ستاروں کی آنکھ مچولی بارات لگی ہوئی تھی چاروں طرف سے گاؤں عجیب سی تاریکی میں ڈوب گیا تھا ابراہیم اور تسنیم نے شام سے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی ان دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں ملائیں تھی رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ دونوں سونے کیلئے چلے گئے تھے ابراہیم کا بخار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گیا تھا اور وہ بری طرح کھانسنے لگا اور کھانستا کھانستا چارپائی سے الٹا ہو کر زمین پر گر پڑا۔ تسنیم بھاگتی ہوئی آئی اس نے ابراہیم کو کندھوں سے اٹھا کر چارپائی پر بٹھایا اور مٹکے سے پانی گلاس میں ڈالا اور ابراہیم کو دیا ابراہیم ایک ہی سانس میں غڑغڑ کرتا ہوا سارا پانی پی گیا اسکی کھانسی سنبھل گئی تھی لیکن بخار بہت تیز تھا

میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں تسنیم کو اپنے بھائی پر ترس آ گیا

نہیں رہنے دو رات ہو چکی ہے اس وقت کوئی کام نہیں کرتا ابراہیم کھانستے ہوئے بمشکل کہا تسنیم ایک بات پوچھوں اگر تم برا نہ مانو ابراہیم نے سنجیدگی سے سوال کیا

تسنیم نے اثبات میں سر ہلا دیا

تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو کون ہے وہ لڑکا مجھے بتاؤ چھپاؤ مت گھبراؤ نہیں میں ابھی تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔۔۔ ابراہیم نے سوالیہ نگاہیں تسنیم کے چہرے پر مرکوز کر لیں تا کہ اسکا جائزہ لے سکے۔

ایسا کچھ نہیں تسنیم نے سختی سے کہا۔ ابراہیم مسکرایا

دیکھو اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو بتا دو میں اس سے مل لیتا ہوں اچھا ہوا تو شادی کروا دوں گا نہ ہوا تو پھر میری بات ماننی پڑے گی۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہا نا ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں تسنیم نے تنگ آ کر کہا ابراہیم اسکے چہرے کا بغور جائزہ لے رہا تھا

اور میں شمائلہ کو آپ کے بچپن کے بارے میں بتا چکی ہوں تسنیم نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

ابراہیم کو اچانک غصہ آ گیا لیکن اس نے خود پر بہت مشکل سے قابو پایا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس دفعہ دوبارہ بات بگڑے وہ بڑی مشکل سے نا چاہتے ہوئے بھی کڑوی گولی نگل گیا اس کا دل کر رہا تھا کہ تسنیم کے سر پر اٹھا کر کچھ مار دے لیکن وہ مجبور تھا لیکن غصے نا کالی تیز ہوتا جس وجہ سے کافی دیر لگی اسے اپنا غصہ پی جانے میں کیونکہ پہلے بھی اس کے غصے کی وجہ سے بات بگڑی تھی اور اب وہ ایسا دوبارہ نہیں چاہتا تھا وہ غصے میں ہمیشہ اپنے حواس کھو بیٹھتا تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا

پیار تو اپنا مطلب ہی کھو بیٹھا ہے پیار وہ نہیں رہا جو قدیم زمانے کے لوگ آپس میں کیا کرتے تھے۔ اب تو پیار میں شک حواس اور فراڈ کے رشتے بھی شامل ہو گئے ہیں

واہ کیا بات ہے تسنیم نے تالیاں بجاتے ہوئے تلخی سے کہا ابراہیم خاموشی سے سب سنتا رہا کیونکہ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس نے شائلہ کو یہ سب بتایا ہوتا تو شائلہ اسکی ضمانت کبھی نہ کرواتی تسنیم جھوٹ بول رہی ہے اسی سوچ پر وہ چپ رہا ورنہ ابراہیم خاموش بیٹھنے والوں میں سے نہ تھا

کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہئے کیونکہ ایک دن ہم پر بھی وہ یہی وقت آ سکتا ہے اور ہم خود سے پوچھتے ہیں ایسا کیوں ہوا اور بعد میں پچھتاتے ہیں کہ ہم ایسا نہ کرتے لیکن بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے پیار کوئی کھیل نہیں ہے تسنیم نے جھلتے ہوئے کہا۔

ابراہیم تسنیم اس وقت نفسیاتی مریضہ لگ رہی تھی ضرور دال میں کچھ کالا تو ہے آخر یہ چاہتی کیا ہے ایسی باتیں کیوں کرتی ہے کیا کوئی تماشا چاہتی ہے کہ کسی طرح میں گھر سے چلا جاؤں ابراہیم گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا تسنیم نے ابراہیم کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اسکی آنکھوں کیسامنے ہاتھ لہرایا ہاں ابراہیم چونکا جیسے نیند سے اٹھا ہو

کیا ہوا تسنیم نے حیرانی سے پوچھا

کچھ نہیں نیند آئی ہے سونے دو مجھے تم بھی سو جاؤ ابراہیم نے اکتا کر کہا اور چادر اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ گیا تسنیم کا موڈ خراب ہو گیا وہ بھی سونے کیلئے چلی گئی۔

شائلہ بیٹھی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی باہر رات چھائی ہوئی تھی کمرے کی لائٹس آف کیے وہ اپنے بیڈ پر براجمان لیمپ کی روشنی میں پڑھ رہی تھی شائلہ جب پڑھتے پڑھتے تھک گئی تو اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کھڑکی کے پاس آئی باہر ایک عجیب قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی سڑکیں سنسان پڑیں تھی شائلہ نے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی اور پھر کھڑکی سے ہٹنے ہی والی تھی کہ اچانک اسکی نظر کھیتوں کی طرف اٹھی ایک لڑکی دوپٹہ اوڑھے دبے قدموں کیساتھ کھیتوں کی طرف جا رہی تھی اس کی کمر شائلہ کی طرف تھی۔ جس وجہ سے شائلہ اسکا چہرہ نہ دیکھ سکی شائلہ اس لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی یونہی وہ لڑکی کھیتوں میں گئی تو وہ شائلہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئی رات کا آدھا پہر تھا شائلہ عجیب سی الجھن کا شکار ہو گئی کہ ایک لڑکی اس وقت اکیلے باہر کیا کر رہی ہے شائلہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ واپس اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی اور لیمپ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

آج کا دن بہت خوشگوار تھا صبح ایک نئے دن کیساتھ نمودار ہوئی تھی آج کی ہلکی پھلکی شعاعیں بہت بھلی لگ رہی تھیں شائلہ نے شربتی رنگ کی سرخ ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی بالوں کو کھلا چھوڑ کر آگے سینے پر پھیلا رکھا تھا اور بالوں کی آخر میں انہیں تھوڑا سا کلر کیا ہوا تھا ہونٹوں پر ہلکی سی Lipstick لگائی

جھیل سی آنکھوں میں کاجل لگایا اور پلکوں پر ساڑھی کے رنگ کا ہلکا سا میک اپ کر رکھا تھا اور گالوں پر پوڈر چھڑک کر انہیں گلابی شیڈ دے رکھی تھی کانوں میں سونے کی بالیاں۔ گلے میں سونے کا ہار اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور انگلیوں میں انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں شائلہ آج کسی جنت کی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی بے حد حسین اور خوبصورت کہ وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر شرمائی۔

شائلہ حسب معمول نیچے ناشتے کیلئے Dining table پر آئی تو سب نے اسے دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے شائلہ اپنی اونچی ایڑھی والی ہیل سے ٹک ٹک کرتی ہوئی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور Thermus سے کپ میں چائے ڈالنے کر جاوید حیات نے شائلہ کا ماتھا چوما اور دل سے تعریف کی۔

آج تو ہماری بیٹی بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہے خیریت ہے کدھر جانا ہے

بابا دوست کے گھر جانا ہے وہ بلا رہی ہے شائلہ نے بریڈ کا سلائیس لیتے ہوئے کہا۔

شائلہ کی آنکھوں میں ابراہیم کا چہرہ رقص کرنے لگا اور وہ بے تاب تھی کہ جلدی سے ابراہیم اسے دیکھے اور اس سے اظہار محبت کر ڈالے شائلہ کو خود پر اتنا پرو۔ ضرور تھا کہ جب وہ جان جائے گا کہ وہی میرا سب کچھ ہے تو صرف مجھے پکارے گا عظمی بی بی نے ہزار کا نوٹ نکال کر شائلہ کے سر سے سات بار پھیرا اور کہا بابا اگر کوئی فقیر نظر آئے تو اسے دے دینا تاکہ مجھے نظر نہ لگے۔

یہ سچ تھا کہ شائلہ جیسی خوبصورت شکل اور خوب سیرت والی لڑکی اس پورے گاؤں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی اور ابراہیم بہت خوش قسمت تھا کہ وہ اسے اپنی روح اپنے دل و جان سے چاہتی تھی۔

خوش رہو آباد رہو میری پری کلثوم بیگم بھی پیچھے نہ بیٹھیں

بابا کیا میں خوبصورت ہوں شائلہ نے معصومیت سے پوچھا۔

جاوید شائلہ کے سوال پر چونکا تم خوبصورت نہیں بہت زیادہ خوبصورت ہو میری بچی شائلہ مسکرائی شائلہ نے ملازم سے دفتر کا رجسٹر منگوایا اور جاوید حیات کے سامنے پیش کیا

اس رجسٹر پر میں نے سارا حساب کتاب لکھا ہے شائلہ نے رجسٹر پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

دو دن کا حساب کہاں ہے جاوید نے متلاشی نگاہوں سے رجسٹر پر دیکھا شائلہ پریشان ہوگئی

وہ۔ وہ میں نے دو دن دفتر نہیں کھولا۔

کیوں جاوید حیات نے غور سے شائلہ کو دیکھا

طبیعت ٹھیک نہیں تھی پہلے دن کھولا تھا لیکن لنچ بریک کے بعد بند کر دیا دوسرے دن کھولا ہی نہیں شائلہ نے تفصیل بتائی۔

آج بھی نہیں کھولنا جاوید نے نرمی سے پوچھا

کھولوں گی مگر Half time کے بعد شائلہ نے جواباً کہا

طبیعت کیسی ہے عظمی بی بی نے گفتگو میں حصہ لیا

کافی بہتر ہے اچھا بابا میں چلتی ہوں۔

شائلہ نے ابراہیم کے گھر کے دروازے پر دستک دی تو تسنیم نے دروازہ کھولا تسنیم شائلہ کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی اسے خبر نہیں تھی کہ اچانک شائلہ یوں بغیر بتائے اندر آ جائے گی شائلہ مسکرائی تسنیم نے شائلہ کو گلے لگایا اور اندر بلا کر دروازہ بند کر دیا تسنیم کو حیرت ہو رہی تھی کہ سچ جان لینے کے بعد شائلہ میں کوئی فرق نہیں آیا وہ ضرور ابراہیم کو دیوانگی کی حد تک چاہنے لگی ہے جواس نے پرواہ ہی نہیں کی کہ وہ اس سے پیار کرے گا یا فرار!

واہ آج تو بہت پیاری لگ رہی ہو کیا کوئی خاص دن ہے تسنیم نے شریر انداز میں سوال کیا

نہیں تو تم دونوں سے ملنے آئی ہوں شمائلہ نے مسکرا کر کہا اور پرس رکھ کر چارپائی پر براجمان ہوگئی تسنیم شمائلہ کے لباس سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔اس نے ایک نگاہ اپنے عام سے لباس میں ڈالی تو عجیب سی ہوگئی شمائلہ کے سامنے اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا تھا شمائلہ کہاں حسن کا شاہکار اور تسنیم ایک عام سی شکل وصورت اور سانولی رنگت کی لڑکی تھی شمائلہ کو دیکھ کر آج پہلی بار احساس ہوگیا۔

دولت حاصل کرنے کا جنون ستانے لگا اور سوچا کہ ابراہیم جو کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے آخر دھوکا تو نہیں دے رہا تسنیم نے دل ہی دل میں سوچا کہ اب وہ اپنے بھائی کا ساتھ دے گی تسنیم بھی جیسے خود غرض ہوگئی

ابراہیم کہاں ہیں شمائلہ نے احتراما سوال کیا

وہ سو رہا ہے تسنیم نے جوابا کہا اور شمائلہ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔تم میرے بھائی کے بارے میں کیا احساسات رکھتی ہو تسنیم نے مسکرا کر پوچھا۔ شمائلہ حیرت سے چونکی اس نے سر اٹھا کر تسنیم کو دیکھا

وہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں جو تم سوچ رہی ہو شمائلہ گھبرائی۔

دیکھو چھپاؤ مت میں سب جانتی ہوں تسنیم مسکرا رہی تھی

میں ابراہیم سے پیار کرتی ہوں میں خود نہیں جانتی کیا آپ اور کیسے ہوگیا پلیز مجھے معاف کر دو شمائلہ نظریں جھکائیں وہ شرمندہ تھی

نہیں۔نہیں بیوقوف ایسا کوئی مطلب نہیں تھا میرا مجھے تم دل سے قبول ہو تسنیم کے ارادے اچانک بدل گئے تھے وہ دل سے کہہ رہی تھی شمائلہ شرم سے سرخ ہوگئی۔

خدا نے خاص مجھے ابراہیم کے لیے بنا کر بھیجا ہے آسمانوں سے کیوں کہ خدا کی ذات بہت بڑی ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ ابراہیم کو کوئی نہیں چاہے گا شمائلہ نے یہ بات زبان سے نہیں سے کہی تھی اور تسنیم اسے پہچان گئی تھی کہ شمائلہ عشق کرنے لگی ہے ابراہیم سے۔

تسنیم نے شمائلہ کی یہ بات سن کر ٹھان لی کہ وہ کسی بھی طرح شمائلہ اور ابراہیم کو ایک کر کے رہے گی بے شک کوئی مانے یا نہ مانے دولت ملے یا نہ ملے ان دونوں کو وہ ایک کر کے ہی دم لے گی تسنیم شمائلہ کو ابراہیم کے پاس لے آئی ابراہیم سو رہا تھا شمائلہ کافی دیر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر ابراہیم کے ماتھے پر رکھ دیا کہ بخار چیک کیا تو ابراہیم ڈر کر اٹھ گیا کیوں کہ وہ خود ہی آگ کی طرح گرم تھا اور شمائلہ کا ہاتھ ٹھنڈا تھا ابراہیم نے مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں تو شمائلہ کو اپنے پاس چارپائی پر بیٹھے دیکھ کر حیرت سے چونک گیا اور بے یقین نظروں سے تسنیم کی طرف دیکھا جو دروازے سے ٹیک لگائے ہنس رہی تھی پھر شمائلہ کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔شمائلہ کے ابراہیم کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے واپس لٹانا چاہا لیکن وہ چارپائی سے ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھ گیا شمائلہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

آپ بیٹھے میں ناشتہ لاتی ہوں شمائلہ نے کہا اور کچن میں چلی گئی شمائلہ کے جانے کے بعد ابراہیم نے حیرت سے تسنیم کو دیکھا جواب بھی مسکرا رہی تھی شمائلہ نے ابراہیم کو ناشتہ خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر دیا ابراہیم منہ ہاتھ دھو کر بیٹھ گیا تو شمائلہ ابراہیم کے سامنے ناشتہ رکھ رہی تھی تو تب ابراہیم نے غور سے شمائلہ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو ابراہیم بے اختیار بول پڑا۔

بی شائلہ سہم گئی۔
نہیں کچھ نہیں ابراہیم نے نفی میں سرہلایا اور ناشتے میں مصروف ہو گیا اور شائلہ ابراہیم کو ناشتہ کرتا دیکھتی رہی تسنیم بھی پاس آ کر بیٹھ گئی شائلہ شرما رہی تھی وہ یہی لفظ اپنے محبوب سے اپنے لئے سننا چاہتی تھی جو اس نے سن لئے اور بار بار وہی تعریف اس کے کانوں میں آواز دے رہی تھی ہر بار وہ پہلی بار کی طرح شرما جاتی ۔ابراہیم نے ناشتہ ختم کیا تو تسنیم برتن رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی کیونکہ وہ ابراہیم اور شائلہ کو اکھٹے میں ساتھ وقت دینا چاہتی تھی جب تسنیم کافی دیر سے نہ آئی تو شائلہ گھبرانے لگی اسکی سانسیں تیز ہونے لگیں جو ابراہیم نے محسوس کر لیں اور دل ہی دل میں مسکرا دیا تھوڑی دیر بعد شائلہ نے ابراہیم کو دوائی دے دی اور آرام کرنے کا کہا دونوں ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہو رہے تھے چپ ہی تھے شائلہ نے تسنیم کو آواز لگائی تو تسنیم باہر آ گئی۔

کدھر رہ گئی تھی شائلہ نے گھبراہٹ پر قابو پا کر پوچھا تسنیم مسکرائی اس نے کوئی جواب نہیں دیا اچانک شائلہ کی نظر کھڑکی پر پڑی تو کوئی جلدی سے کھڑکی سے پیچھے ہٹ گیا شائلہ پہچان نہ سکی کہ وہ لڑکا تھا یا لڑکی لیکن شائلہ جانتی تھی کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور جب اس نے دیکھا تو جھٹ سے پیچھے ہٹ گیا اب مجھے چلنا چاہیے شائلہ نے پرس کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا

انشاءاللہ کل دوبارہ آؤں گی۔

تسنیم اور شائلہ آپس میں گلے ملی اور ابراہیم نے شائلہ کو آنکھ ماری تو شائلہ کے قدم لڑکھڑا گئے لیکن وہ سنبھل گئی شائلہ نے شرم سے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور تیز تیز قدموں کے ساتھ باہر آ گئی

شائلہ کو اپنے گھر کے کچھ فاصلے پر فقیر نظر آیا تو شائلہ نے اسے دو ہزار روپے دیئے جو اس کے نظر کے تھے فقیر نے شائلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دعائیں دیں شائلہ واپس گھر کو چلنے لگی۔

پھولوں سے نازک ہیں تمہارے ہاتھ صنم
اب تم ہو گئی ہو جوان صنم
چار دن کی زندگی ہے اظہار محبت کر لو
دیکھو ہم بھی ہیں نادان صنم
کرو محبت کی باتیں یا کوئی شکوہ
سچ پوچھو تو تم ہی ہو میری جان صنم
صدیوں پہ امید لگائے بیٹھے ہیں
کسی روز میرے بھی ہو تم مہمان صنم
روح کو تمہارے بن بے چینی رہتی ہے
تم ابھی اس سے ہو نادان صنم
اپنا ہاتھ جس دن عامل کو دکھایا
وہ بھی دیکھتے ہی ہو گیا پریشان صنم
دیکھنا ہاتھ کی لکیریں بھی بدل جائیں گی جگر
بس تم مجھ پہ ہو جاؤ مہربان صنم

☆ ....عامر سہیل جگر راجپوت بھٹی- سمندری

***

عمر بیت گئی

دیا ہم نے بھی جلایا تھا پیار کا
لیکن بے رحم ہواؤں سے نہ بچا سکے
غلطی کی ہم نے جو یار بنایا شیشے کا
پتھروں سے بچایا تو گھر میں نہ سجا سکے
کہتے ہیں ڈھونڈنے خدا مل جاتا ہے
ہم ایک مٹی کے پتلے کو بھی نہ پا سکے
داغ اس کی رسوائی کے مٹ تو گئے لیکن
اس کی بے وفائی کا داغ ہم عمر بھر نہ مٹا سکے
شام سے گزرتے ہیں اس کی یادوں کے دلدل میں
رات کیسے گزرتی ہے ہم کسی کو بھی نہ بتا سکے
کون آیا کون گیا سب بھول گئے ہم سانول
عمر بیت گئی اس بے وفا کو دل سے نہ بھلا سکے

☆ آصف سانول- چشتیاں

محبت زندہ آج بھی ہے

تحریر۔ مجید احمد جائی۔ ملتان۔ 0301-7472712

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
جواب عرض کی نگری میں پہلی بار تحریر لے کر حاضر ہوا ہوں لکھنا تو نہیں آتا پھر بھی دل کے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں امید واثق ہے کہ آپ میری تحریر کو جلد جواب عرض کی نگری میں زینت بنا کر میری حوصلہ افزائی کریں گے اس تحریر کو قابل اشاعت بنانے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے کئی بار لکھا مگر پھر بھی بہتری کی گنجائش ہے میں نے اس کا نام ۔محبت زندہ آج بھی ہے۔ رکھا ہے اگر آپ چاہیں تو تبدیل بھی کر سکتے ہیں
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہو گی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔

خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رولوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں ہی پیاس کا دامن کھولوں

آج دس سالوں بعد زندہ دلوں کے شہر لاہور جانا ہوا۔ داتا دربار حاضری دینے کے بعد یادگار مینار پاکستان کا رُخ کیا۔ میرا دوست عارف بھی ساتھ تھا۔ شور وغل سے نجات حاصل کرنے کے بعد چند لمحے آرام کرنے کی غرض سے ہم ایک سائے دار چھوٹے سے درخت کے پاس جا بیٹھے۔ سفر کی تھکان بھی تھی، جسم تھکن سے ٹوٹ رہا تھا۔ سبز گھاس پر لیٹتے ہی میں عارف سے باتیں کرنے لگا۔
عارف۔ اب تو لاہور میں بہت تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ کچے مکانوں کی جگہ اونچی اونچی عمارتوں نے لے لی ہے۔ چھوٹی چھوٹی سڑکیں بڑی سڑکوں میں کنورٹ ہو گئی ہیں۔
ہاں ہمید واقعی لاہور پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے اس کے باسی بھی محبتوں چاہتوں کے علمبردار ہوں گے۔ میں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔
ہاں عارف بہت مخلص، محبت کرنے والے یہاں رہتے ہیں۔ میں اپنی محبت کو یاد کر رہا تھا جو بھنور میں گم ہو گئی تھی۔ جس کی یاد لمحہ بہ لمحہ تڑپاتی تھی۔ ہم اردگرد کی رونقوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پارک میں پہنچے تھے۔ تھکن سے جسم چور چور تھا، اسی لیے تو تھوڑی مسافت کے بعد ہری بھری گھاس پر لیٹ گئے تھے۔ عارف مجھ سے چند قدم دور جا کر ستانے لگا تھا۔ آنکھیں بند کیے ایک دوسرے سے باتیں کئے جا رہے تھے۔
ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی نے مجھے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔ میں بلبلا اٹھا۔
کون ہے؟ میرے لبوں سے الفاظ نکلے اور دل میں سوچنے لگا کون ہو سکتا ہے؟ ابھی اسی وہم وگمان میں تھا کہ ایک پیاری سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔
اٹھو، دھوکے باز، فریبی، مکار کہیں کے، جھوٹے

کہاں تک چھپاؤ گے خود کو؟

میں حیران و ششدر رہ گیا۔ آنکھ لگی ہی تھی، ظالم نے جگا دیا۔ آنکھیں ملتے ہوئے میں نے پوچھا۔

کون ہو تم؟۔ میرے سامنے سیاہ نقاب میں کوئی مہ جبیں کھڑی تھی۔ میں تو اس شہر میں مسافر تھا۔ شاید اُسے غلط فہمی ہوئی ہوگی اپنے کسی پیارے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں آ پہنچی تھی۔ میں نے اُسے جواب دیا۔

سوری میڈم آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جس کو تم تلاش کر رہی ہو۔ تمہاری منزل کوئی اور ہوگا۔ میں تو اس شہر میں اجنبی ہوں۔ چند لمحے ستانے کی غرض سے لیٹا تھا۔ تھکن کی وجہ سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ ابھی مسافت بہت ہے۔ میری منزل بہت دور ہے۔

اے مسٹر اتنے نادان مت بنو۔ کیوں تڑپاتے ہو؟ کتنی دیر سے صبر کیے جا رہی ہوں۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ تم بھول بیٹھے ہو۔ ہمارے دل میں محبت زندہ آج بھی ہے۔ وہ یکدم جذباتی ہو گئی تھی۔

کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں، کیا بکواس کیے جا رہی ہو؟ میں نے کیا پوچھا اور تم کس الجھن میں ڈالے جا رہی ہو؟

کیا تم سعید نہیں ہو؟

مجھے کرنٹ سا لگا۔ میرا نام سعید ہی تھا لیکن یہ مجھے کیسے جانتی ہے؟ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ میں تو مسافر ہوں، اجنبی شہر ہے۔ ابھی ذہن خیالات کی نگری میں غوطہ زن تھا کہ وہی نسوانی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

بولو سعید، تم بھول بیٹھے، کیا تم واقعی سعید نہیں ہو؟ وہ سعید جو مجھ پر مرتا تھا۔ مجھے بے انتہا پیار کرتا تھا۔

ہاں میں سعید ہوں لیکن میں تمہیں نہیں جانتا۔

جب وہ رو پڑی تو میں نے جواب دیا۔

واہ رے محبت! اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ اتنے ستمگر بھول گئے۔ وہ محبت، وہ وعدے، وہ قول و قرار سب بھول گئے۔ ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ یہی صرف دس سال۔ صرف دس سال ہی تو بیتے ہیں۔ کون سی صدیاں بیت گئیں ہیں کہ تم مجھے بھلا بیٹھے ہو۔

یہ کہتے ہوئے اُس مہ جبیں نے رُخ سے نقاب اُتار دیا۔ چمکتا دمکتا، چاند سا چہرہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ دماغ کی کھڑکیاں ابھی تک بند ہی پڑی تھیں۔ میں پہچان نہیں پایا تھا عجیب اتفاق تھا وہ مجھے جانتی تھی اور میں بھول چکا تھا۔

بولو سعید، وہ قسمیں، وہ چاہتیں، وہ وعدے سبھی بھول بیٹھے ہو۔ دیکھو قسمت نے پھر سے کیسے ملا دیا ہے۔ جب تم پارک میں اینٹر ہوئے تھے۔ تمہارے پیچھے میں آ رہی تھی۔ تمہارا دوست بار بار تمہارا نام لے رہا تھا اور میں اس نام کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ جس کے ساتھ میرے وعدے، قسمیں تھیں، جس کی میں چاہت تھی۔ جو میرا پیار تھا، ہم ایک دوسرے پر مرتے تھے۔ وہ اپنے والدین کو راضی کرنے گھر گیا تھا اور۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی وہ رو پڑی۔ آنسوؤں کا دریا بے قابو ہو گیا۔ میرے لبوں پر وہی نام تھا، جس کا میں ورد کیا کرتا تھا۔ میری سوچوں، میری یادوں کا مرکز، میرا محبوب، میرا پیار، میرا ایمان۔

تم ایمان۔۔۔۔

ہاں میں ایمان ہوں۔

میں دانتوں میں انگلیاں دبائے سوچوں میں گم تھا۔ یہ وہی ایمان ہے دس سالوں میں وہ چہرہ، وہ رنگت، وہ جسامت کچھ بھی ایسا نہیں تھا۔ اسی لیے تو پہچان نہیں پایا تھا۔ دس سالوں میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔

واہ رے قسمت ملے بھی تو کس موڑ پر۔۔۔۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول بکھیرتے چلے گئے۔ جیسے کسی مسافر کو منزل مل جاتی ہے۔ کسی کو کھوئی ہوئی قیمتی چیز اچانک مل جائے۔ کسی کا بچھڑا محبوب جو صدیوں سے نجانے کہیں گم ہوا اور پھر مل جائے۔ عین اسی طرح کے جذبات، احساسات تھے۔ میرا محبوب پاس تھا اور میں خیالات کے طوفان میں گم ہوتا چلا گیا اور بہت پیچھے ماضی کے دریچے کھلتے چلے گئے۔

ہائے کیا لوگ تھے وہ لوگ پری چہرہ لوگ
ہم نے جن کے لئے دنیا کو بھلائے رکھا
اب ملیں بھی تو نہ پہچان سکیں گے ان کو
جن کو اک عمر خیالوں میں بسائے رکھا

میں حسب معمول صبح سویرے کام پر جا رہا تھا۔ سامنے سے آتے ہوئے تیز رفتار رکشے نے بچے کو روند دیا تھا۔ بچہ سڑک پر تڑپ رہا تھا۔ رکشے والا بلا خوف وخطرہ منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ کتنا بے حس انسان ہے۔ ایک تو بچے کو نیچے دے کر آرہا ہے اور پھر اسے کوئی فکر ہی نہیں۔ نجانے ایسے کتنے ماں کے جگر گوشے ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر اس دنیا سے کنارہ کر جاتے ہیں۔

میرے ذہن پہ خیالات کی جنگ جاری تھی۔ جیسے ہی رکشے والا میرے مقابل ہوا، میں نے اسے روک لیا۔ کیونکہ آگے موڑ تھا اور وہ رفتار آہستہ کر چکا تھا۔ اسے پکڑتے ہی میں نے دو، چار مکے گھونس دیئے۔

کتنا ظالم انسان ہے تو، بچے کو نیچے دے کر ڈھٹائی سے آرہا ہے۔ تجھے ذرا بھی احساس نہیں ہوا۔ نجانے کس گھر کا چراغ ہے۔؟ کس باغ کا پھول ہے؟ کتنے سخت دل ہو۔ ننھی سی جان تڑپ رہی ہے اور تم اسے تڑپتا چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اپنی جان بچانے کی خاطر معصوم زندگی ختم کرتے جا رہے ہو۔ کیا تمہارے بچے نہیں ہیں۔؟ چلو پیچھے۔۔۔۔

رکشے والا، منہ بنائے ناراضگی کے عالم میں پیچھے کو ہو لیا۔ بچہ خون میں لت پت تڑپ رہا تھا۔ ہم نے بچے کو اٹھایا اور ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُسے سر پر چوٹ آئی تھی۔ کافی خون بہہ چکا تھا۔

جلدی چلو ظالم بچے کی حالت سیریس ہے۔ میں نے رکشے والے کو کہا۔ دیکھو کتنا تڑپ رہا ہے۔ خدا نہ کرے اسے کچھ ہو۔

میرے چیخنے پر رکشے والے نے مزید رفتار بڑھا دی۔ تھوڑی ہی دور گنگارام ہسپتال تھا۔ ہم نے ایمرجنسی میں داخل کروا دیا۔ مجھے کام بھول گیا تھا۔ مجھے انسانی جان بچانی تھی۔ کسی کے کام آنا بھی صدقہ ہے۔ میری وجہ سے کسی کا چراغ بجھنے سے بچ جائے، اس کے گلشن کا پھول کھلنے سے پہلے مرجھا نہ جائے۔۔ رکشے والے نے انجانے میں اسے نیچے دیا تھا۔ اچانک کھیلتے ہوئے گلی میں آنکلا تھا۔ نجانے کس کا چراغ تھا؟ کس کا لخت جگر تھا۔ کس گلشن کا پھول تھا؟ اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ کون تھا کہاں سے آنکلا تھا۔؟ نجانے اس کے والدین کہاں کہاں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ اس کی ماں کا کیا حال ہوگا؟ بچے کے وارثوں کا خیال آتے ہی میں نے رکشے والے کو کہا۔۔۔

جا کر اُس محلے میں اعلان کراؤ۔ جس کا ہوگا ضرور رابطہ کرے گا۔

رکشے والے نے اسی محلے کی مسجدوں میں اعلان کرا دیا۔ لیکن بے سود کوئی سوراخ نہیں مل پایا تھا۔ میں نے رکشے والے کا رکشہ روک رکھا تھا، اور میرے جھوڑنے سے وہ معافی مانگ چکا تھا اور مکمل ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

میرے ہونٹوں کے مہکتے ہوئے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کئی اور غم بھی پلتے ہیں

بچے کو ایمرجنسی سے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ سر پر آٹھ ٹانکے لگے تھے۔ خون بہہ جانے کی وجہ

سے انہوں نے چند دن ہسپتال میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اپنے بوس کو کال کر کے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا تا کہ کوئی پریشانی نہ بنے۔ مجبوری کے تحت کچھ دن کام پر نہیں آسکوں گا۔ بوس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

چار دن اسی جدوجہد میں گزر گئے۔ بچے کے کسی وارث کی خبر نہیں ملی تھی۔ رکشے والا برابر ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے جانے کی بات تک نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے گھر اطلاع کر دی تھی لیکن میں نے چند ضروری کاغذات رکھ کر اسے گھر جانے دیا تھا۔ لیکن وہ ہر شام کو ضرور چکر لگاتا تھا۔ خیر بچہ اب کافی سنبھل چکا تھا۔

قدرت کی دیوی مہربان ہوئی۔ پانچویں دن دوپہر کے وقت میں بچے کے ساتھ بیٹھا اسے فروٹ کھلا رہا تھا۔ اسی وارڈ سے ایک اجنبی شخص کا گزر ہوا۔ میرا واقف نہیں تھا۔ نجانے کون تھا؟ بچے نے دیکھتے ہی ماموں، ماموں کی رٹ لگا دی۔ لیکن وہ دور جا چکا تھا۔ شاید اس کی نظر اس طرف نہیں پڑی تھی۔ میں نے بچے کو دلاسہ دیا اور اُٹھ کر اسے شخص کے پیچھے ہو لیا۔ جو اس وارڈ سے نکل کر دوسری وارڈ میں داخل ہو چکا تھا۔ میں نے اس کے قریب جا کر پیچھے سے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ حیرانگی کے عالم میں اس نے گردن گھمائی اور مجھ پر نظریں مرکوز کر دیں۔ اس سے پہلے وہ کچھ بولتا میں نے اسے مخاطب کیا۔

بھائی جی! بات سننا۔۔

جی فرمایئے۔ اس نے گھبراتے ہوئے جواب دیا۔

ذرا میرے ساتھ آئیں گے۔

کیوں بھائی۔۔؟ میں تو آپ کو جانتا نہیں۔ کیا کام ہے؟ میں پہلے بہت پریشان ہوں۔

پلیز آپ میرے ساتھ تو آئیں ہو سکتا آپ کی پریشانی ختم ہو جائے۔ میں نے جواب دیا۔

وہ کچھ پریشان نظر آرہا تھا اور میں اس کی پریشانی جان چکا تھا۔ لیکن تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ وہ شخص غالباً مجھے بھکاری سمجھ رہا تھا کیونکہ میرا لباس ہی ایسا تھا۔ میلے کپڑے، پاؤں میں ٹوٹی چپل۔ کوئی بھی مجھے فقیر کا لقب دے سکتا تھا۔ بے حد اصرار پر وہ شخص میرے ساتھ چل پڑا۔ ہم جب بچے کے قریب آئے تو وہ ایک دم اُچھل پڑا۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ جیسے کسی کو گمشدہ خزانہ مل گیا ہو۔ بچہ بھی خوشی سے مسکرا رہا تھا۔ ماموں ماموں پکارے جا رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تھے۔ وہ شخص دیوانگی میں بوسے لے رہا تھا۔ میں قریب کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

شکر ہے میرے مالک۔ تو نے میری مشکل آسان کر دی۔ بے شک وہ مشکلوں سے نجات دینے والا رحمان ہے۔ بچے کو اس کے اپنے مل گئے۔ میری آنکھیں نمی سے تر بتر تھیں۔ کتنے پیارے لگتے ہیں یہ معصوم۔ سیانے سچ ہی تو کہتے ہیں بچے تو دشمنوں کے بھی پیارے لگتے ہیں۔ یہ بچہ سب کی جان تھا۔ سچ پوچھو تو میں بھی اس سے مانوس ہو چکا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ شخص مجھ سے مخاطب ہوا۔

ری

دوست۔ sorry firend میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ I am very sorry آئی ایم وری سوری۔

کوئی بات نہیں جناب۔۔۔۔ آپ کو اپنا بچہ مل گیا، یہی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں کہ جو ہم سوچتے ہیں وہ ہوتا نہیں اور جو ہمارے دل، وہم و گمان میں نہیں ہوتا وہ ہو جاتا ہے۔ کیا آپ اس بچے کو۔۔۔۔

جی۔۔۔ جی میرا بھانجا ہے اور ہم پانچ دن سے ڈھونڈ رہے تھے۔ بھلا ہو آپ کا، اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔ مگر یہ سب کیسے ہوا؟

میں نے اس کے پوچھنے پر ساری داستان گوش گزار کر دی۔ ابھی ہم وہی کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ بڑی بڑی گاڑیاں ہسپتال کے اندر داخل ہوئیں۔ خدا خیر کرے۔۔۔ الٹا ہم ہی نہ چور ٹھہریں۔ بچے

کے ماموں نے گھر کال کر دی تھی جو میرے علم میں نہیں تھا۔خیر بڑے لوگ ہیں نجانے کیسا سلوک کرتے ہیں۔میرے اندر خطرات کی گھنٹیاں بجنے لگی۔دوسرے ہی لمحے دل وضمیر سے آواز آئی۔۔۔ خدا خیر کرے گا۔تم نے کونسا بُرا کام کیا ہے۔؟

نوجوان لڑکیوں،مردوں کا گروپ وارڈ کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ان کے ساتھ ساٹھ ستر سالہ بوڑھا بھی تھا۔جس کو بھی سیٹھ جی کہہ رہے تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھی۔آتے ہی بچے کے صدقے واری ہونے لگے،ایک چوم رہا ہے دوسرا بوسے لینے کے لئے بیتاب کھڑا ہے۔تیسرا مسکراہٹ کے پھول بکھرنے میں لگا ہوا ہے۔

چند لمحوں کے بعد میں بوڑھے شخص سے مخاطب ہوا۔صاحب جی۔۔۔یہ آپ کا مجرم ہے۔اس کے رکشے سے زخمی ہوا تھا۔آپ کا لاڈلا جو جی میں آئے سزا دیں۔مجھے اجازت دیں،میں کئی دنوں سے یہاں ہوں،کام پر نہیں گیا۔مجھے کام پر جانا ہے۔ رکشے والے کو میں نے بلوالیا تھا۔

نہیں بیٹا ٹھہر جاؤ۔

صاحب جی۔۔۔میں پردیسی ہوں،پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے اپنے گھر سے بہت دور یہاں محنت مزدوری کرنے آیا ہوں۔میں نے اپنی مجبوری پیش کرتے ہوئے کہا۔

سیٹھ جی رحمدل انسان تھے انہوں نے رکشے والے کو معاف کر دیا۔یہاں تک ہی نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں کچھ رقم بھی تھما دی۔

یہ لو۔اپنے بچوں کے لئے کچھ لیتے جانا۔ہمارا لخت جگر سلامت ہے۔اللہ تعالیٰ تمھیں خوشیاں دے ۔آمین۔جاؤ اور اپنے بچوں کی خبر لو،نجانے وہ بھی تڑپ رہے ہوں۔رکشے والا خوشی خوشی میرے بغل گیر ہوتا گھر کی راہ پکڑ گیا۔

مقدر سے کہو پھر سے ستم ایجاد مت کرنا
کوئی آباد ہے دل میں اسے برباد مت کرنا
وہ اک شب خواب ساہن کر اُتر آئے گا آنکھوں میں
یہ پلکیں موند لینا اور اس کو برباد مت کرنا

رکشے والا کب کا جا چکا تھا۔میں بھی جانے کے لئے تیار ہوا تو سیٹھ صاحب نے مجھ سے اخراجات پوچھے۔۔۔۔جو خرچ ہوا تھا بلوں کی صورت ان کے حوالے کر دیئے،،،،اور اجازت مانگی۔بوڑھے سیٹھ نے مجھ سے پوچھا۔

بیٹا؟کیا کام کرتے ہو۔۔۔اور کہاں رہتے ہو۔۔؟میں نے جگہ کا نام بتایا تو وہ اور بھی زیادہ خوش ہوا۔کہنے لگا۔وہ تو میرے گھر کے سامنے ہے اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے بچے پر اٹھنے والے اخراجات کی رقم مجھے تھما دی۔میں جانا چاہتا تھا اور سیٹھ جی مجھے باتوں میں الجھائے رکھا تھا۔

چلو بیٹا!ہمارے ساتھ چلو۔۔تمھیں وہیں چھوڑ دیں گے۔

میں گھبرا رہا تھا۔بڑے لوگ ہیں اور میں کم ذات غریب،میری اوقات ان کی جوتیاں صاف کرنے کی بھی نہیں تھی۔سبھی لوگ گاڑیوں میں سوار ہوئے اور گھر کی راہ لی۔میں بھی سیٹھ جی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا بہت خوش تھا۔ان کے گلشن کا پھول مرجھانے سے بچ گیا تھا۔سبھی مجھے دعائیں دے رہے تھے۔میں دعاؤں کے خزانے وصول کر رہا تھا۔رب تعالیٰ کی ذات کریمی بڑی بے نیاز ہے۔۔میں رب تعالیٰ کی رضا پر خوش تھا اور شکر بجالا رہا تھا۔

گاڑیاں مختلف دل افروز مقامات سے گزر رہی تھیں اور میں خیالات کی بستی میں سیر و تفریح کر رہا تھا۔گاڑیاں رکی تو میری نظریں محل نما کوٹھی پر مرکوز ہوئیں۔مین گیٹ کے ساتھ لگے ہوئے پھولوں میں تتلیاں رقص کر رہی تھیں۔ساتھ ہی تو ایک بلڈنگ میں،میں کام کرتا تھا۔میرے تمام خدشات رفو چکر ہو گئے۔اتنے میں سیکورٹی گارڈ نے سیلوٹ کیا اور

گاڑیاں محل میں داخل ہو گئیں۔ امیر لوگ تھے، اتنے نوکر چاکر دیکھ کر میں احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا۔ میری اوقات تو ان کے گھر جھاڑو دینے والوں سے بھی کم تھی۔ مجھے ویٹنگ روم میں بیٹھایا گیا۔ مختلف لوازمات سے میری خدمت کی گئی۔ جیسے میں ان کا خاص مہمان تھا۔ میں بھی ان میں گھل مل گیا۔ سیٹھ صاحب بڑی محبت بھری نظروں سے میرے صدقے واری ہو رہے تھے۔ کہنے لگے

بیٹا! یہ تمہارا گھر ہے، آتے جاتے رہنا۔ اور ہاں ہم تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔ آپ نے ہمارے آنگن کے پھول کو مرجھانے سے بچالیا۔ ورنہ یہ آنگن بھی ویران کھنڈرات کی مانند ہو جاتا۔ خداتعالیٰ نے تمھیں مسیحا بنا کر بھیجا ہے، اس وقت تم نہ آتے تو نجانے کیا ہو جاتا۔؟

کافی دیر بیٹھنے کے بعد میں نے اجازت طلب کی اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس محل نما کوٹھی سے چند فرلانگ کی دوری پر میں کام کرتا تھا۔ گیٹ کراس کرتے ہی میں وہاں پہنچ گیا۔ دوستوں کو اپنے ساتھ بیتے لمحوں کا حال احوال دیا اور کام میں مشغول ہو گیا۔

اس خوبصورت محل نما گھر میں صرف تین لوگ رہائش پذیر تھے۔ سیٹھ صاحب، ان کی وائف اور ان کی چھوٹی خوبصورت حسین وجمیل سترہ سال کی نوجوان دوشیزہ۔ جس سے ابھی تک میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی آمنا سامنا ہوا تھا۔ سیٹھ صاحب کا ایک بیٹا لندن رہتا تھا۔ ان دنوں قسمت سے واپس آیا ہوا تھا۔ جو چند دن ٹھہرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ اور اس کی بڑی بیٹی جس کے لخت جگر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، میکے ملنے آئی ہوئی تھی، اس واقعے کے چند دن بعد اپنے جگر گوشے کو لے کر واپس پیا دیس چلی گئی۔ زندگی معمول پر آگئی تھی۔

میں صبح سویرے کام پر جاتا اور شام کو سیٹھ صاحب کے پاس جاتا ہوتا تھا۔ ان کی محبت، چاہت پا کر بہت خوش تھا۔ میں جو اپنوں کو چھوڑ کر آیا تھا۔ میری بیوی، میرے بچے میرے انتظار میں رہتے تھے۔ اور میں ان کی خاطر گھر سے بہت دور، دن بھر محنت مزدوری کرتا تھا۔ دن بھر محنت مشقت کرنے کے بعد شام کو جب ان کے ہاں جاتا تو تمام تھکن رفو چکر ہو جاتی۔ ان کی باتیں، انکی چاہت نے مجھے سب کچھ بھلا دیا تھا۔

چھوٹی عمر میں میری شادی کر دی گئی تھی۔ کسی کو کہاں علم تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ سترہ اٹھارہ سالہ خوبصورت نوجوان تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ دن بھر سورج کی تمازت نے میری رنگت سانولی کر دی تھی۔ میں اپنوں کا ڈسا ہوا بے سہارا کمزور ی ہڈیوں کا مجموعہ تھا۔ شادی ہوتے ہی بھائیوں نے تمام تعلق ناطے ختم کر لئے تھے۔ زمینوں پر قابض ہو گئے۔ سب سے چھوٹا میں ہی تھا۔ باپ بیماریوں سے لڑتے لڑتے ایک دن اس دنیا فانی سے جان چھڑوا گیا تھا۔ باپ زندہ تھا تو کوئی غم نہیں تھا۔ چھوٹا ہونے کے ناطے باپ کو بہت پیارا تھا۔ باپ کے مرتے ہی تمام رشتے ختم ہو گئے۔ بوڑھی ماں تھی وہ مجبوریوں کی چکی میں پس رہی تھی۔ کیا کرتی، کس کا ساتھ دیتی۔؟ سبھی اسے پیارے تھے۔ بڑوں نے حکم صادر کیا کہ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو بوڑھی ماں نے چپ سادھ لی۔ میں اپنوں کے ستم تلے دب کر رہ گیا۔ اپنوں سے دور ایک شہر میں خانہ بدوش سی زندگی گزارنے لگا۔ سوکھی لکڑیوں سے جھونپڑی نما گھر بنایا اور اپنے بیوی اور بچوں کی نگہداشت کرنے لگا۔

یہ دریائی علاقہ تھا۔ دریا کے کنارے ہی ہم رہائش پذیر تھے۔ وہاں کا ٹھیکے دار لاہور میں ٹھیکے پر کوٹھیاں تعمیر کرتا تھا۔ میری اس سے ملاقات ہوئی اور یوں میں اس کے ساتھ ہیلپر کے طور پر کام کرنے لگا۔ شروع شروع میں کام اسی علاقے میں تھا بعد ازاں

لاہور آ گئے۔ مجھے بھی ساتھ ہی لے کر آ گئے۔ میں نے مجبوریوں کے باعث حامی بھر لی۔ کڑوا گھونٹ تھا جو میں پی گیا۔ اپنے خاندان کی خاطر، اپنے خاندان کو چھوڑ کر لاہور کا باسی بن گیا۔

آپ کو علم ہو گا معمار، مستری کو اینٹیں، سیمنٹ اٹھا کر دینا، وہ بھی کئی کئی منزلہ عمارت پر آسان کام تھوڑا ہوتا ہے۔ ان سے پوچھو جو یہ کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ خوبصورت گھر بنا کر تو دے سکتے ہیں لیکن ان میں رہنا ان کا مقدر نہیں ہوتا۔ انہوں نے وہی جھونپڑیوں میں بسیرا کرنا ہوتا ہے۔ اور ساری عمر حسرت بھری نظروں سے اونچی اونچی عمارتوں کو تکتے رہنا ہوتا ہے۔ آنکھوں میں خواب سجا سکتے ہیں لیکن جیسے ہی آنکھ کھلتی ہے وہی جھونپڑی، وہی مٹی سے بنے کچے مکان، جو بارش میں ٹپ ٹپ برستے پانی کے نذر ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی ان کے گھر طوفانوں کی نذر ہو جاتے ہیں تو کبھی بارش ان کو مسمار کر دیتی ہے۔ کبھی سیلاب بہا کر لے جاتا ہے۔ ان کی زندگیاں یونہی بے بسی میں گزر جاتی ہیں۔ پھر ایک دن انہی حسرتوں، انہی خواہشوں کے ساتھ خاموشی کے لبادے اوڑھ کر میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ کوئی جانتا تک نہیں کہ اس نام کا بندہ اس دنیا میں آیا تھا۔ مٹی کے ڈھیر تلے کون سو رہا ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ مٹی کی ڈھیری بھی کہیں گم ہو جاتی ہے۔ کوئی اس پر مکان بنا لیتا ہے تو کوئی سڑک۔ کس کو کیا پتہ کون آیا ہے؟ اس جہاں میں کوئی جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔

کسی نے خوب کہا ہے،

فٹ پاتھ پر غریب کے بچے پڑے ہوئے
یوں لگ رہا تھا جیسے کہ لاشے پڑے ہوئے
ہوتی ہے یوں بسر یہ مسافت میں زندگی
جیسے کسی کے پاؤں میں رسے پڑے ہوئے
کاسہ اٹھا کے مانگتے ہیں الفتوں کی بھیک
در، در پہ بہت دیکھے ہیں رانجھے پڑے ہوئے
شاید وہ آفتوں کی زد میں تھے آ گئے
دھرتی کے جسم پر ہیں جو مردے پڑے ہوئے
وہ حال کے سفر میں بہت دور تک چلے
ماضی کی قید میں ہیں جو اندھے پڑے ہوئے
الفاظ گھومتے ہیں ابھی سامنے "وفا"
لیکن ہمارے ذہن پہ ہیں تالے پڑے ہوئے

کام سے چھٹی تھی میں سیٹھ جی کے گھر چلا گیا۔ صحن میں کوئی موجود نہیں تھا۔ پہلی منزل کے کمروں میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں ہر کمرے میں دیکھ رہا تھا۔ نجانے کہاں گئے ہیں سبھی گھر والے۔ میں اپنی ہی سوچوں میں محو تھا۔ اگر گھر میں کوئی نہ ہوتا تو سیکورٹی گارڈ مجھے باخبر کر دیتا۔ عجیب سی بے قراری تھی۔ کچن کے ساتھ والے کمرے میں جب گیا تو میں حیران رہ گیا۔ بیڈ پر نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات ایسے open پڑے تھے۔ اللہ خیر کرے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ گھر میں کوئی موجود نہیں ہے اور اتنی بڑی رقم اور زیورات پڑے ہیں۔ میں نے دروازے کو بند کیا اور اوپر والی منزل کی طرف چلا گیا۔ وہاں سیٹھ صاحب کی چھوٹی بیٹی ایمان بیٹھی بال سنوار رہی تھی۔

ایکسکیوزمی،

جی آئیے سعید۔ کیا حال ہیں۔؟ میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔

میں نے پہلے ایمان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آج پہلی ہی ملاقات تھی۔ ایمان میرے نام تک واقف تھی ۔ اس سے ظاہر تھا وہ مجھ میں دلچسپی لیتی تھی۔ ایمان نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

آپ کیسی ہیں؟ میرا انتظار کیوں؟ کیا گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟ میں نے ایک ہی دم میں کئی سوال کر دیئے۔

نہیں۔ میں اکیلی ہوں، امی ابو کسی کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ میں اکیلی گھر میں بور ہو رہی تھی۔ آپ آ گئے ہیں اب وقت اچھا گزر جائے گا۔

کیا مطلب؟

کچھ نہیں ویسے ہی آپ کی باتیں سننے کو بے چین تھی۔ایمان نے بات گول کرتے ہوئے جواب دیا۔

ایمان، جی بات سنو، نیچے کچن کے ساتھ والے روم میں نوٹوں کی گڈیاں بکھری پڑی ہیں ان کو سنبھال لینا۔شاید جاتے وقت ابوامی بھول گئے ہوں گے۔

ایمان نے جواباً کہا،

اچھا جی خیر ہے۔

میڈم آپ کے لئے اہمیت کے حامل نہیں ہیں شاید،؟لیکن ہم جیسے غریب، مفلسی کی چکی میں پسے ہوئے انسانوں کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔وہ تھوڑی کنفوژ ہو رہی تھی۔جیسے چوری کی چوری پکڑ گئی ہو یا پھر میری باتیں اسے مذاق لگ رہی تھیں۔جو بھی تھا میں انجان تھا۔

سعید!بات سنو، مجھے میڈم نہ کہا کرو، میں بھی آپ جیسی ہوں، آپ کا میڈم کہنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

او جی، ہم تو غریب لوگ ہیں۔زمین پر سونے والے آپ جیسے لوگوں کے مقابل نہیں ہو سکتے۔

نہیں ایسا نہ کہو۔ایمان نے جواب دیا سعید! امیری غریبی خداتعالی کی عطا کردہ ہے۔کسی کو کیا ملا سب اپنے اپنے نصیب کی باتیں ہیں۔ہم ایک جیسے انسان ہیں۔یہ آپ کی سوچ ہے

ایمان،اب کی بار میں نے میڈم کی بجائے ایما ن پر اکتفا ہی کیا تھا۔

اکثریت تو یہی کہتی ہے۔غریب صرف اور صرف پاؤں کی جوتی ہوا کرتے ہیں۔ایسے لوگ غریب کو دولت کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ان کے لئے دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ضمیر اور ایمان تک خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ نہیں دیکھتے یہ دولت کہاں سے آرہی ہے انھیں دولت چاہے، جیسے ہی آئے، چاہے کسی کی جان ہی کیوں نہ لی جائے، کسی کا سہاگ ہی کیوں نہ چھیننا پڑے۔ان کو انسانیت کا کیا پتہ، رشتے ناطے، بندھن، خون کے رشتے کیا ہوتے ہیں۔؟انھیں کیونکر فکر ہو گی۔امیری غریبی کا فرق نہ ہوتا تو معاشے میں برائیاں جنم ہی نہ لیتی۔محبت، پیار واخلاص ہوتا۔میں جذبات کی رو میں بہہ گیا اور کیا کچھ کہہ دیا۔کچھ خبر نہیں تھی۔میں نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا ہم غریب لوگ ہیں ہمیں بلندیوں پر مت لے جایئے۔ہم اس قابل نہیں ہیں، ہمیں اپنی اوقات میں رہنے دیجئے۔

یہ کہتے ہی میں واپس جانے لگا اور جاتے ہوئے ایک بار پھر ایمان سے کہا کہ چلو ایمان وہ نوٹوں کی گڈیاں اور زیوارات سنبھال لیجئے۔کہیں کوئی گڑ بڑ ہی نہ ہو جائے۔

ایمان چپ چاپ میرے ساتھ نیچے روم تک آئی۔۔۔یہ وہ نوٹوں کی گڈیاں اور زیوارات ابھی تک ویسے ہی بکھرے پڑے تھے۔۔۔ایمان نے ان کو save کر لیا اور میں آنکھیں مسلتے ہوئے واپس چلا گیا۔میرا دل بچوں کی طرح رو رہا تھا اور آنکھیں ضبط کے بند باندھے ہوئے تھیں۔

پھر تو روز کا معمول بن گیا۔میں جب بھی سیٹھ صاحب کے گھر جاتا تو کہیں نہ کہیں نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات پڑے ہوتے۔مجھے یہ سب ناگوار گزرتا ۔میں غریب ضرور تھا لیکن ایمان اور ضمیر کا پکا تھا۔یہ ہری لال نوٹوں کی گڈیاں ہمیں خرید نہیں سکتی تھیں۔ شاید یہ سب ایمان کر رہی تھی۔وہ مجھے آزمانا چاہتی تھی۔اسے جب بھی موقع ملتا تو یونہی نوٹ بکھیر دیتی ۔میرا ایمان، میرے ضمیر کو آزمانے، پرکھنے کے لئے کیا کیا حربے کر رہی تھی۔میں اس کی چال کو سمجھ چکا تھا ۔میں اور بھی محتاط ہو گیا۔میں نے ان کے گھر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔جس گھر میں غریبوں کے ضمیر پرکھے جائیں وہاں جا کر رسوا کیونکر ہونا۔یہ سب میرا من گوارا نہیں کرتا تھا۔

کئی دن یونہی گزر گئے۔میں نے ادھر کا رخ نہیں

کیا تھا۔ایک دن دوپہر کے وقت سیٹھ صاحب بابا ارشد میرے پاس آگئے۔میں کام میں مصروف تھا ۔آتے ہی برس پڑے۔

بیٹا! ہم سے کیا خطا ہوگئی ہے۔؟ ہمارا قصور تو بتاؤ، کئی دنوں سے گھر کیوں نہیں آئے۔؟ تمہاری ماں تمہیں یاد کرکے بستر کی ہوگئی ہے۔کم از کم اسی کا خیال تو رکھا ہوتا۔

اُن کے دل میں جو جو آیا کہتے چلے گئے۔میں نے کام کی مصروفیات کا بہانہ بنا کر ٹال دیا۔اور وعدہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

باباجی میں شام کو ضرور آؤں گا۔اب ان کو کیا کہتا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟۔میرے من، میرے ضمیر کو میرے دل کو زخمی کیا ہے۔سیٹھ صاحب کو بابا کہتا تھا اور ان کی بیوی کو ماں جی کہہ کر پکارتا تھا۔ جب باباجی نے دل کا غبار نکال لیا تو خاموش ہوگئے ۔میں نے انہیں پانی پلایا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ایک گھنٹے کے بعد باباجی واپس چلے گئے۔میں سوچوں کی یلغار میں ڈوبا رہا، جاؤں کہ نہ جاؤں۔ایک طرف ایمان کا رویہ، دوسری طرف اس کے بوڑھے ماں باپ۔

اسی کشمکش میں شام کے سائے ڈھلنے لگے، من کے کسی کونے سے بازگشت سنائی دی۔یار سعید! کسی ایک کی غلطی کی سزا سبھی کو نہیں دینی چاہیے۔پھر میں سبھی نفرتیں، خطائیں بھلا کر شام کو ان کے گھر چلا گیا صحن میں سبھی کرسیوں پر بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے۔مجھے دیکھ کر سبھی خوش ہوگئے۔سبھی کی خوشیوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ماں صدقے واری ہورہی تھی۔ ایمان بھی چور انکھیوں سے قربان ہوئی جارہی تھی ۔۔ آنکھوں کی زبان سے مجھ سے مخاطب تھی۔لیکن میں ان سنی کررہا تھا۔میں جانتا تھا۔میری منزل یہ نہیں تھی۔کہاں جھونپڑی کا مکین ۔۔۔۔اور کہاں یہ محلوں کی رانی اور تو اور میں شادی شدہ تھا۔میرے آنگن میں دو ننھے ننھے پھول کھیلتے تھے۔جو میرے منتظر تھے۔میری راہیں تکتے ہوں گے۔کب پاپا آئے گا؟ ہمارے لئے کھلونے لے آئے گا۔ننھی سوچوں کا محور میں ہی ہوں گا۔ان کی آنکھوں میں جو خواب سجے ہوں گے،ان کی تعبیر میں ہی ہوں گا۔میں بھی ان کے خوابوں کو ریزہ ریزہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔اور تو اور اپنی بیوی رانی کے اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اس کی محبت کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔میں جانتا تھا وہ میرے لیے دعائیں کرتی ہوں گی۔میری صحت،تندرستی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہوگی۔ میں یہاں کسی اور کی محبت کا اسیر ہو جاؤں ناممکن سی بات تھی۔میں نے خود کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔میں بکھیرنا نہیں چاہتا تھا۔اپنا ہو راو نہیں کرنا چاہتا تھا۔دو کشتوں کا مسافر نہیں بننا تھا۔

اس شام خوب محفل سجی، خوب گپ شپ ہوئی۔سبھی خوش تھے۔رات کا کھانا میں نے ان کے ہاں ہی کھایا۔رات گئے محفل برخاست ہوئی اور میں واپس اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ آیا۔انہوں نے بہت کہا کہ اتنی رات ہوگئی ہے یہی سو جاؤں لیکن یہ میرے لئے کسی بھیانک موت سے کم نہیں تھا۔میں پرسکون تھا،دل کی خلش دور ہوچکی تھی۔اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی چارپائی پر لیٹتے ہی پرسکون نیند نے اپنی گود میں لے لیا۔نیند کی دیوی نے میری خوب خدمت داری کی تھی۔

وقت کا بے لگام گھوڑا محو سفر رہا۔زندگی میں نشیب و فراز کی جنگ جاری تھی۔کئی عرصہ یوں دبے پاؤں گزر گیا۔ہم سیٹھ صاحب کے گھر کے سامنے والی بلڈنگ تعمیر کرا چکے تھے اور کچھ دور دوسری بلڈنگ کی تعمیر کا آغاز کرنا تھا۔

زندگی کے دن کیسے بھی ہوں گزر جائیں گے
اک دن ہم بھی چپکے سے مر جائیں گے
آج رہتے ہیں تیرے دل میں یاد بن کر

کل آنسو بن کر نکل جائیں گے

ایک شام موسم خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بابا جی اور ماں بہت یاد آ رہے تھے۔ میں ان سے ملنے کی غرض سے ان کے گھر چلا گیا۔ ایمان نے کال کی۔

بابا تمھیں یاد کر رہے ہیں جلدی سے آجاؤ۔

جب میں گھر پہنچا تو ایمان کے علاوہ کوئی بھی گھر میں نہیں تھا۔ ایمان اکیلی گھر میں موجود تھی۔ شاید اسے پھر شرارت سوجھی ہوگی یا وہ میرے ضمیر کو بار بار بغاوت پر اکسا رہی تھی۔ میں سبھی کمروں میں چکر لگا چکا تھا۔ سبھی کمرے خالی پڑے تھے۔ کمرے خالی پا کر میں دوسری منزل کی طرف جانے لگا تو سیڑھیوں کے عین قریب پھر وہی ہرے ہرے نوٹوں کی گڈیاں، لاکٹ، بالیاں اور سونے کے دوسرے زیوارات پڑے میرا منہ چڑا رہے تھے۔ میں غصے سے لال پیلا ہونے لگا۔ میری رنگت تبدیل ہوتی گئی۔ میں اتنا اچھوت ہوں کہ میرے ضمیر، میرے ایمان کو بار بار آزمایا جا رہا ہے۔ میری آنکھیں چھلک پڑی۔

میں پیچھے مڑنے ہی والا تھا کہ بابا ارشد اور ماں جی گیٹ سے نمودار ہوئے۔ میری حالت دیکھتے ہی مجھ سے مخاطب ہوئے۔

کیا ہوا سعید!؟ ایمان نے تمھیں کچھ کہا ہے۔؟ انہوں نے میرے غصے کو بھانپ لیا تھا۔

میری آنکھیں سمندر میں نہانے چلی گئی۔ زبان پر قفل لگ گئے۔ میں نے اشاروں سے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا اور ارشد بابا حیران و ششدر رہ گئے۔ عین اسی لمحے ایمان سیڑھیاں اترتی سامنے آ گئی۔ معاملہ گرم ہو گیا۔

کس نے کی ایسی گھٹیا حرکت؟

ارشد بابا! کیا میں اتنا گھٹیا انسان ہوں؟ کہ مجھے دولت کے ترازو میں تولا جا رہا ہے۔ میری غربت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ میں نے کبھی ایسا سوچا نہیں تھا۔ میں غصے میں نجانے کیا سے کیا کہتا چلا گیا۔ اچھا بابا جی خدا حافظ۔ میں ہمیشہ کے لئے یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں یہاں میرا کوئی بھی نہیں ہے۔؟ جن کو اپنا مانا وہی مجھے ذلیل کر رہے ہیں میرے غریب ہونے کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

نہیں بیٹا! تمھارا یوں چلے جانا ہم پر قیامت بن کر گزرے گا۔ تم جب بھی آتے ہو تو گھر میں ایک بہار سی لوٹ آتی ہے۔ دیواریں خوشبوؤں سے معطر معطر محسوس ہوتی ہیں۔ گھر کی اک اک چیز مسکراتی نظر آتی ہے۔ یوں خوشبوؤں بھرے گھر کو خزاں رسیدہ کھنڈر مت بناؤ۔ میرے ان سفید بالوں کی طرف دیکھو اور تمھیں سفید بالوں کی قسم ہے ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ خدا کے لئے بیٹا! میرا بھرم رکھ لو۔ میں نے تمھیں اپنے بیٹوں سے بڑھ کر چاہا ہے اور اپنے بیٹے کا درجہ دیا ہے۔ دوسرے لمحے ارشد بابا کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

کس نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہے؟ اس سے پہلے سیٹھ جی کچھ کہتے ایمان کا ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔ ایمان آگے بڑھی اور کہنے لگی۔

بابا جانی، یہ حرکت میری تھی۔

ایمان کا یہ کہنا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کی گالوں کو لال کرتے، چھوتا چلا گیا۔

تمھیں شرم نہیں آتی، ایسی حرکت کرتے ہوئے۔ تم نے ایسا سوچا ہی کیسے؟ جانتی ہو سعید کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔؟ تم کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو؟

بابا جانی میں غلطی پر تھی، میں نادان تھی، میں سمجھ نہ پائی، پلیز مجھے معاف کر دیں۔ پلیز پاپا میں سعید کو سمجھ نہ پائی۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح کہیں سعید بھی کاغذی نوٹوں پر مر مٹنے والا تو نہیں۔ انہیں دولت تو عزیز تو نہیں۔ کہیں یہ ہمیں دھوکہ دے کر چلا تو نہیں جائے گا۔ کہیں یہ ہمیں نقصا

ن نہ پہنچائے۔ لیکن میں جان گئی بابا، یہ غریب ضرور ہے مگر ضمیر فروش نہیں۔

دوسرے لمحے ایمان میری طرف مڑی، دونوں ہاتھ میرے سامنے جوڑ دیئے، پلیز سعید مجھے معاف کردو۔

نہیں ایمان۔۔۔ ایسا نہیں کرتے۔ میں کون ہوتا ہوں، تمہیں معاف کرنے والا، آپ نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، جس کی تم سزاوار ٹھہرو، خدا کے لئے اپنے ہاتھ میرے سامنے سے ہٹالو۔

پھر ایمان اپنے پاپا کی طرف مڑی اور کہنے لگی پاپا جان آپ ہی سعید کو کہہ دو مجھے معاف کردیں۔ یہ تو سچے دل کے مالک ہیں۔ اس کے اندر کا انسان بالکل شفاف پانی کی طرح ہے۔ جیسے یہ ظاہری ہیں ویسے ہی اندر سے سچے اور کھرے ہیں۔ ایم سوری پاپا، ایم ویری سوری سعید IAm very sorry Saeed۔

ایمان روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور میں شرمندگی کے آنسو آنکھوں میں لئے باباجی کے سامنے کھڑا تھا۔

معاف کرنا باباجی میری وجہ سے ایمان کو آپ نے تھپڑ ماردیا۔

نہیں بیٹا! وہ غلطی پر تھی، اسے ہیرے کی پہچان نہیں تھی۔ اس کی اصلاح ہوگئی۔ مجھے علم ہے ایمان اچھی ہے برا محسوس نہیں کرے گی۔ ابھی اس کا غصہ اتر جائے گا۔ اس کی کمزوری میرے پاس ہے۔ چلو تم فریش ہوجاؤ، میں ایمان کو ابھی خوش کرتا ہوں۔ ابھی outing پر چلتے ہیں، تھوڑا موڈ ٹھیک ہوجائے گا اور ویسے ایمان کی یہی کمزوری بھی ہے۔

بکھر گیا ہوں فضاؤں میں گل کی طرح
اس آس پہ کہ وہ لوگ مجھے کہیں دکھائی دیں

کچھ دیر بعد ہم سبھی نفرتیں بھلا کر outing پر جانے کو تیار تھے۔ ایمان بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مہندی رنگ کے لباس میں ہلکا سا میک اپ قیامت ڈھا رہا تھا۔ خوبصورت چمکتے چاند کی طرح چہرہ، جیسے ہیرا چمک رہا ہو۔ آج میرے من مندر میں بھی محبت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھی۔ میں اپنا ماضی بھول کر ایمان کے خواب دیکھنے لگا۔ یہ بھی بھول گیا تھا کہ میری بیوی ہے بچے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ ایمان چڑھتی جوانی میں تھی، حسن اس کے انگ انگ سے ٹپکتا تھا۔ اتنی سندر تھی کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا۔ لال رخسار، گلاب جیسے سرخ ہونٹ، نشیلی آنکھیں اور گالوں پر حسن کا پہرے دار سیندر سا لگتا تھا۔ سفید موتیوں جیسے دانت، جب ہنستی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے پرستان سے پریاں زمین پر جلوہ افروز ہوگئی ہوں۔ ہرنی جیسی مستانی چال، خوبصورت جسامت کے ساتھ خوبصورت سیرت کی مالک تھی۔ قدرت کا حسین کرشمہ تھی۔ اس کی قاتل نگاہیں، میرے من مندر کو گھائل کردیتی تھی۔ جادوئی آنکھیں اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھیں۔ گلاب رس بھری پنکھڑیوں کی طرح شرابی ہونٹ، مسکراہٹ سے جب کھلتے تھے تو ہر طرف خوشبو پھیل جاتی تھی۔ قدرت والے نے فرصت کے لمحات میں قیمتی نگینے جڑے تھے۔ میں اسی کے سحر میں ڈوبنے لگا، ایمان میں غرور و تکبر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جب وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی تو میں دل تھامے کھڑا تھا۔ ایسے لگتا تھا ابھی کچھ ہونے والا ہے۔ جانے میرے دل کو کیا ہورہا تھا۔؟ حسن کے دریا میں ڈوب مرنے کو تلا ہوا تھا۔

خیالات کی دنیا سے اس وقت نکلا جب ارشد بابا کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

سعید! کن سوچوں میں گم ہو؟ چلو دیر ہورہی ہے۔ سبھی اپنی سیٹ سنبھال چکے تھے میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے لمحے ہماری گاڑی مختلف سڑکوں پر ورزش کررہی تھی۔ مختلف مکانوں، کوٹھیوں، کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ہماری گاڑی نجانے کہ

منزل کی طرف رواں دواں تھی۔؟ میں بابا ارشد کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور عین میرے پیچھے ایمان بیٹھی محبت بھری اداؤں سے گھور رہی تھی۔ اس کی نظریں میرا طواف کر رہی تھیں۔ مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ہماری گاڑی بہت دور ایک پارک کے سامنے جا رکی۔ پارک میں مختلف رنگ برنگے پھول ہوا میں رقص کر رہے تھے۔ کافی تعداد میں لوگ پارک کے اندر موجود تھے۔ کچھ lover اپنی اپنی باتوں میں محو تھے۔ پارک سے کچھ دور راوی کا دریا گزر رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا، منہ زور پانی، بہت خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔

زندگی میں آج پہلی مرتبہ کسی حسین جگہ پر موجود تھا۔ یا پھر آج نظروں کے سامنے محبوب جو تھا۔ ہر طرف پھولوں کی معطر معطر خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر ہری سبز گھاس ماحول کو چار چاند لگائے ہوئے تھی۔ ہم پارک کے درمیان پڑی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ ایمان بھی میرے سامنے والی چیئر پر براجمان تھی اور بابا ارشد کے سامنے ان کی وائف ایمان کی والدہ بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

کیسا سہانا موسم تھا؟ کیسا حسین سنگم تھا۔ میں بھی غم بھول گیا۔ زندگی میں گزرے گرم جھونکوں کو پشت پردہ ڈال دیا اور خوشی کے ان حسین لمحوں کو ہمیشہ کے لئے قید کرنا چاہتا تھا۔ میرا دل خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا۔ چہرے پر پھیلی مسکراہٹ خون کی گردش کو تیز کر رہی تھی۔ میرے رب نے کیسا حسین سنگم بنایا تھا۔ جو میرے اپنے تھے بہت دور رہ گئے تھے اور اجنبی میرے قریب تھے۔ میں انہیں اپنا سمجھنے لگا تھا، ان کے ساتھ کتنا خوش تھا وہ بھی تو مجھ پر اپنا سب کچھ وار چکے تھے۔ کتنا پیار دیا تھا انہوں نے۔ اپنوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔

طاقت ہی کہاں تھی جہاں کی کہ قید کر لے ہمیں
نہ جانے کیسے جکڑ لیا تیری الفت کی زنجیروں نے

کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ بھی آتے ہیں جو قسمت کی لکیروں میں نہیں ہوتے وہی ہماری زندگی میں خوشیاں بھر دیتے ہیں۔ وہی جینے کا احساس دلاتے ہیں، وہی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا ہنر دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں سوچوں کی نگری آباد کر لیتا ایمان نے کولڈ ڈرنک میری طرف بڑھائی۔ میں اپنی نگری سے واپس پلٹ آیا۔

Thank you ایمان۔

ایمان مسکرا دی اور ہم بھی ہنسی خوشی کولڈ ڈرنک کے مزے لینے لگے۔ کچھ دیر ماحول کو انجوائے کرنے کے بعد ہم ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شاندار وسیع ہوٹل تھا۔ جہاں ہم جا ٹھہرے تھے، میں نے اپنی زندگی میں خواب ہی دیکھے تھے۔ آج حقیقت میں اس شاندار (VIP) ہوٹل میں کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔ بہت سے لذیذ کھانے ٹیبل پر چن دیئے تھے۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ ویسے بھی بھوک سے نڈھال ہونے کو تھے۔ جی بھر کر کھانا کھایا۔ اس دوران محبوب ساتھ ہو محبوب کی میٹھی شرارتیں ہوں تو مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

ایمان والدین سے نظریں چرا کر مجھے تنگ کر رہی تھی۔ کبھی کوئی چیز میری طرف پھینک دیتی تو کبھی پھول میرے حوالے ہو جاتے۔ میں بھی مخمور ہو رہا تھا۔ خوشبوؤں کے حسین سنگم میں خزاں رسیدہ موسم کہیں دور چلا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم شاپنگ سنٹر چلے گئے۔ بابا ارشد نے مجھے بہت سے کپڑے خرید کر دیئے۔ میرے بارہا منع کرنے پر بھی انہوں نے بہت سی شاپنگ کرا دی۔ میں پہلی بار پینٹ شرٹ لے رہا تھا۔ محبوب کی خوشی میری پسند تھی۔ پھر انکار کرنا نامناسب تھا۔ ایمان کی پسند پر تمام کپڑے، سوٹ لیے گئے۔ ایمان نے مجھے خوبصورت واچ لے کر دی۔ جس کے اندر دل بنا ہوا تھا۔ بہت سندر تھی۔ میں نے ایمان کا شکریہ ادا کیا۔

کافی دیر شاپنگ کرتے رہے۔ پھر رات گئے ہم واپس گھر کی طرف لوٹ آئے۔

رات کی سیاہی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ رات کی سیاہی چاند کی چاندنی کو کم کرنے میں مصروف تھی۔ ننھے ننھے ستارے چاند کے گرد رقص کرتے نظر آ رہے تھے۔ شور وغل کو سانپ نے سونگھ لیا تھا۔ ہر طرف پُر سکون ماحول تھا۔ بس سڑکوں پر دور سے آتی گاڑیوں کی لائٹیں بتاتی تھیں کہ ہم دُنیا میں ہیں۔ تھوڑی مسافت کے بعد ہم اپنی منزل پر کھڑے تھے ۔گارڈ نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی گیراج میں جا ٹھہری۔ سبھی تھکاوٹ سے چور چور تھے۔ تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں ستائے، اس دوران چائے کی پارٹی ہوئی اور پھر خوشی خوشی اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے۔ مجھے بھی وہی ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ رات کافی بیت چکی تھی۔ میں نے بھی وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہاں ٹھہرنا مناسب سمجھا۔ میرے لئے جو روم سلیکٹ کیا گیا بہت ہی خوبصورت مختلف تصویروں سے سجا ہوا روم تھا۔ دیواروں پر آویزاں تصویریں دل کو لبھا رہی تھیں۔ میں جاتے ہی بیڈ پر دراز ہو گیا۔ نیند نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ میں اس کی گود میں لوریاں سنتے سنتے پرستان کی سیر کو نکل گیا۔ میری ایمان میرے ہاتھوں میں ہاتھ لیے خراماں خراماں چل رہی تھی۔ ہم محبت کے گیت گا رہے تھے۔ ہر طرف سے پریاں پھولوں کے ہار لیے ہمارے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔ ابھی سیر مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی ۔آنکھ کھلی تو سورج اپنی کرنیں زمین پر بکھیر چکا تھا۔ سامنے ایمان، میری جان کھڑی مسکرا رہی تھی۔

سعید صاحب اٹھ جائیے۔ دیکھو تو سورج چڑھ آیا ہے۔ پرندے سلامی دینے کو بے تاب ہیں۔

میں آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا اور حقیقت میں ایمان میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں مسکرائے بنا رہ نہ سکا۔

آنکھیں بند ہوئی تو محبوب کے ہاتھوں میں ہاتھ تھا۔ آنکھیں کھولی تو محبوب ہاتھوں میں چائے لئے میرا ہی منتظر ہے۔ کتنا خوش قسمت تھا۔ خواب میں محبوب سے ملاقات اور ظاہر میں صبح صبح دیدار۔ دن کا آغاز اچھا ہو تو باقی دن بہتر گزرتا ہے۔

فریش ہونے کے بعد چائے نوش کی اور اجازت طلب کی۔ اس دوران ایمان مجھے لیٹر دے چکی تھی۔ جو ایک گفٹ کی صورت میں تھا۔ جاتے ہوئے ایمان نے یہ تاکید کی تھی۔

سعید اس میں تیرے نام کچھ الفاظ ہیں انہیں اکیلے میں پڑھنا۔

من مندر میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ نجانے اس میں کیا من کے پھول کھلے ہوں گے۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد سبھی سے اجازت طلب ہوا اور کام پر چلا گیا۔ دوپہر تک کام میں مشغول رہا۔ ہاف ٹائم ہوا تو کھانا کھانے کی بجائے محبوب کے دیئے ہوئے لیٹر کی طرف متوجہ ہوئی۔ کھانے کا ہوش نہ رہا۔ میں ساتھ ہی چھوٹے سے پارک میں چلا گیا۔ پارک میں لگے پھولوں کی کیاری کے ساتھ جا بیٹھا اور گفٹ کا سینہ چاک کیا۔ اندر سے خوشبوؤں سے لبریز سجا ہوا لیٹر برآمد ہوا۔ خوشبو کا ایک جھونکا آیا اور ماحول کو معطر کرتا چلا گیا۔ اس کے چند الفاظ یہ تھے۔

دل ہی نہیں ہماری روح بھی بے تاب ہے
تم سے ملنے کو ہماری طبیعت اداس ہے

سلام محبت!

جان سے پیارے، من کے شہزادے، گلستان کی رونق، من مندر کے حکمران، کیسے ہیں آپ؟ میں نے بہت کوشش کی کہ محبت کی اس چنگاری کو جو میرے سینے میں جل اٹھی ہے اپنے اندر ہی دفن کر دوں۔ لیکن ناکام رہی۔ محبت جذبہ ہی ایسا ہے کبھی سولی پر لٹکا دیتا ہے تو کبھی کھنڈرات کو گلستان بنا دیتا ہے۔ کبھی بہاریں برسوں ہوتی ہیں تو کبھی کٹھن دشوار

راستے منتظر ہوتے ہیں۔ کہیں کفن پہنا دیتا ہے تو کہیں سیج سجا دیتا ہے۔ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے، کس سے کس پل کوئی نہیں جانتا۔ جاں سے پیارے، میری زندگی کے مالک، بہت سوچا، بہت پرکھا، دل نادان تیرے ہی گیت گاتا ہے۔ کئی بار ضمیر اور دل کو سمجھانے کی خاطر تمہیں بدنام کرانے کی کوشش کی تم سے نفرت کرنے کی تیاری کی لیکن سبھی ارادے ناکام ہوئے۔ سبھی پلان ریت کی دیوار ثابت ہوئے میں ہار گئی۔ ہاں میں ہار گئی۔ آج کے واقعے نے محبت کے جذبے کو مزید ابھارا ہے۔ تیری چاہت، تیری ایمانداری کے آگے میں ہار گئی ہوں۔ میں جانتی ہوں، میری منزل تم نہیں تھے کیا کروں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ آج تم میرے آنگن میں میٹھی نیند سو رہے ہو اور میں اپنے کمرے میں تمہاری یادوں کے چراغ روشن کیے ہوئے ہوں۔ مجھے اپنا لو۔ مجھے اپنے من میں جگہ دے دو۔ میری محبت کو قبول کر لو۔ ورنہ ہنستی مسکراتی ایمان اداسی کا مجسمہ بن جائے گی۔ یہ مسکراتی زندگی بے رونق ہو جائے گی۔ پھولوں کی جگہ صحرا، ریت کے ریگستان اور کانٹوں کا بسیرا ہو جائے گا۔ پلیز مجھے بکھرنے سے بچا لو۔ مجھے بکھرنے نہ دینا ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ I LOVE YOU

میری جان۔ سعید میں تمہارے آگے اپنی چاہت، اپنی محبت کی خیرات مانگتی ہوں۔ دیکھو مجھے خالی دامن نہ لوٹانا۔ میں ساری عمر تیری خدمت کروں گی۔ آپ نے نجانے کونسا جادو کر دیا ہے۔ میں تمہارے سحر میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں۔ مجھے اپنے سحر میں قید کر لو۔ مجھے کبھی نہ ٹھکرانا۔ میری محبت کا جواب ضرور دینا اور ہاں میری محبت قبول ہو تو گلاب کا ایک پھول یا چیز کے لئے لیتے آنا اور جو بیسٹ شوٹ تمہیں دی تھی ضرور پہن کر آنا۔ میرے لیے صرف میرے لیے۔ تمہیں بہت اچھی لگے گی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ جب صبح تم چلے جاؤ گے میرا اک پل اذیت سے گزرے گا۔ میں تمہیں اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب تک تمہاری محبت نہ پالوں مجھے چین نہیں آئے گا۔

ہم جان سے جائیں گے جبھی بات بنے گی
تم سے تو کوئی راہ نکالی نہیں جاتی

اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے، سدا خوش خوشبوؤں کے نشیمن میں رہو آمین ثم آمین

والسلام! آپ کی اپنی، ایمان سعید!

خط کیا تھا میرے ہی دل کی ڈھڑکن تھی۔ میں بھی تو دن رات ایمان کے لیے تڑپنے لگا تھا۔ دن رات اسی کے سپنے دیکھتا تھا۔ لیکن دل کے کسی کونے سے ابھی بھی آواز آ رہی تھی۔

سعید! تم راستہ بھول رہے ہو۔ تم بھٹک رہے ہو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ تمہاری کوئی راہ دیکھ رہا ہے کوئی تمہارا منتظر ہے۔ میں دو کشتیوں کا مسافر بن چکا تھا۔ کس کو ساتھ لے کر چلوں، سوچوں کی یلغار میں وقت گزر گیا نظریں ہاتھوں کا طواف کرتی کلائی پر بندھی گھڑی پر پڑی تو احساس ہوا کہ ہاف ٹائم ختم ہو چکا ہے۔ جلدی سے لیٹر فولڈ کیا، چوما اور پاکٹ میں ڈال لیا۔ پھر کام پر چلا گیا۔ اس دوران میں حتمی فیصلہ کر چکا تھا کہ میں ایمان کا ساتھ دوں گا۔ اس کے ساتھ جینے مرنے کا، اس کے سنگم میں رہنے کا، اس کے ساتھ عہد و پیمان نبھانے کا، اس کو جیون ساتھی بنانے کا۔ میرے انکار پر ایمان اپنی جان پر کھیل سکتی تھی۔ میں ایسا ہرگز نہیں چاہوں گا۔ لوگ دو، دو تین تین شادیاں کر لیتے ہیں۔ اسلام بھی چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے اگر سبھی کے حقوق پورے کیے جائے۔ میں بھی دونوں کو برابر حق دوں گا۔ دل اور دماغ سوچوں کی یلغار سے نکل آیا اور میں پرسکون ہو کر چھٹی کا انتظار کرنے لگا۔

وقت کے پر نہیں ہوتے، کبھی صدیوں کی مسافت لمحوں میں طے ہو جاتی ہے تو کبھی لمحوں کے

نے صدیوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ایمان کی یادوں میں،ایمان کے خیالوں میں وقت پر لگا کر گزر گیا اور چھٹی کا وقت آن پہنچا۔میں نے کام والی وردی تبدیل کی اور ایمان کی دی ہوئی پینٹ شرٹ زیب تن کی۔اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آئینہ بھی میرے حسن سے حسد کرنے لگا ہو۔چند لمحے خود سے باتیں کرنے کے بعد مارکیٹ کی طرف نکل گیا۔وہاں سے گلاب کے سرخ پھول خرید ے ساتھ پرفیوم اور چند چیزیں لے لی۔میرے حقیر سے تحفے ایمان کے لیے کچھ بھی نہیں تھے۔لیکن محبت کب امیری،غریبی کو دیکھتی ہے۔مجھے یقین تھا ایمان میرے تحفے قبول کر لے گی۔بھگڑے ڈالتا،بھی چیزیں خوبصورت انداز میں پیک کرائی اور محبت کے مسکن کی طرف چل پڑا۔جہاں ایمان میری راہیں دیکھ رہی تھی۔میری محبت کی منتظر تھی۔میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

سورج اپنی تمام تر کرنیں سمیٹ کر کب کا روپوش ہو گیا تھا۔اندھیرا چھانے کو تھا۔ہر طرف برقی روشنیاں پھیلنے لگی تھیں۔میں محبتوں کے حسین تاج محل تعمیر کرتا ایمان کے محل جا ٹھہرا۔ابھی گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ ایمان کو منتظر پایا۔جیسے شدت سے میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔بے چینی،بے قراری اس کے انگ انگ سے نظر آتی تھی۔جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے۔اسی طرح میرے لیے تڑپ رہی تھی۔اسے یقین تھا کہ میں آؤں گا۔جیسے ہی میں گیٹ سے اندر داخل ہوا ایمان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔مسکراہٹ سے اس نے سلامی پیش کی،ہاتھوں میں گلاب دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ سعید نے میری محبت کو قبول کر لیا ہے۔میں بھی اس کی خواہش کے مطابق پینٹ شرٹ پہن کر گیا تھا۔ایمان مسکراہٹ کے پھول بکھیرے بنا رہ نہ سکی۔اس کی خوشی دیکھنے والی تھی۔میں نے جذبات کو قابو میں رکھا ہوا تھا ورنہ ایمان دوڑ کر میرے گلے لگ جاتی،وقت اور حالات کی نزاکت تھی ایمان دوڑ کر میرے قریب آکر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔میں نے مسکراتے ہوئے پھولوں کا گلدستہ آگے بڑھا دیا۔

ایمان نے بخوشی قبول کر لیا THANK YOU SAEED اور دھیرے سے کہہ گئی I LOVE YOU SAEED. میں اس کی کوئل سی آواز سن کر دیوانہ ہو رہا تھا۔

میں نے ایمان سے کہا ابھی حال یہی کھڑے کھڑے بیان ہونے ہیں یا۔۔۔؟ کہیں بیٹھنے کا موقع ملے گا۔میں نے شرارت سے کہا

OH SORRY آؤ میری جان روم میں چلتے ہیں۔ایمان یہی کہتے سیڑھیاں چڑھنے لگی اور میں بھی اس کے ساتھ روم میں چلا گیا۔

بابا ارشد اپنے کمرے میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ایمان کے ساتھ چند لمحے بتانے کے بعد میں بابا ارشد کے پاس چلا گیا۔میں نے سلام کیا اور وہی بیٹھ گیا۔بابا ارشد خوب داد دے رہے تھے میرا بیٹا آج بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔کچھ دیر یونہی گپ شپ ہوتی رہی اس دوران ایمان بھی ہمارے درمیان آکر بیٹھ گئی۔

ہر سانس میں تو جیسے پھول میں خوشبو ہے
زندگی کا مقصد تجھے پانے کی جستجو ہے

محبت کے حسین پل کہاں قید ہوتے ہیں؟ سو وہ لمحے بھی گزر گئے۔محفل برخاست ہوئی تو ایمان مجھے بہانے سے اپنے روم میں لے گئی۔میں بھی خراماں خراماں اس کے پیچھے چلتا گیا۔ہم روم میں بیٹھے دل و جان سے پیار و محبت کے گیت گاتے رہے۔وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔بہت سے عہد و پیماں کے بند باندھنے کے بعد ساتھ جینے مرنے کے وعدے کیے۔ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا۔انہی باتوں کے ساتھ ہی میں نے ایمان سے اجازت لی اور نہ چاہتے

ہوئے بھی اپنی آرام گاہ پر آ گیا۔
اپنے روم میں بستر پر لیٹ گیا لیکن نیند روٹھی ہوئی تھی۔ محبوب کی یادیں، اس کی اداؤں نے تنگ کیا ہوا تھا۔ اس سے تو بہتر تھا محبوب کی زلفوں کی چھاؤں میں رہتا۔ کم از کم سکون تو میسر آتا۔
کبھی کبھی زندگی بہت تڑپاتی ہے۔ محبوب سے ملنے کی تڑپ ہو یا محبوب کی یادیں بہت اذیت کے لمحات ہوتے ہیں۔ خیر نیند سے آنکھ مچولی کرتے کرتے رات بسر ہوگئی۔ میں فریش ہو کر کام پر چلا گیا۔ آنکھیں خون برس رہی تھی اور برستی بھی کیوں ناں؟ محبوب کی یادوں سے آنکھ مچولی جو ہوتی رہی تھی۔ ہاف ٹائم تک کام کیا اور پھر طبیعت ناز ساز کی وجہ سے چھٹی کر کے ایمان کے پاس چلا گیا۔ لال سرخ آنکھیں دیکھ کر ایمان تڑپ اٹھی تھی۔
سعید! میری جان کیا ہوا؟
ایمان میری زندگی ساری رات آپ کی یاد نے سونے نہیں دیا۔ دیکھو تمھاری حالت بھی تو کچھ ایسی ہے۔
ہاں یار میں بھی سو نہیں سکی رات بھر تیری باتیں، تیرا چہرہ آنکھوں میں سجا رہا۔ تیرے خیال پردہ اسکرین پر فلم کی طرح گردش کرتے رہے۔ کیا کروں؟ اب تیرے بن اک پل بھی نہیں گزرتا۔ یہ محبت بھی عجیب چیز ہے، دل و جان کا قرار تک چھین لیتی ہے۔ صرف محبوب کا قرب مانگتی ہے اسے زمانے کی بے رحمی، ظلم سے کوئی ڈر نہیں ہوتا۔
اسی طرح وقت سمندری گھوڑے کی طرح محو سفر رہا۔ ہماری محبت پروان چڑھتی رہی۔ ہمیں کوئی فکر بھی نہیں تھی۔ کوئی دیوار درمیان میں حائل نہیں تھی۔ کوئی خاص رکاوٹ بھی نہیں تھا۔ جینے مرنے کے عہد و پیمان ہوتے رہے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔
خود پیاس کا صحرا ہوں مگر دل کی یہ ضد ہے
برداشت پر ساون کی طرح ٹوٹ کر برسوں
میرا کام ادھر ختم ہو گیا تھا اور بڑی بات یہ کہ عرصہ ہو گیا تھا گھر گئے ہوئے۔ بچوں کی یاد کیا آئی میرے گھر جانے کی تمنا بیدار ہوگئی۔ ایمان کئی بار کہہ چکی تھی، چھوڑ دو مزدوری، ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ ہماری سات نسلیں بیٹھ کر کھا سکتی ہیں۔ لیکن میں نے کہہ دیا تھا میری جان میری زندگی، میری ایمان میں اپنی کمائی سے اپنا مقام بنانا چاہتا ہوں۔ مجھے مجبور مت کرو۔ ایمان میری ضد کے آگے ہار مان گئی۔
میں نے ایک شام ایمان سے واپس گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ایمان تڑپ اٹھی۔
نہیں سعید تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔
نہیں جانو! چند دنوں کی تو بات ہے، بہت جلد میں لوٹ آؤں گا اور تمھیں ہمیشہ کے لیے اپنا لوں گا۔
سچ سعید! ایمان خوشی سے پاگل ہو رہی تھی اور میں مسکراہٹ کے پھول بکھرے بنا رہ نہ سکا سعید تمھیں بھی وعدے قسمیں یاد تو ہیں ناں؟
ہاں میری ایمان لیکن تم نے بھی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری غلامی کروں گی۔ تمھاری ہر بات مانوں گی۔ تمھارے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کروں گی۔
ہاں سعید میری جان مجھے سب یاد ہے۔
میں گھر جانے کی تیاری کرنے لگا ادھر ایمان نے اپنی امی کو کہہ دیا کہ امی جان میں نے سعید سے شادی کرنی ہے۔ ورنہ کسی سے بھی نہیں۔ ایمان کے گھر والوں کو میرے بھی حالات معلوم تھے۔ بابا ارشد کو بتا چکا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ ایمان کو خبر ہوئی تو خفا ہونے لگی لیکن دوسرے لمحے کہنے لگی
سعید تم نے مجھ سے چھپایا کوئی بات نہیں۔ میں محبت میں بہت آگے جا چکی ہوں یہاں سے واپسی نہیں ہے۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ میں صرف اور صرف تیری ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض

نہیں کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو تمہارے بچے ہیں ۔تمہاری بیوی ہے۔میں تو تمام عمر تمہاری خدمت کروں گی۔تم جس حال میں رکھو گے، میں رہ لوں گی ۔مجھے صرف تیرا ساتھ چاہیے، تیرا پیار چاہیے دنیا چاہے جتنے ستم کرے۔سہہ لوں گی تم مجھے کبھی چھوڑ کے نہ جانا ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ایمان رو پڑی تھی۔

میں نے بھی ایمان سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی حقیقت کا بول بھاری ہوتا ہے۔ایمان کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔انھیں ایمان کی خوشی عزیز تھی۔ بابا ارشد کہتے تھے کہ ایمان خوش ہے تو ہم بھی خوش ہیں ۔یہی تو ہماری زندگی ہے۔بابا ارشد کی صرف ایک شرط تھی۔کہ تم اپنے والدین کو راضی کر کے لے آؤ۔ ہم اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہیں تھما دیں گے۔اس کی خوشی ہی ہماری خوشی ہے۔ویسے بھی ہم زندگی گزار چکے ہیں ۔اب اس کی زندگی کی فکر ہے۔تم سے اچھا سائبان اور کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے بس ہماری بیٹی خوش رہے۔میں ان سے وعدہ کر کے گھر کو روانہ ہو گیا۔

ایمان میرا انتظار کرنا۔میں بہت جلد اپنے والدین کو لے کر آؤں گا۔میری ایمان میرے گلشن میں ہو گی ۔منزل میرے قدم چوم رہی تھی۔کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی۔میں منزل کو قریب سے دیکھ رہا تھا۔بڑا خوش قسمت تھا۔جلد ہی مجھے منزل ملنے والی تھی۔میں گھر کو روانہ ہو گیا۔رب رحمان تھا، کتنا خوش قسمت تھا کہ مجھے میرا پیار مل رہا تھا۔قسمت والا ہی ہوتا وہ شخص جیسے سچا پیار مل جاتا ہے۔

لمبا سفر ایمان کی یادوں میں کب گزرا۔پتہ بھی نہیں چلا۔ایمان نے بہت سی شاپنگ کرائی تھی۔ میرے بچے میرے ہاتھوں میں کھلونے دیکھ کر خوش ہوں گے۔ایمان نے بچوں کے لیے بہت سے تحائف لے کر دیئے تھے۔

گھر پہنچا تو سبھی میرے اردگرد جمع ہو گئے۔سبھی خوش ہو رہے تھے۔میرے بچے میری گود میں آ گئے تھے۔اب تو کافی سمجھدار ہو گئے تھے۔میری بیوی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔سبھی نے کام کاج کے بارے میں دریافت کیا اور اتنے تحائف دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اچھی روزی ملی ہوئی ہے۔اب کس کو علم تھا کہ میں کیا کرتا رہا ہوں؟ میرے اندر توڑ پھوڑ کا سلسلہ کس کو نظر آتا تھا؟ میں کس نگری کا مہمان بن کر آیا ہوں، میری بیوی کو میرے اندر کے چور کا کہاں معلوم تھا؟ میری بیوی کو کہاں خبر تھی کہ اس آنگن میں اس کی سوتن آنے والی ہے۔چند دن ملنے ملانے میں گزر گئے۔

تڑپ یہ عشق کی بھی دل سے نہیں جاتی
کہ جان دے کر بھی دیوانگی نہیں جاتی

گھر آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ایک روز دوپہر کو موبائل شور مچانے لگا۔یقیناً ایمان ہو گی ۔ جب میں گھر آنے لگا تھا تو ایمان نے مجھے نئی سم اور نیا موبائل لے کر دیا تھا۔کال بھی ایمان ہی کی تھی۔کال اوکے کی، ایمان کی سریلی آواز نے میری سماعتوں میں رس گھول دیا۔کافی دیر باتیں ہوتی رہی ۔ گلے شکوے ہوئے۔

ایمان کہنے لگی۔سعید تم گھر جا کر مجھے بھول ہی گئے ہو۔یاد ہی نہیں کیا۔

نہیں ایمان ایسی بات نہیں ہے۔یاد تو اسے کیا جاتا ہے جس کو ہم بھول گئے ہوں۔تم تو میری روح میں سمائی ہو۔تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ذرا یہاں کے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔Sorry تمہیں کال نہیں کر سکا۔ایمان کے گھریلو حالات دریافت کیے، پوچھنے لگی۔

سعید! کب آ رہے ہو؟ تمہارے بغیر گھر سونا سونا سا لگتا ہے۔تنہائی ڈستی ہے۔تم جلد والدین کو لے کر آؤ ناں۔

ہاں جانو بہت جلد لے کر آؤں گا۔ میں نے اسے تسلی دی۔

سعید! جلدی کرو، مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔

اچھا تم پریشان نہ ہو میں بہت جلد تمہیں خوشخبری دوں گا۔ بس تھوڑا صبر اور کرلو۔ جہاں اتنے دن صبر کر لیا وہی چند دن اور سہی۔ میری خاطر ایمان۔ میں نے ایمان کو تسلی دیتے ہوئے ریکوسٹ کی۔

اچھا جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔ ایمان نے کہا اور فون بند ہو گیا۔

اسی شام کو میں نے تمام ہمت یکجا کر کے اپنے دوست عارف سے بات کی۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عارف ناراض ہونے لگا۔

سعید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہاری بیوی ہے، دو بچے ہیں تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ چند دنوں کی محبت نے تمہیں پاگل کر دیا ہے۔ اس کا کیا ہو گا جو تمہاری زندگی کی ساتھی ہے۔ اس کے بارے میں سوچو۔ تمہارے دماغ پر محبت کا وقتی بھوت سوار ہو گیا ہے۔ جلدی اتر جائے گا۔ عارف نے لاکھ سمجھایا مگر میں اپنی ضد پر قائم رہا۔ جب یہ خبر میری بیوی تک پہنچی تو اس نے رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا تھا۔

ایک شام قدموں میں گر گئی۔ سعید میں نے تمہیں دل و جان سے چاہا ہے۔ تمہاری خدمت کی، تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھ میں کیا کمی ہے جو تم راستے بدل رہے ہو۔ مجھے اتنی بڑی سزا نہ دو، جسے میں برداشت ہی نہ کرسکوں، میاں بیوی کا رشتہ مقدس ہوتا ہے۔ تم اس رشتے کی لاج رکھ لو۔ ہمارے بچے ہیں، رب تعالیٰ نے ہمارے آنگن میں پھول کھلا دیئے ہیں ان کو یوں مرجھاتا چاہتے ہو۔ جب ہماری محبت بٹ جائے گی ان کا مستقبل برباد ہو جائے گا۔ میرے ساتھ ان بچوں کو تو سزا نہ دو۔

میری بیوی نجانے کیا کچھ کہتی رہی میں کیا جواب دیتا؟ چپ چاپ سنتا رہا۔ نصیبوں جلی نے بچوں کا واسطہ دیا اور اپنا فیصلہ بھی سنا دیا۔

سعید! میرے سرتاج، میری بات غور سے سن لو اگر تم دوسری شادی کرنا ہی چاہتے ہو تو شوق سے کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ لیکن میری بات یاد رکھنا جس دن تم اسے لے آؤ گے اسی دن ایک نہیں تین جنازے ایک ساتھ اٹھیں گے۔ میں اپنے ساتھ ساتھ تمہارے بچوں کو بھی ختم کردوں گی۔ میرے جیتے جی تم شادی نہیں کر سکتے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ لوگوں کے طنزیہ تیر میرا کلیجہ چھلنی چھلنی کر دیں گے۔ گھٹ گھٹ کر مرنے سے بہتر ہے موت کو گلے لگا لوں۔

غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تو نے مجھ کو کھو دیا میں نے تجھے کھویا نہیں
جانتا ہوں ایک شخص کو میں بھی (مجید)
غم سے پتھر ہو گیا لیکن رویا نہیں

اپنی بیوی کا یہ روپ دیکھ کر میں تڑپ اٹھا۔ میری روح تک گھائل ہو گئی۔ بیوی کی باتوں نے ایسا اثر کیا کہ میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ میں نے بھیگی آنکھوں سے بے وفائی کا فیصلہ کر لیا۔ جن وعدے تمہیں، ساتھ جینے مرنے کے وعدے توڑنے کا ارادہ کر لیا۔ میں نے بے وفائی کا داغ اپنے سر لے لیا۔ اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا۔ ایمان کی چاہت کو، ایمان کی محبت کو بھلا دیا۔

اس دنیا میں صرف لڑکیاں ہی مجبور نہیں ہوتی لڑکے بھی مجبوریوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ کوئی بے وفا نہیں ہوتا۔ وقت اور حالات انسان کو بے وفا بنا دیتے ہیں۔ کوئی چاہ کر اپنے محبوب سے ناطہ نہیں توڑتا۔ ہاں میں سچ کہتا ہوں دنیا میں کوئی بھی بے وفا نہیں ہوتا۔ کوئی دولت کے لالچ میں آ کر خلوص کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ حقیقی محبت کو ٹھکرا دیتا ہے تو کوئی مجبور ہوتا۔ کسی کے درمیان غربت، امیری کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔ کسی کو سماج ملنے نہیں دیتا۔ کوئی کسی

کو الزام نہ دیں۔ لڑکیاں بے وفائی برداشت نہیں کر پاتی اور لڑکے سینے میں غم پال کر دنیا سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔

بڑے کرب ناک ہوتے ہیں ایسے لمحات جب زندگی غموں کے حوالے ہوتی ہے۔ جب انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ جو چاہتا ہے وہ ہوتا نہیں جو نہیں کرنا چاہتا وہ اس سے کروایا جاتا ہے۔ میں بھی رسموں کی زنجیروں کے حوالے ہو گیا۔ مجبوریوں نے مجھے جکڑ لیا اور میں وفا کا دعوے دار ہو کر بے وفائی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

گھر میں کئی دن سے جاری جنگ سرد ہو گئی۔ میں نے بیوی کے آنسو صاف کر لیے اسے سینے سے لگایا۔ یقین دلایا کہ میں تیرا ہوں، تیرا ہی رہوں گا، میں بھٹک گیا تھا اب کبھی بھی تجھے اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔

اسے ساری داستان گوش گوار کر دی تھی، ریکوسٹ بھی کی تھی کہ کہو تو ایمان کو اپنا لوں، تمہیں بھی پورے حقوق دوں گا، لیکن میری بیوی نے انکار کر دیا۔ میں نے موبائل آف کر دیا۔

تین ماہ کا عرصہ کرب ناک لمحات میں گزر گیا۔ کئی دنوں کے بعد میں اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ رانی میری بیوی میکے گئی ہوئی تھی۔ میں نے موبائل کو اٹھا کر چوما اور پھر سنبھال کر رکھ دیا۔ میرے دل میں ایمان کی محبت ٹھاٹھیں مارتی تھی۔

وقت خو برواز رہا۔ پھر ایک قیامت آئی اور مجھے تباہ کر گئی۔ میرا نشیمن، میرا گلشن اجڑ گیا۔ پھولوں سے مہکنے والا گھر ویران کھنڈر بن گیا۔ کسی کی بددعا لگ گئی تھی یا پھر قسمت مجھے بے وفائی کی سزا دے رہی تھی۔

برسات کا سیزن تھا۔ اس بار ٹوٹ کر بارشیں ہوئی اور ازلی دشمن بھارت نے خلاف ورزی کرتے ہوئے ہمارے دریاؤں میں پانی چھوڑ دیا۔ ہمارے سینکڑوں دیہات ڈوب گئے۔ جانور بہہ گئے، غلہ اناج سب بہہ گیا۔ حتیٰ کہ قیمتی جانیں بھی اس منہ زور پانی کی نذر ہو گئی۔ ہم سنبھل بھی نہیں پائے تھے، اچانک سیلاب آیا تھا اور پھر۔۔۔۔۔۔ پھر سب مٹی میں مل گیا۔ میرا گھر، میرے بچے، میری رانی، جان سے زیادہ پیار کرنے والی بیوی اس پانی کی نذر ہو گئے۔ میں بھوکے شیر کی طرح اپنے گلشن کے پھولوں کو بچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن قسمت کھیل کھیل چکی تھی۔ پہلے بیوی بہہ گئی، پھر بچے، کسی کو بچا نہ سکا۔ میں پانی کے آگے ہار گیا، سیلاب جیت گیا۔ گھر گر کر تنکا تنکا ہو گیا۔ صبح کا سورج اپنی کرنیں روئے زمین پر پھیلانے لگا تھا جب پاک آرمی کا جہاز ادھر گشت کرتا آن نکلا۔ پانی کے بہاؤ نے مجھے ایک ٹیلے پر پھینک دیا تھا۔ پانی کی طغیانی اتنی تھی کہ کوئی چیز اس کے آگے ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ میں نے جہاز والوں کو مدد کے لئے اشارہ دیا۔ جہاز والے مجھے بچانے کیلئے کوشش کر رہے تھے کہ عین اسی لمحے ٹیلے کے درخت سے ایک حصہ ٹوٹ کر میری ٹانگوں پر آن گرا۔ میری چیخیں آسمان تک پھیل گئی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہ رہا۔ ہاں میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو ہسپتال میں پایا۔ میرے جسم کا نچلا حصہ غائب تھا۔ ہاں میری ٹانگیں کٹ گئی تھیں۔ میں کسی سے پوچھ بھی نہیں پایا تھا۔ میری تیمارداری کے لئے عارف موجود تھا۔ جب میری نظریں اس کی طرف اٹھی تو آنسوؤں کا سیلاب تھا۔ نہ میں پوچھ سکا نہ عارف میں ہمت تھی۔ اپنے پیروں پر چلنے والا سہارے کا محتاج تھا۔ اجڑ گیا تھا، نہ بیوی رہی نہ بچے، نہ گھر نہ سائبان۔ کھلا آسمان اور یہ فریادی تھا۔

وقت کا کام ہے گزرنا، چاہے کسی پر قیامت ٹوٹے، یا کسی کا گلشن اجڑ جائے یہ بے رحم گزرتا رہتا ہے۔ سو وقت گزر گیا، سیلاب قہر ڈھا کر چلا گیا تھا۔ بارشیں تھم گئی تھیں، زندگی معمول پر آ گئی تھی۔ کوئی یتیم

ہو گیا تھا، کوئی بیوہ ہو گئی تھی۔ کوئی اپنا گھر بار لوٹا کر ہارے ہوئے جواری کی طرح نئے سرے سے زندگی کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے منصوعی ٹانگیں لگا دی تھیں۔ میں چل پھر سکتا تھا۔۔۔ کسی انجانے کو محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سعید جن ٹانگوں پر چل رہا ہے اس کی نہیں ہیں۔ بس میں ہی تھا غموں کا زہر پیئے جا رہا تھا۔ عارف مجھے میرے ویران گھر لے آیا تھا۔ جو مجھے زہر لگتا تھا۔ میں بچی ہوئی چیزوں میں اپنوں کو تلاش کرتا رہا۔ اپنے تو نہ ملے اپنوں سے واسطہ چیزیں ملتی رہی۔ مجھے میرے پیار کی نشانی ملی۔ ہاں ایمان نے جو موبائل دیا تھا، وہ آج بھی صندوق میں پڑا تھا۔ نجانے وہ صندوق کیسے بچ گیا تھا۔ کمرے کا شہتیر ٹوٹا ہوا اس صندوق کے اوپر تھا۔ جسے پانی نے چھوا تو ضرور مگر بہا کر نہ لے گیا۔ جب صندوق کھولا تو بچوں کے کپڑوں کے ساتھ ساتھ موبائل بھی مل گیا۔ موبائل چل نہ سکا البتہ سم چل پڑی۔

میں نے کئی دنوں بعد نہ چاہتے ہوئے بھی موبائل خریدا اور وہ سم اس میں ڈال کر اون کر لیا۔ اسی جگہ کچی اینٹوں سے مکان بھی بن گیا اور میں اس میں رہائش پذیر ہو گیا۔ عارف برابر میرا ساتھ دے رہا تھا۔ مجھے ایک جگہ کام بھی دلوا دیا، چوکیداری کرتا تھا۔ دن بھر ڈیوٹی کرتا شام کو اسی اجڑے نشیمن میں آ جاتا۔ اتوار کے دن چھٹی تھی۔ میں گھر تھا، کھانا عارف دے گیا تھا، جی کو بہلانے کے لیے میں نے ایمان کی دی ہوئی سم موبائل میں ڈال کر گھنٹوں تکتا رہا۔ دل میں اک کسک دی، ایک آواز آتی تھی، ایک کشش تھی۔ جو میں اس سم کو بار بار دیکھتا تھا۔ دن بھر سم اون رہی۔ شام ہونے والی تھی کہ موبائل نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اسکرین پر نمبر انجان تھا۔ میں نے او کے کر کے سماعتوں سے لگایا۔ ایک نسوانی آواز، میرے کانوں میں گونجی۔ وہ کوئی اور نہیں میری ایمان تھی۔

ہیلو، سعید، ہیلو سعید! ادھر سے مسلسل آوازیں آ رہی تھیں اور میری آنکھوں سے نمکین پانی کا سیلاب امڈ آیا۔ میں رونے لگا۔ ایمان تڑپ اٹھی۔

کیا بات ہے سعید؟

ایمان میں بے وفا ہوں، میں نے تمہارے ساتھ دھوکہ کیا تھا، رب تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی سزا دے دی۔ ایم سوری ایمان، ایم سوری، ایمان مجھے معاف کر دینا۔

سعید ہوا کیا ہے؟ مجھے بتاؤ اور اتنا عرصہ موبائل کیوں بند کیا ہوا تھا؟

ایمان ایک قیامت آئی اور میں برباد ہو گیا۔ ایمان میں تمہارے قابل نہیں رہا۔ میں روتے روتے بتا رہا تھا اور ایمان پوچھتی رہی۔

سعید کیا ہوا۔ ؟ تم بتاتے کیوں نہیں؟ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ ؟ تم تو والدین کو لے کر آنے والے تھے لیکن تم۔۔۔؟ ایمان بھی رو دی۔

ہاں ایمان، مگر۔۔۔

مگر کیا؟ ایمان اصرار کر رہی تھی۔ پھر نا چاہتے ہوئے بھی میں نے اپنے اوپر گزرنے والی قیامت کی داستان ایمان کے گوش گزار کر دی۔

نہیں سعید ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنا ایڈریس دو میں ابھی تمہارے پاس آتی ہوں۔ تم ہو کہاں، مجھے بتاؤ۔

نہیں ایمان۔۔۔ مجھے بھول جاؤ اور کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر شادی کر لینا۔ تمہیں میری قسم۔۔۔ ایمان آنے کی ضد کر رہی تھی اور میں اسے شادی کا مشورہ دے رہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک معذور شخص کے ساتھ وہ زندگی گزارے۔ ابھی تک ایمان میرا انتظار ہی کر رہی تھی۔ اس لیے میں نے کہا تھا۔

ایمان رونے لگی۔۔۔ اس کے رونے کی آوازیں میں سن رہا تھا۔ ایمان سسک سسک کر رو رہی تھی اور میں۔۔۔ میں اسے تسلیاں دے رہا تھا، میری قسم اپنے

آپ کو سنبھالو۔ میں معذور انسان آخر کب تک تمہارا ساتھ نبھاؤں گا۔ تمہاری زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا۔ دیکھو لمبی زندگی پڑی ہے۔ تمہیں مجھ سے بھی اچھا ساتھی مل جائے گا۔ میرے پیار کی خاطر تم شادی کرلو۔۔۔۔

محبت ملن کا نام نہیں ہے۔۔۔ بچھڑنے کا نام بھی محبت ہے۔ ضروری تو نہیں جنھیں ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں مل جائیں بس جو لمحے ایک ساتھ گزرے ہیں انہیں یاد کر کے زندگی گزار لینا۔ یادوں کے سہارے، انہی حسین لمحوں کو یاد کر کے۔۔ تیری محبت، میرے من میں آج بھی زندہ ہے اور جب تک سانس ہیں رہے گی۔ ایمان کی سسکیاں بڑھ گئی تھیں۔

انہی الفاظ کے ساتھ میں نے موبائل آف کر دیا اور سم بھی توڑ دی۔ اب ایمان پر کیا گزری گی، کیا گزری ہوگی میں نہیں جانتا۔

وقت کی کشتی دکھوں کے سمندر میں محو سفر رہی۔ زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے۔ وقت اور حالات کے تھپیڑے میری زندگی کو لہولہان کرتے رہے۔ میں اپنی بیوی بچے کھو چکا تھا اور اپنی محبت بھی قربان کر چکا تھا۔ اپنے اوپر ظلم کرتا رہا، وقت کا گھوڑا اپنی مستی میں دوڑتا رہا اور اسی طرح دس سال کا کرب ناک، اذیت ناک عرصہ گزر گیا۔

ایمان کی محبت دل کے کسی کونے میں آج بھی زندہ تھی۔ اس کی باتیں، اس کی مسکراہٹ، وقت بے وقت مجھے تڑپاتی تھیں۔ اب تو اس کی تصویر دھندلاتی جارہی تھی۔ میں اپنا علاقہ چھوڑ کر اسلام آباد جا بسا تھا۔ میرا دوست عارف بھی ساتھ تھا۔ اب تو سر پر چاندنی چمکنے لگی تھی، کالے بال سفید ہو رہے تھے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے اچانک عارف کو کہا۔

چلو یار لاہور چلتے ہیں۔ داتا دربار پر حاضری دیتے ہیں۔ میرے دل میں تمنا جاگی۔ قدم بے اختیار محبوب کی طرف اٹھنے لگے۔ ایسا لگتا تھا کوئی مجھے کھینچے جا رہا ہے۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد لاہور جا پہنچے۔ صبح کی نماز، داتا دربار ادا کی، شکرانے کے نفل ادا کیے، فاتحہ خوانی کی اور وہاں سے نکل پڑے۔ سورج کی کرنیں ہر سوں بکھیر نے لگی تھیں۔ ہم وہاں سے مینار پاکستان آگئے۔ دوپہر کے لیے فروٹ لیے تھے وہ ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے بیٹھ کر نوش کیے اور بادشاہی مسجد چلے گئے، علامہ محمد اقبال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی اور پھر مینار پاکستان کے دوسرے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تا کہ کچھ دیر ستالیں۔

آنے دور جانے والے ذرا سوچ کر جانا، اس شہر
میں وہ شخص بھی بستا ہے جو
تیری صورت دیکھے بغیر اٹھا بھی نہیں کرتا

سعید!۔۔۔ سعید کہاں گم ہو گئے ہو؟ ایمان کی ترنم بھری شریں آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ میری آنکھوں کی گہری سے موٹے موٹے موتی نکلتے ہوئے رخساروں کو چومتے ہوئے زمین بوس ہو گئے۔ محبت کے پل پردہ اسکرین پر فلم کی طرح چل رہے تھے۔ میں ماضی سے نکل کر حال میں آ گیا تھا۔

ایمان میں تمہاری عدالت میں مجرم ہوں مجھے معاف کردو۔

ایمان میرے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

سعید! چھوڑو، جو گزر گیا، سو گزر گیا۔ قسمت میں ہمارا ملن نہیں تھا۔ تقدیر کے فیصلے نرالے ہوتے ہیں۔ جو گزر گیا اسے بھول جاؤ۔ بس قسمت کا لکھا سمجھ کر سب بھول جاؤں۔

ہم باتیں کر رہے تھے عارف بھی ہمارے پاس آ چکا تھا۔ میں نے ایمان سے تعارف کروایا۔ عارف بھی حیران و ششدر تھا۔ سچی محبت کو داد دے رہا تھا۔ آج اس ایمان سے اس کا سامنا ہو گیا تھا جس کا ذکر مجھ سے سنا کرتا تھا۔ اس کے تمام خیالات تمام دعوے غلط ثابت ہو چکے تھے۔

ایمان میرے دکھوں کو تو سن لیا کچھ اپنے بارے تو بتاؤ۔

ہاں سعید میں نے تمہارے کہنے پر شادی کر لی تھی۔

یہ کہہ کر ایمان خاموش ہو گئی اور چند لمحے یونہی خاموشی کے نذر ہو گئے۔

اچھا سنو سعید! واپس کب جانا ہے؟

آج شام تک چلے جائیں گے؟ میں نے جواب دیا۔

سعید میرا ایک کام کرو گے۔؟ آخری کام۔ صرف آخری کام۔

ہاں ایمان بولو۔ شاید یہ کام کر کے اپنے آپ کو معاف کر سکوں۔

سعید میری خاطر آج رات اسی شہر میں رک جاؤ۔ صبح اسی جگہ میرا انتظار کرنا، پھر چاہے چلے جانا۔ اب میں فیملی کے ساتھ آئی ہوں۔ میرا انتظار ہو رہا ہو گا۔ بس تم میرا آخری وعدہ پورا کر دو۔ بتاؤ سعید رکو گے ناں۔

عارف بھی ساتھ بیٹھا بھی داستان سن چکا تھا۔

ہاں ایمان ضرور۔۔ عارف نے اثبات میں سر ہلایا۔۔ میں نے حامی بھر لی۔ ایمان مجھے کل کا وعدہ کر کے چلی گئی اور میں آنسوؤں میں نہانے چلا گیا۔

شام ہو چکی تھی۔ ہم قریبی ہوٹل میں چلے گئے۔ وہاں ایک رات کے لئے روم کرائے پر لیا اور کھانا کھانے کے بعد بیڈ پر لیٹ گئے۔

لاہور بدل گیا تھا لیکن لاہور کے لوگ نہیں بدلے تھے۔ وہی محبت، وہی چاہتیں تھیں۔ عارف لیٹتے ہی سو گیا اور میں اپنی اور ایمان کی زندگی کی کڑیاں ملاتا رہا۔۔ رات تاروں کی نذر ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔ رات کا اندھیرا روشنی میں بدل چکا تھا۔ عارف اٹھ چکا تھا۔ ہم فریش ہوئے اور ناشتہ کرنے کے بعد کل والی جگہ پر پہنچ گئے۔ ایمان کا انتظار ہونے لگا۔ ایک گھنٹہ یونہی

گزر گیا۔ گھنٹے بعد ایمان جلوہ گر ہوئی۔ آتے ہی سلام کیا اور حال احوال دریافت کیا۔ پھر کھانا جو گھر سے اسپیشل بنا کر لائی تھی ہمارے حوالے کیا۔

ایمان یہ تم نے تکلیف کیوں کی۔؟ ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔

میں نے بڑے پیار سے تمہارے لیے بنایا ہے سعید۔ تمہاری پسند کا کھانا ہے۔ ایمان نے جواب دیا۔ مجھے آج بھی یاد ہے تمہاری پسند کیا ہوتی تھی۔ خیر ہم نے وہی بیٹھ کر کھانا نوش کیا۔ میرے اصرار کرنے پر ایمان نے بھی چند نوالے لیے۔ ناشتہ کرنے کے بعد ایمان نے کہا

چلو سعید تمہیں لاہور کی سیر کرا دوں۔ ہم وہاں سے اٹھے اور ایمان کی گاڑی کے پاس پہنچے۔ ایمان ہمیں اپنی گاڑی میں لے کر لاہور کی سیر کروانے لگی۔ ہم مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے چڑیا گھر پہنچ گئے۔ چڑیا گھر میں گھومتے پھرتے رہے اور پھر شاپنگ سنٹر چلے گئے۔ ایمان نے بہت سی شاپنگ کروا دی۔ میرے بار بار منع کرنے پر بھی ایمان نے بہت کچھ خرید کر دے دیا۔ اس دوران ایمان نے اپنی کہانی سنائی۔

سعید تمہارے اس طرح چلے جانے کے بعد میں بہت اداس ہوئی۔ بہت کوشش کی کہ تمہارے پاس آ جاؤں مگر میرے پاس آپ کا کوئی ایڈریس نہیں تھا اور موبائل آپ نے بند کر رکھا تھا۔ سو بھی کوششیں ناکام ہو گئیں۔ پھر جب تم سے بات ہوئی اور آپ نے موبائل بند کر دیا۔ اس کے بعد میں روز چیک کرتی رہی لیکن نمبر بند ہی رہا۔ پھر میں نے تمہاری بات مان کر حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ تھک ہار کر ممّا، پاپا کے اصرار پر شادی کر لی۔ ارسلان بہت اچھا انسان ہے۔ اس نے بھی مجھے غم نہیں دیا۔ میں بہت خوش ہو لیکن جب تمہاری یاد آتی تھی تو کچھ لمحے آنسوؤں کے نذر ہو جاتے ہیں۔

ایمان اپنے بارے بتا چکی تو میں نے اپنے محسن، اپنے دوست بابا ارشد کے بارے پوچھا۔

بابا ارشد کیسے ہیں؟

ایمان کے چہرے پر اداسی چھا گئی شاید کوئی اپنا شدت سے یاد آیا تھا۔ میرے دوبارہ پوچھنے پر ایمان نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

تین سال ہو گئے ہیں مما اور پاپا کو اس دنیا سے گئے ہوئے۔ رشتے داروں کی شادی میں جا رہے تھے کہ راستے میں حادثہ پیش آ گیا۔ دونوں ایک ساتھ ہی دم توڑ گئے۔ اب میں اسی گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہوں۔

جان سے پیارے لوگ کتنے جلدی بچھڑ جاتے ہیں۔ میرا دل غم زدہ تھا۔ جانے والوں کو کوئی روک نہیں پایا۔

ایمان، مجھے بابا جی اور امی جان کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالٰی انہیں اپنی جوار رحمت میں اعلٰی مقام عطا فرمائے۔ آمین!

ایمان بچوں کو ساتھ لے آتی تو خوشی ہوتی۔ میں نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

ہاں سعید ضرور لے آتی مگر اسکول سے چھٹی نہیں تھی۔ بچوں کو اسکول چھوڑ کر آئی ہوں۔

سورج کی سرخی ابھی باقی تھی۔ ایمان کی مختصر داستان سننے کے بعد میں نے بھی اپنے گزرے وقت کو ایمان کے گوش گزار کیا اور پھر ایمان نے ہمیں واپسی کی ٹکٹ بھی کرا دی۔ کتنی مہربان تھی۔ آج بھی چاہتی تھی اور میں ۔۔۔۔۔۔!

ہم اشکوں کی برسات کے ساتھ واپسی اپنے نگر کی طرف روانہ ہو آئے۔ ایمان بھی اپنے گھر لوٹ گئی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی دل سکون کی گہرائی میں غوطہ زن ہو گیا۔ دس سالوں بعد محبوب ملا تھا۔ لیکن اب وہ کسی اور کی امانت تھا۔ میں نے اپنی بے وفائی کی معافی مانگ لی تھی۔ آج دل مطمئن تھا۔ ایمان نے نہ صرف مجھے معاف کر دیا تھا بلکہ زندہ دلی کا احساس بھی دلایا تھا۔ ایمان معاف نہ کرتی تو میں اپنے آپ کو بھی بھی معاف نہ کر پاتا۔

ہم خوشی خوشی واپس آ رہے تھے، میں نے عارف سے کہا۔

عارف دیکھا میری محبت کتنی سچی ہے، تم جسے غلط نام دیتے تھے۔ آج خود دیکھ لیا۔

ہاں سعید۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ واقعی سچی محبت بھی مر نہیں سکتی۔ محبت اپنا وجود نہیں کھو سکتی۔ واقعی محبت زندہ آج بھی ہے۔

ہاں تو پیارے قارئین یہ تھی دو پریموں کی داستان محبت، آپ کو کیسی لگی۔ اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیئے گا۔ زندگی رہی تو نئی داستان کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گا۔

کوئی آتا ہے یاد سونے سے پہلے
جو چھین لیتا ہے آنسو میرے سونے سے پہلے
اب نیند بھی آئے تو میں سونا نہیں چاہتا
کسی قیمت پہ بھی میں اس کو کھونا نہیں چاہتا
ہو جائے وہ کاش میرا مجھے کھونے سے پہلے
جو آتا ہے یاد بہت سونے سے پہلے

زخمی جگر کے زخم سارے روتے ہیں
آنکھوں میں جو ٹھہرے وہ نظارے روتے ہیں
لاپرواہی میں موج ساحل ٹھہر کر جاتی ہے
اسے کیا معلوم بچھڑنے کے بعد کتنے کنارے روتے ہیں

مجید احمد جت جائی۔ ٹھٹھہ سوہیت اڈہ ولی والا مین بہاولپور روڈ تحصیل و ضلع ملتان

عشق تم سے نہ کرتے تو اور کیا کرتے
جان تیرے نام نہ کرتے تو اور کیا کرتے
تم زندگی ہو ہماری
تم پہ نہ مرتے تو اور کیا کرتے

☆ ------- اکبر ذکی

دوستی اور محبت

تحریر۔حسنین کاظمی۔منڈی بہاؤالدین۔03042326129

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں اس دکھی نگری میں ایک بار پھر ایک کاوش لے کر حاضر ہوا ہوں اور میدکرتا ہوں کہ آپ اس کو پڑھ کر ضرور داد دیں۔ ہو جائیں گے پیار محبت عشق ایک پاک صاف اور سچا جذبہ ہے جو ہمارے دل کو سکون اور دن رات کو خوشگوار بنا دیتا ہے مگر کچھ لوگوں کی وجہ سے اس رشتے کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی اور لوگ اس کو دکھ درد سمجھتے ہیں۔قارئین میں نے اس کہانی کا نام۔دوستی اور محبت رکھا ہے۔امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی پڑھتے ہوئے آپ اسکے سحر میں ڈوب جائیں گے۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

ثقلین اور اس کے فیملی والے سب اپنے گاؤں سے۔ثقلین اور اس کی فیملی گاؤں میں اپنی زمینیں بیچ کر شہر منڈی بہاؤالدین شفٹ ہو گئے۔ اس کی فیملی میں تھا ہی کون ! بس ایک چھوٹا سا خاندان تھا۔جس میں اس کے والدین کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے ثقلین اپنے والدین کیلئے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور ویسے بھی والدین تو سب کو پیار کرتے ہیں چاہے ان کے دس بیٹے بیٹیاں ہوں۔ لیکن اولاد تو زمین کے ٹکڑوں کی طرح ہے جس پر برابر بارش برستی ہے لیکن ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد (طاقت) کے مطابق ہی سیراب ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح والدین کا پیار اپنی تمام اولاد کیلئے یکساں ہوتا ہے لیکن یہ اولاد پر منحصر ہے کہ وہ اپنے والدین سے کس قدر فیض یاب ہوتے ہیں۔
ثقلین نہایت خوش اخلاق ، حسین و جمیل اور فرمانبردار تھا۔ اس کا چہرہ اتنا دلکش تھا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے۔ خاص طور پر لڑکیاں۔ بات کرنے کا انداز۔ اللہ تعالی نے ثقلین کو بہت ساری خوبیاں عطا کر رکھی تھیں۔ یہ کافی ذہین بھی تھا اور میٹرک کے امتحان میں دوسری پوزیشن کا مالک بن چکا تھا۔ ثقلین ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتا تھا ۔ چونکہ یہ کافی ذہین تھا۔ اس لیے اس کے ابو جان نے اسے پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اس کا کالج اس کے گھر سے بہت دور تھا۔ اسی لیے اس کے ابا جان نے کہا۔
بیٹا ہمارے پاس تم ہی تم ہو اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بہت زیادہ پڑھو۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم شہر میں تمہارے کالج کے قریب کوئی کرائے کا مکان لے لیتے ہیں۔
یہ بات ثقلین کو بہت زیادہ پسند آئی۔ اب ان کے پاس کوئی خاص رقم نہ تھی جس سے وہ شہر میں شفٹ ہو سکتے۔ آخر ان کے پاس تھوڑی سی زمین تھی وہ بیچ کر یہ مسئلہ حل کیا۔ جو مکان انہوں نے کرائے

کیا! یا اس کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا بنگلہ تو...

ایک دن ثقلین کالج سے واپس آ رہا تھا اس نے نوٹ کیا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے۔ کافی دیر چلنے کے بعد بھی سلسلہ رہا۔ آخر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو کوئی لڑکی اپنی کتابیں اٹھائے آ رہی تھی۔ وہ نقاب میں تھی اور اس نے جب ثقلین کو دیکھا تو اس کے ہاتھ سے کتابیں گر گئی تھیں۔ اس کو اپنی کتابیں اٹھانے کی کوئی فکر نہ رہی وہ تو بس ثقلین کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔ ثقلین نے اس کی کتابیں اٹھائیں اور اس کی طرف بڑھا دیں۔ وہ ثقلین کو دیکھنے میں اتنا کھو گئی تھی کہ جیسے پتھر کا بت کھڑا ہو۔ آخر ثقلین کی آواز نے اسے خیالات کی بہترین دنیا سے واپس آنے پر مجبور کیا۔ اس نے اپنی کتابیں ایک شکریے کے ساتھ ریسیو کیں اور ثقلین پھر سے اپنی راہ ہو لیا۔

ارے یہ کیا! وہ لڑکی پھر سے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اب کی بار ثقلین نے کوئی دھیان نہ دیا اور اس کا گھر آ گیا اور وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس لڑکی نے اسے گھر داخل ہوتے دیکھ لیا اور اس کا گھر ثقلین کے گھر کے بالکل سامنے تھا۔ (جس کا ذکر کر چکا ہوں)۔

اس لڑکی کا نام انم تھا۔ انم بھی کالج کی سٹوڈنٹ تھی۔ انم بھی ثقلین کی طرح ایک خوبصورت، حسین و جمیل لڑکی تھی اور اس کے ساتھ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ یہ لوگ کافی امیر تھے۔ انم گھر آتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی اور بیڈ پر دراز ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ثقلین کا وہ معصوم سا چہرہ نمودار تھا۔ انم کو ہلکا ہلکا بخار ہونے لگا۔ وہ دل ہی دل میں دل سے سوال پوچھ رہی تھی کہ کیا مسئلہ ہے تیرے ساتھ؟ دل بھی کچھ نہیں چھپاتا۔ اس کے دل نے گواہی دے دی کہ انم اب تم تمہاری نہیں رہی۔ تمہیں صرف ایک ہی نظر میں ثقلین سے پیار ہو گیا ہے۔ ہاں۔ میں انم کا سر نجانے کیوں خود بخود ہل گیا۔ وہ ذرا سا مسکرا دی۔ انم فوراً آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرائے جا رہی تھی۔ اس کو خود پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ ہوتا بھی کیوں نہ۔ خوبصورتی، عقل مندی اور امیری سب خوبیاں اس میں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انم اپنے گھر والوں کیلئے چاند کا ٹکڑا تھی۔ انم سب کی آنکھ کا تارا تھی۔

کمال کی بات ہے۔ میں نے سارا گھر چھان مارا اور تم یہاں آئینے کے سامنے کھڑی مسکرا رہی ہو۔ سب خیر تو ہے نا انم۔ انم کی امی نے کمرے میں داخل ہوتے کہا۔ انم اپنی امی کے گلے لگ کر خوب ملی اور امی کا ماتھا چوما۔

انم کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا آج یہ مہربانی کیوں؟ کیا آج کوئی خاص دن ہے؟

انم نے یہ بات ٹال مٹول دی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو میری تعلیم رک سکتی ہے۔ انم کیلئے خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ جس سے پیار کرتی تھی اس کا گھر اس کے گھر کے سامنے ہی تھا۔ شام کے سائے ڈھلنے کو تیار کھڑے تھے۔ ادھر انم کے دل کے سائے تلے ثقلین نے اپنا گھر کر لیا۔ جو شاید اب انم کی آخری سانسوں تک بھی نہیں مٹ سکتا تھا۔ انم نے کھانا وغیرہ کھایا اور اپنے کمرے میں سونے کیلئے معمول سے پہلے ہی چلی گئی۔ آج تو سب گھر والے بھی حیران تھے کہ انم کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے ہم اس کو کہتے کہ انم خدا کیلئے ابھی سو جاؤ کافی دیر ہو گئی ہے لیکن وہ کسی کی نہیں سنتی تھی اور پڑھتی رہتی تھی۔ لیکن آج سب سے پہلے انم سونے چلی گئی۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ انم کمرے میں جا کے سوئے گی یا پھر روئے گی۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

انے ثقلین آپ کو نہیں جانتی۔ بس یہ جانتی ہوں کہ آپ سے پیار کرتی ہوں۔ مجھے کافی سالوں سے جس کی تلاش تھی وہ آپ پر ختم ہوئی۔

یہ سب سوچتے وقت انم کبھی مسکرا دیتی، کبھی رو دیتی۔ کیونکہ اسے خوشی تھی کہ اسے اس کا چاند ملنے والا ہے اور پریشانی اس بات کی کہ کہیں وہ کسی اور سے پیار نہ کرتا ہو۔ اور اپنے گھر والوں سے بھی ڈرتی تھی۔ آخر انم نے سوچ لیا کہ صبح کالج جاتے وقت راستے میں ثقلین کو سب کچھ بتا دوں گی۔ ثقلین کی یادوں میں نجانے کب نیند کو انم پر رحم آ گیا اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

صبح انم نے نماز فجر ادا کی اور کافی دیر اللہ سے دعائیں مانگتی رہی پھر کالج کی تیاری شروع کی۔ جب کالج کا ٹائم ہوا تو انم کے بھائی نے روٹین کے مطابق گاڑی نکالی اور انم کو آواز دی۔

آجاؤ، انم کالج کیلئے لیٹ ہو رہا ہے۔

انم کو کالج سے لینے اور چھوڑنے اس کا بھائی جایا کرتا تھا اور کل وہ پیدل آئی کیونکہ بھائی کو ضروری کام جانا تھا۔ انم نے جب آواز سنی تو پریشان ہوگئی کہ اب وہ ثقلین کو نہیں دیکھ سکے گی۔ اگر بھائی کے ساتھ گئی تو۔ بہانہ بھی کوئی نہیں بنا سکتی تھی کیونکہ اگر ایک دن بھی انم کو پیدل جانا پڑ جاتا تو وہ چار، پانچ دن تک اپنے بھائی سے منہ بنائے رکھتی تھی۔ بھائی بیچارہ منتیں کر کر کے تھک جاتا تب جا کے اس کا موڈ ٹھیک ہوتا۔

اب انم بھائی کو کیسے کہتی کہ میں پیدل چلی جاؤں گی۔ اسی وجہ سے انم بھائی کے ساتھ گاڑی میں کالج کیلئے روانہ ہوگئی۔ کالج کے قریب انم نے بھائی سے کہا۔

بھیا آج آپ مجھے لینے کیلئے نہ آنا۔ مجھے لیٹ ہو جائے گی۔ میں اپنی دوست کے ساتھ آ جاؤں گی۔

بھائی نے کہا ٹھیک ہے۔

پھر وہ کالج پہنچ گئی اور اس کا دل کالج میں بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار موبائل پر سے ٹائم دیکھ رہی تھی۔ آج کالج کے یہ چھ گھنٹے انم کو چھ سال کے محسوس ہو رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے کالج سے فارغ ہوگئی۔ اب تو انم کو اپنی دوست عائشہ بھی نہیں یاد جس کے ساتھ ہر وقت وہ رہتی تھی۔ اکیلے ہی گھر کی روانہ ہوئی تاکہ ثقلین جلدی گھر نہ چلا جائے۔

آج انم نے نقاب نہیں کیا تھا تاکہ ثقلین اس کو دیکھ سکے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ میں ایسی تو نہ تھی کہ گلی میں بغیر نقاب کے چل سکتی لیکن مجبوری ہے کیا کروں اور ساتھ ہی ساتھ اسے یہ ڈر بھی تھا کہ کوئی مجھے دیکھ نہ لے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا وہ پیار کے شکنجے میں پوری طرح پھنس چکی تھی۔ ابھی خیالوں میں گم تھی کہ اسے اس کا چاند ثقلین نظر آ گیا جو کہ اس کیلئے اب آکسیجن اور پانی سے زیادہ ضروری تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مدہوش سی ہوگئی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے قدم زمین پر ہوں ہی نہیں بلکہ خلا میں کھڑی ہو۔ سخت گرمیوں کا موسم اپنا اثر سختی سے دکھا رہا تھا۔

ثقلین نے جب انم کی طرف دیکھا تو اس کی بھی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ثقلین ایک باحیا اور شریف لڑکا تھا اور انم بھی باحیا لڑکی تھی۔ ان دونوں کے والدین کو ان پر فخر تھا اور وہ کہتے کہ اللہ سب کو ہماری اولاد جیسی اولاد دے۔ لیکن آج ثقلین کی آنکھیں انم کے چہرے کے بغیر اور کوئی چیز دیکھنے کے حق میں تیار نہیں تھیں اور اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں انم اپنا گھر کرتی گئی، کرتی گئی بالکل ایسے جیسے کمپیوٹر سے کوئی ڈیٹا میموری کارڈ یا USB میں اپنا گھر کرتا ہے۔ جو انم کے ساتھ ہوا ثقلین کو دیکھنے کے بعد وہی آج ثقلین کے ساتھ بھی ہوا فرق صرف اتنا تھا کہ ثقلین کی کتابیں ہی نہیں

گری تھیں جو بیگ میں۔ انم نے السلام علیکم کہہ کہ بات شروع کی۔ ثقلین نے خوشی خوشی وعلیکم السلام سے جواب دیا۔
ثقلین بے ساختہ بول پڑا۔
آپ کا نام کیا ہے؟؟؟
انم ہڑبڑا کر رہ گئی کیونکہ وہ تو خیالات کی جنت والی دنیا ہی میں ثقلین سے مخاطب تھی۔ بولی
ان۔۔۔ان۔۔۔انم۔ خود کو سنبھالا اور خود ہی بتانے لگی کہ آپ کے گھر کے سامنے ہی میرا گھر ہے اور میں 4th Year (چودھویں کلاس) میں پڑھتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انم نے ثقلین سے کافی سارے سوالات پوچھ ڈالے۔
آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ کس کلاس میں پڑھتے ہو؟
ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ میرا نام ثقلین ہے، ہم چند روز پہلے ہی یہاں شفٹ ہوئے ہیں اور میں گیارہویں کلاس میں پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ دونوں بے دھیان۔
اپنے معمول کے مطابق بلکہ کے معمول کے مطابق عشق کافی لوگوں کی زندگی تباہ کرنے کیلئے انم اور ثقلین کے دل میں بھی پناہ لے چکا تھا۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ عشق کوئی معمولی خطرہ نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ عشق کے جراثیم جس کو بھی لگے وہ اپنا نہیں رہا اور بدنامی، ذلت اور رسوائی اس کا مقدر رہی۔
گلی میں کوئی نہ تھا کیونکہ موسم گرما نے لوگوں کو گھروں سے باہر آنے کی اجازت نہیں دے رکھی تھی اور شاید اس وقت بجلی صاحبہ پنکھوں کو گھمانے اور بندوں پر مہربان ہونے کیلئے تشریف لائی ہوئی تھیں۔ دونوں کے گھر بھی قریب آ گئے تھے۔ انم اپنے گھر میں داخل ہو گئی اور ثقلین نے جب انم کو اس کے گھر داخل ہوتے دیکھا تو کانپ کر رہ گیا۔ کیونکہ ثقلین نے سن رکھا تھا کہ اکثر امیر لوگ دھوکہ دینے میں اور غریبوں سے دور رہنے کی کوشش۔۔۔ کوشش کیا دور ہی رہتے ہیں۔ یہ جو بات بتائی ہے، کچھ لوگوں کو بالکل اچھی نہیں لگی ہوگی اور جن کی طرف میرا اشارہ ہے وہ بخوبی جانتے ہیں۔ خیر! ہے حقیقت۔ اس کی گواہی بہت زیادہ لوگ میرے ساتھ مل کر دیتے ہیں۔ ثقلین کے دل میں عجیب عجیب خیالات جھولے لے رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا جو کہ کافی بھیگ چکی تھیں اس نے دل کو سمجھالیا کہ ٹھیک اگر انم نے تجھ میں گھر بنا ہی لیا ہے تو میرا کوئی اعتراض نہیں لیکن مجھے میرے مقصد سے غافل نہ کرنا۔ دل نے بھی کہہ دیا۔
او۔کے۔ مجھے منظور ہے۔
ثقلین کو تھوڑا تھوڑا یقین تھا کہ انم بھی اس سے پیار کرنے لگی ہے لیکن اس نے یہ پکا فیصلہ کر لیا کہ اس سے اظہار نہیں کرے گا اور اس راہ میں آگے نہیں جائے گا۔ اس نے سوچ لیا کہ اگر انم نے اظہار کیا تو بھی کوئی جواب نہیں دے گا گو کہ میں خود اس سے بہت پیار کرنے لگا ہوں۔
ادھر انم کا حال دیکھئے۔ وہ اتنی زیادہ خوش ہو رہی تھی کہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ اس کا دل خوشی سے فل چارج تھا۔ جیسے گلیکسی موبائل تین گھنٹے میں فل چارج ہوتا ہے۔ وہ خوش اس لئے تھی کیونکہ اس کی ثقلین سے بات جو ہوئی تھی۔ ثقلین کی صورت نے پہلے ہی اس پر بہت زیادہ جادو کر رکھا تھا۔ رہتی کسر ثقلین کی باتیں کرنے کے انداز نے پوری کر دی۔ اب اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف ثقلین ہی ثقلین تھا۔ اس نے اپنے موبائل پر گانا لگایا اور ساتھ ساتھ گنگنانے لگی۔

اپنا بنانا ہے، تجھے سینے سے لگانا ہے۔
آ کے تیری بانہوں میں مجھے مر جانا ہے۔

آج انم نے سوچ لیا تھا کہ ثقلین کو خط لکھے گی اور اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دے گی کہ غور کرو ثقلین۔ کوئی ہے جو تمہیں تم سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔ اسے جلد اپنا بنا لو ثقلین۔۔

شام سے تھوڑا پہلے وہ کسی کام سے چھت پر گئی۔ چھت پہ اس نے ثقلین کو دیکھا تو مارے خوشی کے اس کے منہ سے اونچی آواز سے نکلا۔

امی جی۔

اس کی امی فوراً چھت پہ آئی اور آتے ہی پوچھا خیر تو ہے نا کیا بات ہے؟

انم نے بہانہ بنا دیا کہ پاؤں پھسل گیا تھا۔

اس کی امی نیچے چلی گئی۔ امی کو کیا پتہ تھا کہ بیٹی کا پاؤں پھسلا ہے یا دل و دماغ پھسلے ہیں۔ انم کو یوں محسوس ہوا کہ وہ سچ مچ کی جنت میں آ گئی ہو کیونکہ یہاں سے اسے اس کا چاند ثقلین نظر آ رہا تھا۔

دوستو! یہ وہی چھت تھا جس پر انم آنے سے چڑھتی تھی اور آج اسے خود ہی جنت کا درجہ دے رہی تھی۔۔ ہے نا کمال کی بات؟؟ اے۔سی AC والا آرائشی کمرہ اور چھت۔۔!!؟ یقیناً انم کو تو اپنا کمرہ ہی اچھا لگتا تھا۔ چھت پر تو اسے گرمی ہی محسوس ہوتی تھی لیکن اس کی یہ ٹینشن بھی ختم ہوگئی آج۔ اس نے ثقلین کی طرف دیکھا تو ثقلین اپنے پیارے ہاتھوں سے چارپائی پر بستر سجا رہا تھا۔

یہ منظر دیکھتے ہی اس کا رابطہ خیالی دنیا سے جڑ گیا۔ اس نے اپنے خیالوں میں دیکھا کہ وہ اپنے ثقلین کیلئے خود بستر سجا رہی ہے۔ پھر اس کے ماتھے پہ جو پسینہ تھا اسے اپنے دوپٹے سے صاف کر رہی تھی اور پھر اسے چوم کر اپنے سینے سے لگا رہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی خیال آیا کہ جب اس کو امی بستر بچھانے کیلئے کہتی ہے تو اس کا جواب کیا ہوتا۔۔۔ اسی لیے اس کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ خیالی دنیا سے رابطہ اس وقت ختم ہوا جب ثقلین کے ابو چھت پر آئے اور ثقلین سے اس کی تعلیم کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ثقلین کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اسی لیے اس کے ابو نے پوچھا۔

کیا بات ہے۔ آج تم پریشان نظر آ رہے ہو۔

انم اپنے چھت پر ان کی باتیں بڑی غور سے سن رہی تھی۔ جیسے اسے ایسا کرنے سے بہت ثواب مل رہا ہو۔ ثقلین نے اپنے ابو سے کہا"

ہمارے ملک کے دوکانداروں نے ملک و قوم کو بہت لوٹا ہے اور لوٹ رہے ہیں۔ آج میری آنکھوں سے آنسو نکلے یہ سوچ کر کہ یہاں کوئی غریبوں کا احساس نہیں کرتا۔ سب دوکاندار ہر چیز سے چار، پانچ گنا زیادہ نفع لیتے ہیں۔ ناجائز منافع لیتے ہیں۔ کوئی بھی دکاندار جائز نفع رکھ کر چیزیں فروخت کرنے کو تیار نہیں۔ میں نے کیمسٹری کی ہیلپ بک لینی تھی جو کہ 200 کی تھی اور وہ 270 بتا رہا تھا۔

میرے پاس صرف 210 روپے تھے۔ اسے کہا کہ باقی کل صبح دے دوں گا، میرا صبح ٹیسٹ ہے لیکن اس نے کہا۔

سوری بیٹا۔ دوکان کا نام ثنا بک سنٹر۔ یہ سب بتاتے ہوئے ثقلین اور اس کے ابو کی آنکھیں نم تھیں۔ اور ادھر انم کو یہ سب سن کر بہت دکھ ہوا۔ وہ یہ سن کر اپنے آنسوؤں کو کنٹرول نہ کر سکی اور خوب روئی۔ آنسو صاف کرتے ہوئے انم فوراً چھت سے اتری اور اپنے بھائی کو کہا۔

بھیا چلو بازار جانا ہے ایک کتاب لانی ہے۔

انم کے بھائی نے فوراً گاڑی نکالی اور بازار پہنچ گئے۔ وہاں انم نے ثقلین کی مطلوبہ کتاب خریدی اور وہ واپس آ گئے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کتاب

ثقلین کو کیسے دے۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ
وہ چھت سے کتاب اس کی چھت پر پھینک دے
گی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ثقلین لوگ نیچے تھے اور
انم نے آنکھ بچا کر کتاب ثقلین کے چھت پر پھینک
دی اور خود چھپ گئی کہ دیکھے کہ جب ثقلین کتاب
دیکھے گا تو اس کا کیا ری ایکشن ہوگا۔ جب ثقلین اور
اس کے والدین کھانا وغیرہ کھا کر چھت پر پہنچے تو ثقلین
کی نظر کتاب پر پڑی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا تو یہ
اس کی مطلوبہ کیمسٹری کی ہیلپ بک تھی۔ ثقلین نے
کتاب کو چوما اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس نے کافی
ادھر ادھر دیکھا کہ کس نے کتاب پھینکی ہے لیکن اسے
کوئی نظر نہیں آیا۔ ثقلین روشنی کے قریب بیٹھ کر
پڑھنے میں مصروف ہوگیا اور اس کے والدین
سونے کی کوشش کرنے لگے جو کہ تھوڑی دیر بعد
کامیاب ثابت ہوئی۔ انم خوشی خوشی نیچے چلی گئی۔
آج اس نے ثقلین کو خط بھی لکھنا تھا۔

کھانا وغیرہ کھایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔
دروازہ بند کیا اور کاغذ، قلم لے کر بیٹھ گئی۔ خط لکھنے
سے پہلے اس نے ایک جگ پانی کا پاس رکھ لیا۔ خط
کی تحریر کچھ یوں تھی۔

دیکھئے کس قدر ہم کو تم سے پیار ہے۔
ہر طرف آپ کی تصویر ہے۔
اچھا ہے یہ چاہت کا اظہار ہے
ہم نے سمجھا تمہیں اپنی تقدیر ہے۔

السلام علیکم ثقلین جی! میں انم ہوں۔ بتانا
چاہتی ہوں کہ بہت مشکل میں ہوں۔ جب سے
آپ کو دیکھا ہے۔ آپ کی ہوگئی ہوں۔ صرف آپ
کی۔ میں آپ سے بہت زیادہ پیار کرتی ہوں۔ اب
آپ میرے لیے آکسیجن اور پانی سے زیادہ ضروری
ہو۔ میری زندگی میں سب کچھ ہے لیکن پیار کی کمی
ہے۔ اس کمی کو یقیناً صرف آپ ہی پورا کر سکتے ہیں
اور کوئی نہیں۔ پلیز ثقلین میرے پیار کا جواب اچھے
انداز میں دینا۔ میں بہت حساس ہوں کہیں ایسا نہ
ہو۔ فقط آپ کی انم۔ اللہ حافظ

ایسا لگا مجھے پہلی دفعہ تنہا میں ہوگئی یارا
ہوں پریشان سی میں اب یہ کہنے کیلئے
تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کیلئے
تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کیلئے

خط لکھ کر انم نے اپنے پاس رکھ لیا اور رات کا
انتظار کرنے لگی۔ رات تو تھی ہی اصل میں سب کے
سونے کا انتظار کر رہی تھی۔ انم کی ایک بہت اچھی
خوبی جو کہ مجھے پسند تھی وہ یہ کہ انم نماز کی پابند تھی۔
اس نے عشاء کی نماز ادا کی اور دعا مانگی۔ آخر وہ ٹائم
بھی آ گیا جب سب سو گئے۔ انم چپکے سے چھت پر
پہنچ گئی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ثقلین اپنے ہاتھ
میں موبائل پکڑے اس کی لائٹ کی مدد سے ابھی
تک پڑھ رہا تھا۔ (بالکل اسی طرح جیسے میں موبائل
پکڑے اس کی لائٹ کی مدد سے یہ کہانی لکھ رہا ہوں
۔) اس کے دل سے ثقلین کیلئے دعائیں نکلنے لگیں کہ
اللہ اس کو کامیاب کرے۔ انم نے خط اس کے
چھت پر پھینک دیا اور خود چھپ کر دیکھنے لگی کہ ثقلین
کیا کرتا ہے۔ ثقلین ایک دم سے چونکا کہ یہ کس نے
پھینکا اور اس نے اٹھا کر خط پڑھنا شروع کیا۔ جب
اس نے خط کی تحریر پڑھی تو اس کی آنکھیں نم ہوگئیں
اور وہ ہلکا سا مسکرا دیا لیکن اس کے ساتھ اس نے خط
کو پھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر انم کو بہت عجیب سا لگا۔ کیونکہ
پہلے ثقلین رویا، پھر مسکرایا اور پھر خط پھاڑ دیا۔ انم
پریشانی اور اداس حالت میں نیچے آ گئی۔ بستر اس کو
کانٹوں کا سا ساں محسوس کرا رہا تھا۔ وہ بہت مایوس
ہوگئی اور سوچنے لگی کہ پتہ نہیں کیوں ثقلین نے ایسا
کیا۔ میں صبح خود اس سے بات کروں گی۔ انہی
خیالوں میں سو گئی۔ صبح کی نماز ادا کر کے انم کالج
کیلئے تیار ہونا شروع ہوگئی۔ کالج کا ٹائم ہوگیا تھا
لیکن اس کا بھائی ابھی تک سویا ہوا تھا۔ وہ خوش تھی

کہ آج وہ پیدل جائے گی اور ثقلین سے بات کرنے کا بہترین موقع ملے گا۔ وہ اپنی امی کو اللہ حافظ کہہ کر نکلنے ہی والی تھی کہ امی نے کہا۔

کہاں جارہی ہو۔

انم نے جواب دیا اوہو، امی یونیفارم پہن کر اس وقت کالج ہی جاؤں گی نا۔

امی نے کہا بیٹا آج تو اتوار ہے۔

انم کو بھی یاد آیا کہ آج تو اتوار ہے۔ اسے خود پر اور اتوار پر بہت غصہ آیا۔ وہ اپنی امی سے نظریں چرائے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آج کا یہ دن کیسے گزرے گا وہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہورہی تھی۔ اس کے ابا گھر کا کوئی کام نہیں تھا۔ بس کام نوکر کرتے تھے اور انم کیلئے ستر، اسی ہزار بھی معمولی سی رقم تھی۔ بتانے کا مقصد یہ بتانا کہ وہ بہت امیر تھے۔ اس نے فون پر گانا چلے کیا اور ساتھ گنگنانے لگی۔

ایسی حالت کسی کی نہ ہو عشق میں جو میرا حال ہے۔

ثقلین کو دیکھنے سے پہلے انم نئے نئے ہنی سنگھ کے گانے سنا کرتی تھی مثلاً میرے دفتر کی گرل وغیرہ۔ لیکن ابھی پرانے گانے سننا اس کی مجبوری بن گئی۔ ایسا میرے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔

وقت گزرنے کو تو سالوں گزر جاتے ہیں، یہ تو ایک دن تھا۔ مانتا ہوں کہ ایک دن بھی انتظار کا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خیر اللہ اللہ کر کے رات ہوئی اور انم نے خط تحریر کیا جس میں وہی لکھا جو پہلے خط میں لکھ چکی تھی۔ سب سو رہے تھے، انم چھت پر پہنچ گئی اور ثقلین کے چھت کی طرف دیکھا تو آج کا منظر کچھ اور ہی سماں پیش کر رہا تھا۔ ثقلین کتاب کھولے بیٹھا تھا اور بہت رو رہا تھا۔ ادھر انم نے جب یہ دیکھا تو وہ بغیر پانی والی مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔ ثقلین انم سے بہت زیادہ پیار کرتا تھا اور وہ آج اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اس لیے روئے جا رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ انم کیسی ہوگی۔ اب ثقلین بھی انم کے بغیر شاید نہیں رہ سکتا تھا۔ اور انم تو پہلے ہی اس سے بہت پیار کرتی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ثقلین امیروں سے ذرا ڈرتا تھا کہ یہ کچھ دنوں بعد ہی اپنا رخ موڑ لیتے ہیں۔ انم نے خط پھینکا اور خود ثقلین کا ری ایکشن دیکھنے لگی۔ ثقلین نے خط اٹھایا اور کھول کر پڑھنے لگا، اس نے وہی کام کیا جو پہلے کیا تھا۔

انم پریشان تو پہلے ہی تھی۔ ایک سرد آہ اس کے منہ سے نکلی اور نیچے آ گئی۔ ثقلین نے انم کے دونوں خط پھاڑے نہیں تھے بلکہ وہ کوئی اور کاغذ تھے جن کو پھاڑا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انم اس کو دیکھ رہی ہے۔ اسی لیے اس کو یہ دکھانے کیلئے کہ وہ اس سے پیار نہیں کرتا۔ وہ کوئی کاغذ پھاڑ دیتا اور اصلی خط کتاب میں رکھ لیتا۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ثقلین نے انم کے خط نکالے اور پاگلوں طرح ان کو چومنے لگا۔ ثقلین کو انم پر اعتماد نہ تھا جس کی وجہ انم کی امیری تھی۔ ادھر انم نے رو رو کے اپنا حال بے حال کر رکھا تھا۔ اور اس کی یاد میں گانا سننے لگی۔

میری خاطر بنا ہے تو
مجھ کو جو حاصل دعا ہے تو
تو راستہ تو رہ گزر
میرے عشق کا ہے پتہ
تو جستجو تو آرزو
دل دے رہا ہے صدا
آ بھی جا میرے محرماں
آ بھی جا نہ رہ جدا

آخر صبح ہو ہی گئی اور دونوں نے نماز ادا کی اور دعائیں مانگیں۔ انم کا بھائی اسے کالج چھوڑ آیا۔ آج پھر کالج میں چھ گھنٹے گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ عائشہ (انم کی دوست) نے انم سے ناراضگی والے لہجے میں کہا۔

آج کل کہاں گم سم رہتی ہو کوئی بات وات نہیں

کرتی ہو۔سب ٹھیک تو ہے نا۔میں نے تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتانا ہے۔

یہ سنتا ہی تھا کہ انم نے رونا شروع کر دیا۔ کمرے میں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں۔انم اپنا منہ عائشہ کی گود میں رکھے روئے جا رہی تھی اور عائشہ بے چاری بھی اسے چپ کروانی اور کبھی رونے کی وجہ پوچھتی۔لیکن انم مسلسل روئے جا رہی تھی۔انم کی دوسری دوست بھی اس کے پاس آ گئیں۔اور انم سے رونے کی وجہ پوچھنے لگیں لیکن انم کچھ نہیں بول رہی تھی۔عائشہ کے بھی آنسو نکل آئے اور اس کی چند دوسری سہیلیاں بھی رونے لگیں۔عائشہ کے آنسو انم کے رخسار پر گرے تو انم فوراً اٹھی اور روتے ہوئے عائشہ کو گلے سے لگا کر کہنے لگی۔

چپ کرو عائشہ کیوں رو رہی ہو۔اللہ تمہیں اور ان سب کو ہمیشہ خوش اور ہنستا ہوا رکھے۔اور خود روتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔کمرے سے وہ کالج کے لان میں چلی گئی اور وہاں اکیلی بیٹھ گئی۔ عائشہ اس کو ڈھونڈتے ہوئے لان میں پہنچی۔انم نے عائشہ سے کہا۔

مجھے Shreya Goshal کا وہ گانا سناؤ۔تو عائشہ نے آہستہ آواز سے گانا شروع کر دیا۔

مجھ کو ارادے دے
قسمیں دے وعدے دے
میری دعاؤں کے اشاروں کو سہارے دے
دل کو ٹھکانے دے نئے بہانے دے
خوابوں کی بارشوں کو موسم کے پیمانے دے
اپنے کرم کی کر ادائیں کر دے
ادھر بھی تو نگاہیں
سن رہا ہے نا تو رو رہی ہوں میں

اس کے بعد عائشہ نے انم کو مشکل سے چپ کروایا۔اور پریشانی کی وجہ پوچھی۔

انم نے کہا پہلے میرے بھیا کو فون کرو کہ آج مجھے لینے نا آئیں، پھر بتاتی ہوں۔

عائشہ نے اس کے بھائی کو کال کی اور کہا کہ آج آپ نا آیئے گا۔

انم کے بھائی نے کہا۔ٹھیک ہے۔

کالج سے چھٹی ہو گئی اور دونوں پیدل گھر کو ہو لیے اور راستے میں انم نے عائشہ کو سب کچھ بتا دیا۔ عائشہ کے دل میں ایک چیز کا خطرہ پیدا ہو گیا۔جو کہ بعد میں سچ ثابت ہوا۔۔۔۔۔

عائشہ کا گھر بھی اسی محلے میں تھا۔عائشہ نے انم کو سہارا دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔وہ ضرور جان جائے گا۔

عائشہ نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا کہ میرے خیال سے وہ تمہاری امیری کی وجہ سے نہیں مان رہا۔یہ بات انم نے بھی تسلیم کی۔عائشہ بھی انم کی طرح بہت خوبصورت اور سمجھدار تھی۔یہ دونوں باتیں کرتی آ رہی تھیں کہ ثقلین انم کو نظر آ گیا۔انم خوشی سے چلائی۔

عائشہ وہ رہا ثقلین۔جب عائشہ نے ثقلین کو دیکھا تو اس کے قدم لڑکھڑا کر رہ گئے۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کیونکہ یہ ثقلین اس کا کزن تھا اور عائشہ ثقلین سے دل ہی دل میں پیار کرتی تھی اور ان کی بہت جلد منگنی ہونے والی تھی۔عائشہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

انم نے عائشہ سے پوچھا کیا بات ہے؟ پریشان کیوں ہو؟

اس کے جواب میں انم کو عائشہ کی بھیانک ہنسی کا سامنا کرنا پڑا۔عائشہ نے ثقلین سے بات شروع کرتے ہوئے کہا،

کیا حال ہے؟

ثقلین نے کہا، ٹھیک اللہ کا شکر۔آپ سنائیں؟

عائشہ نے کہا کہ ہم بھی ٹھیک ہیں اور آپ آج کل زیادہ ہی مصروف رہتے ہیں۔ کبھی گھر چکر نہیں لگایا۔
انم حیرانگی سے ان کی باتیں سنے جا رہی تھی۔
عائشہ نے کانپتے ہونٹوں سے انم سے کہا۔
ثقلین میرا کزن ہے اور یہ پڑھائی کی وجہ سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔
انم بہت خوش ہوئی کہ اب ثقلین مان جائے گا کیونکہ انم کو عائشہ پر خود سے زیادہ اعتماد تھا۔ انم خود ثقلین سے مخاطب ہوئی اور ایک گانے کا شعر ثقلین کو سنایا۔ شعر کچھ اس طرح سے تھا۔

کیوں کسی کو وفا کے بدلے وفا نہیں ملتی
کیوں کسی کو دعا کے بدلے دعا نہیں ملتی
کیوں کس کو خوشی کے بدلے خوشی نہیں ملتی

یہ پیار میں کیوں ہوتا ہے۔۔۔۔
انم نے ثقلین کو ہمت کر کے کہہ ہی دیا کہ ثقلین میں آپ سے پیار کرتی ہوں۔ اب آپ کی صورت میرے لیے خوراک کا کام کرتی ہے۔ جب آپ مجھے نظر نہیں آتے تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے جیسے ایک کار پٹرول کے بغیر اور ایک کمپیوٹر آپریٹنگ سسٹم کے بغیر بے کار ہے بالکل اسی طرح میں آپ کے بغیر بے کار ہوں۔ پلیز ثقلین جی مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔
یہ کہہ کر انم نے پھر سے رونا شروع کر دیا اور عائشہ کی حالت تو اللہ ہی جانتا تھا۔ عائشہ ایسے منہ دھیان چل رہی تھی جیسے کسی کھلونے کو چابی لگا کر چھوڑ دیا جائے تو وہ چلتا ہے۔ ثقلین نے دل ہی دل میں انم سے یہی باتیں کہہ دیں جو انم نے اس سے کہی تھیں اور دل کے کہا۔
بہت اچھے ڈائیلاگ کہے آپ نے، اور ایکٹنگ (Acting) بھی اچھی رہی۔ ثقلین یہ سمجھتا تھا کہ انم میرے ساتھ اب کچھ زیادہ ہی مذاق کرنے لگی ہے۔ اس نے سوچا کہ دیکھتا ہوں یہ کب تک انم میرے پیچھے رہتی ہے۔ اگر اس کا پیار سچا ثابت ہوا تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی اور میں اسے سب سچ بتا دوں گا کہ میں بھی تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔ اسی سوچ میں ہی تھا کہ انم اور ثقلین کے گھر قریب آ گئے۔ انم اپنی نم آنکھوں سے عائشہ کا بازو پکڑے اپنے گھر داخل ہوگئی۔ دونوں انم کے کمرے میں چلی گئیں۔ انم نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عائشہ سے کہا۔
خدا کیلئے عائشہ ثقلین کو بتاؤ کہ میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اس کو مجھ پر اعتماد نہیں کیونکہ میں امیر ہوں نا۔ اسے کہو کہ اس میں میری کیا غلطی ہے؟ عائشہ مجھے ثقلین چاہیے بس اور ساتھ ہی وہ اس سے لپٹ کر خوب روئی۔
عائشہ خود کافی الجھن کا شکار تھی، اس نے انم کو پیار سے سمجھایا کہ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ثقلین تمہارا ہی ہوگا۔ صرف تمہارا اور ساتھ ہی عائشہ کا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ بھی انم کی طرح رونے لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چپ کروایا اور دونوں نے پیزا منگوا کر کھایا اور ساتھ میں سپرائٹ۔ دونوں کا موڈ فریش ہو گیا۔ انم نے عائشہ کو چھیڑتے ہوئے پوچھا۔
تمہارا کزن اتنا خوبصورت ہے کہیں تم بھی اس سے پیار تو نہیں کرتی ناں؟
انم کو ایک بار پھر عائشہ کی بھیانک سی ہنسی کا مجبوراً سامنا کرنا پڑا۔ انم نے عائشہ سے کہا کہ اگر تمہیں ہنسی نہیں آتی تو کم از کم مجھے ڈرایا تو نہ کرو۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کھل کھلا کر ہنسیں۔
عائشہ نے کہا کہ اب میں گھر جاتی ہوں۔ اس نے کہا اور گھر کی راہ لی۔ راستے میں جاتے ہوئے اس کے دل میں گانا گونج رہا تھا۔
کسی سے تم پیار کرو تو پھر اظہار کرو

کہیں نہ پھر دیر ہو جائے کہیں نہ پھر دیر ہو جائے

وہ اپنے لڑکھڑاتے قدموں اور بھیگی آنکھوں کو لیے اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔ کمرے میں جا کر عائشہ نے روتے روتے اپنے دل کو سمجھایا کہ اب تم ثقلین کو انم کو گفٹ کرو گے اور بھی پریشان نہ ہوا کرو گے۔ دل بھی آخر دل ہوتا ہے۔ کہاں مانتا ہے بھلا۔ لیکن عائشہ کو اپنے دل پر قابو کرنا پڑا۔ صرف اپنی دوست انم کیلئے۔

عائشہ کی امی نے کہا۔ میں ذرا تمہارے ابو کی دوائی لے آؤں۔ تم کھانا تیار کرو۔

عائشہ کا ابو کافی زیادہ بیمار تھا اور پھر عائشہ کا کوئی بھائی بہن نہ تھا۔ اس کے ابو کو بیٹی کی شادی کی بہت فکر تھی۔ اسے سہارا صرف ایک ہی بات کا تھا کہ اس کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے ثقلین سے کرے گا۔ ثقلین کے والدین بھی راضی تھے۔ عائشہ کھانا تیار کرتے وقت یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے والدین کو کیا کہے گی اور کیسے کہے گی کہ میں نے ثقلین سے شادی نہیں کرنی۔

فرینڈز! آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ سب سے زیادہ مشکل میں کون تھا۔

جی ہاں آپ ٹھیک سوچ رہے ہوں گے۔ عائشہ ہی سب سے زیادہ مشکل میں تھی۔ ثقلین انم سے محبت کرتا تھا اور انم ثقلین سے۔ انم کی مشکل اسے محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ عائشہ اس کی جان اس کے ساتھ تھی۔ اور ثقلین کو بھی اپنی مشکل محسوس نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اس نے سوچا کہ انم کے بارے میں عائشہ سے پوچھ کر انم کو جواب محبت دوں گا۔ ثقلین اور انم دونوں کافی خوش تھے۔ ان کے دل کو سکون بہم پہنچانے والی عائشہ کا حال دونوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ عائشہ کو یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ بہت جلد پاگل ہونے والی ہے۔ اتنے میں

اس کی امی گھر آگئی۔ عائشہ نے ماں کی گود میں سر رکھا اور بہترین کام شروع کردیا۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ اب عائشہ کیلئے بہترین کام کیا تھا۔ جی بالکل وہ رو رہی تھی۔ اس کی امی نے بہت پیار سے اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے پوچھا۔

بیٹا کیا بات ہے کیوں پریشان ہو؟ کیا چاہیے تمہیں مجھے بتاؤ؟ اور رونا بند کرو ورنہ میں بھی رو دوں گی۔

عائشہ کی امی کو کیا پتہ تھا کہ جو اسے چاہیے، اسے یہ خود آگے سونپنا چاہتی ہے۔ عائشہ نے امی کو کچھ نہ بتایا اور ٹال مٹول دیا۔

عائشہ نے اپنی امی سے کہا کہ میں پانچ چھ دن کالج نہیں جاؤں گی۔

عائشہ کی امی لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی اور عائشہ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی جس سے ان کے گھر کا خرچہ چل رہا تھا اور ساتھ ان کے ابو کی میڈیسن کا بھی بندوبست ہو رہا تھا۔ عائشہ کی امی خود چاہتی تھی کہ عائشہ بہت زیادہ پڑھے۔ اسی لیے اسے چھٹی بھی نہ کرنے دیتی۔ رات کا انتظار کرنے والی انم آج گہری نیند سو رہی تھی۔ آج جی بھر کے سو رہی تھی انم۔۔۔۔ عائشہ اور انم ایک دوسرے کی جان تھیں۔ انم کے گھر والوں نے کافی انم سے کہا۔ عائشہ کا پیچھا چھوڑ دو یہ غریب لوگ بہت لالچی ہوتے ہیں۔

لیکن انم بہت غصے میں جواب دیتی کہ میری عائشہ کے بارے میں کوئی بات نہ کرے اور سب چپ ہو جاتے۔

انم کو خواب آیا کہ عائشہ رو رہی ہے۔

اور روتے ہوئے غزل پڑھ رہی ہے۔

بھلانے سے جو بھولے نہ وہ کہانی چھوڑ جاؤں گی
زمانے بھر کی آنکھوں میں پانی چھوڑ جاؤں گی
لپٹ کر در و دیوار سے روئیں گے لوگ

میں اسی سوگ میں اپنی جوانی چھوڑ جاؤں گی
مناؤ گے کہاں تک تم میری یادیں، میری باتیں
میں ہر موڑ پر اپنی نشانی چھوڑ جاؤں گی
میرے یہ لفظ مر کے بھی مجھے مرنے نہیں دیتے
میں چپ ہو کے بھی لہجے کی روانی چھوڑ جاؤں گی

انم کی جب آنکھ کھلی تو وہ کافی پریشان ہو گئی۔ اس نے فوراً عائشہ کو کال کی اور پوچھا۔

تمہیں کیا پریشانی ہے۔ کیوں اداس ہو؟ کیوں رو رہی ہو؟

عائشہ نے انم سے پوچھا؟ تم سے کس نے کہا کہ میں اداس ہوں؟ میں تو خوش ہوں؟

انم نے ڈانٹتے ہوئے کہا جھوٹ مت بولو اور سچ بتاؤ۔ عائشہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا

بس یار امی نے ڈانٹا ہے اور ابو کی طبیعت بھی کافی خراب ہے۔ اس لیے پریشان ہوں۔

انم نے کہا یار پریشان مت ہوا کرو۔ نہیں تو میں چین سے نہیں رہ سکتی۔

عائشہ مسکرائی اور کہا ٹھیک ہے میری جان۔ اب خوش؟

انم نے کہا ٹھیک یار، فون رکھتی ہوں۔ ابھی ثقلین کیلئے خط بھی لکھنا ہے۔

عائشہ نے دل پر ہاتھ رکھ کر خود سے پکا وعدہ کیا کہ وہ ثقلین اور انم کے درمیان حائل نہیں ہو گی۔ بلکہ ان کو ملانے میں مدد بھی کرے گی۔ ادھر ثقلین انم کے خط کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ابو کے موبائل سے عائشہ کو کال کی اور حال احوال کے بعد مقصد کی بات پر آیا۔ اس نے پوچھا۔ آپ کی دوست انم کیسی لڑکی ہے؟

عائشہ نے پوچھا۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہو؟

ثقلین نے سب کچھ عائشہ کو بتا دیا کہ وہ کس قدر انم سے پیار کرتا ہے۔ عائشہ بہت حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا۔

اگر آپ انم سے اتنا پیار کرتے ہو تو اس کے خط کیوں پھاڑے تھے؟

ثقلین نے کہا۔ نہیں پھاڑے تھے وہ تو انم کے سامنے ایک ڈرامہ تھا۔ اسے آزما رہا تھا۔ لیکن اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اس سے دور رہنا۔ عائشہ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ سچ سچ بتانا انم کیسی لڑکی ہے۔ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں دے گی۔ میری زندگی تو تباہ نہیں کرے گی۔

عائشہ نے کہا۔ بس کرو اب میری بات بھی سن لو۔ انم بہت اچھی اور وفادار لڑکی ہے۔ یہ آپ کا بہت خیال رکھے گی۔ مجھے خود سے بھی زیادہ اس پر اعتماد ہے۔

ادھر عائشہ انم کی تعریفیں کیے جا رہی تھی، ادھر ثقلین کے دل میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ بھوک والے نہیں خوشی والے چوہے تھے۔ اب دیکھیں نا چوہے بھی ہر قسم کے موجود ہیں تو کیا خوشی والے نہیں ہو سکتے۔ ثقلین نے فوراً عائشہ کو اللہ حافظ کہا اور خود انم کو دیکھنے میں کس قدر محو ہو گیا کہ موبائل بھی اس کے کان کے ساتھ ہی تھا جبکہ کال ختم ہو چکی تھی۔

جی ہاں۔ انم اپنے چھت پر بلیک ڈریس میں کھڑی تھی۔ ثقلین کے دل میں جو بجھا بجھا سا کرنٹ تھا اس کو نئی زندگی ملی صرف انم کو دیکھنے سے۔ آج تو انم کو بھی یقین ہو گیا کہ ثقلین بھی اس سے پیار کرنے لگا ہے لیکن وہ کیا جانتی تھی کہ آج کی آدھی رات وہ خود بھی روئے گی اور عائشہ کو بھی رلائے گی۔

فرینڈز۔ عائشہ کا اس کہانی میں بہت اہم کردار ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کا ذکر مجھے کہانی کے آغاز میں انم کے ساتھ کرنا چاہیے تھا لیکن کہانی میں ٹویسٹ (Twist) لانے کیلئے ایسا کرنا پڑا۔ کہانی تو مکمل ہی لکھوں گا۔ اس کا پل پل آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہو گا۔ انشاء اللہ۔

انم نے تحریر شدہ خط ثقلین کی طرف پھینکا۔ ثقلین نے خط اس انداز میں اٹھایا جیسے اسے ایسا کرتے ہوئے تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ یہ بات انم کو حیران کرنے پر مجبور کر گئی۔ اس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا جس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

تم آؤ کبھی دستک تو دو میرے در دل پر
پیار امید سے کم ہوا تو سزائے موت دے دینا۔

ثقلین جی۔ بتاؤ! کیوں ستا رہے ہو مجھے، میری غلطی ہی کیا ہے؟ میں آپ سے پیار کرتی ہوں جب سے آپ کو دیکھا ہے صرف آپ ہی کے خواب دیکھنے لگی ہوں اور سب سے اہم بات یہ کہ میں شادی بھی آپ سے ہی کروں گی۔ ورنہ تو۔۔۔اور اس سے بھی اہم یہ ہے کہ میں بہت حساس ہوں۔ آج تک مجھے کچھ مانگنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی جس کی خواہش کی وہ پہلے ہی مل گیا۔ آپ پہلے ہو جس کو اتنے دنوں سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

اس خط کا جواب مجھے ابھی چاہیے۔ ایک غزل کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

کر نہ دنیا غم کے حوالے مجھ کو
میں تبسم ہوں، تو ہونٹوں پہ سجالے مجھ کو
تو ملا ہے تو یہی خوف لگا رہتا ہے
پھر ملنا کسی الجھن میں نہ ڈالے تجھ کو
اس یقین پر ہی اندھیروں میں سفر جاری ہے
مل ہی جائیں گے کسی روز اجالے مجھ کو
تیری نفرت نے ہی تو مجبور کیا جینے پر
ان تیرا پیار کہیں مار نہ ڈالے مجھ کو

آپ کی انم۔

ثقلین یہ خط انم سے چھپ کر پڑھ رہا تھا۔ یہ خط پڑھتے وقت ثقلین کی آنکھیں خوشی سے نم ہو گئیں۔ اب ثقلین نے سوچا کہ اس کے پیار کا جواب دینا چاہیے لیکن ساتھ ہی اسے یہ خیال آیا کہ کہیں انم مجھ سے غلط توقع نہ رکھتی ہو۔ یہ خیال آتے ہی وہ انم کے سامنے ہوا اور کوئی کاغذ اس کے سامنے پھاڑ دیا اور اس کا خط اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ انم نے جب یہ دیکھا تو پاگلوں کی طرح رونے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور اس وقت وہ عائشہ کو بھی نہیں بتانا چاہتی تھی۔ کچھ دیر دیوار کے ساتھ کھڑی روتی رہی اور پھر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے عائشہ کو کال لگا دی اور خود روئے جا رہی تھی۔ عائشہ اسے چپ کروانے کی ناکامیاب کوششیں کیے جا رہی تھی۔ انم نے اپنی ہمت کو تھوڑی طاقت دے کر کہا کہ مجھے وہ گانا سناؤ۔ عائشہ جانتی تھی کہ کس موقع پر انم کو کون سا گانا سنانا ہے۔ عائشہ اپنی سریلی آواز میں شروع ہو گئی۔

ایسا لگا مجھے پہلی دفعہ، تنہا میں ہو گئی یارا۔
ہوں پریشان سی میں اب یہ کہنے کیلئے۔۔۔
تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کیلئے۔۔۔۔۔

یہ مکمل گانا سنا کے پھر عائشہ نے انم کو مخاطب کیا لیکن انم نے کہا۔

اور گانا سناؤ،

عائشہ نے دوسرا گانا نان سنانے کے بعد غصے میں انم سے کہا۔

چپ کرو اب نہ رونا۔ مجھے کہتی ہو کہ کبھی پریشان نہ ہوا کرو اور خود میرے سامنے روتی رہتی ہو۔ تمہارا ہر آنسو میرے دل پر گرتا ہے۔ اگر اب روئی تو میں بھی رو دوں گی۔ حالانکہ عائشہ بھی رو رہی تھی لیکن بہادر لڑکی ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

انم نے کہا۔ ٹھیک لیکن اک بار پھر سے گانا سناؤ پلیز۔ عائشہ نے گانا شروع کیا۔

درد دلوں کے کم ہو جاتے، میں اور تم گر ہم ہو جاتے۔
کتنے حسیں عالم ہو جاتے میں اور تم گر ہم ہو جاتے۔

یہ سنا کے عائشہ کی ایک سرد آہ نکلی جس سے ہر

کوئی اندازہ کر سکتا تھا کہ عائشہ رو رہی ہے۔ تو اس کی دوست اس کی جان انم کو کیسے نہ پتہ چلتا۔ انم عائشہ کو کچھ بولنے ہی والی تھی کہ عائشہ نے انم کو کہا۔

خبردار اگر مجھے آج رونے سے روکا تو۔ پھر دونوں مل کے دل کی بے ترتیب دھڑکن کی طرح روئیں۔ کچھ دیر بعد انم بولی۔

آج تو فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔ میں دیکھتی ہوں وہ کیسے نہیں مانتا۔

انم خود نہیں جانتی تھی کہ وہ یہ سب کیسے اور کیوں بول رہی ہے۔ کال کے بند ہونے کے بعد عائشہ نے ثقلین کی بہت ساری منتیں کیں کہا۔

انم کو نہ تڑپاؤ۔ ثقلین کی طرف سے گرین سگنل پا کر عائشہ نے انم کو میسج کیا کہ اب اسے خط لکھو۔ انم فوراً نیچے گئی اور کمرے میں بیٹھ کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔ تحریر ملاحظہ ہو۔

السلام علیکم! ڈیئر ثقلین، جواب دو میرے خلوص کا، نہیں تو ہر طرح کے نقصان کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔ اللہ حافظ۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ انم خط لیے نظریں بچا کر چھت پر پہنچی اور یہ خط ثقلین کے چھت پر پھینک دیا۔ ثقلین نے جب خط پڑھا تو فوراً قلم ہاتھ میں تھمائے کاغذ اور انم پر مہربان ہونے لگا۔ کاغذ کی غذا سیاہی ہے اور ثقلین اس کو اس کی غذا مہیا کر رہا تھا تو اس لیے کاغذ پر مہربان ہو رہا تھا اور انم کو پاس بلا کر اس پر مہربانی کرنے والا تھا۔ جی ہاں ثقلین نے خط پر لکھا کہ۔ وعلیکم السلام۔ میں دروازہ کھولتا ہوں، ابھی میری طرف آؤ۔ یہ لکھ کر اس نے خط انم کی طرف پھینک دیا۔

انم اس کا خط پا کر محسوس کر رہی تھی جیسے ہزاروں دنیا کی مکمل دولت اس کے ہاتھوں میں ہو اور جب اس نے خط پڑھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ یہ اس دنیا کی ہی نہیں بلکہ کوئی پری ہے جو اس وقت بلند فضاؤں میں پرواز کر رہی ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اب گھر سے کیسے نکلے کیونکہ ان کا چوکیدار بھی تھا۔ انم نیچے آئی اور ہال سے باہر جھانک کر دیکھا تو چوکیدار صاحب اپنی مبارک کرسی پر نہایت معصومیت سے اس عارضی دنیا کو عارضی طور پر چھوڑ کر کہیں اور بسیرا کیے ہوئے تھے۔ انم نے سوچا کہ اس کی تصویر بنائی ہوں۔ اگر جاگ بھی گیا تو ٹینشن نہیں۔ انم نے ایسا ہی کیا۔ اس کے موبائل کی تیز فلش سے بھی صاحب حقیقی دنیا میں واپس اپنا فرض نبھانے کیلئے نہ آئے۔ انم نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ وہ فوراً ثقلین کے گھر میں داخل ہو گئی۔ ثقلین پہلے ہی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر ان کے درمیان خاموشی نے اپنا ڈیرہ جمائے رکھا۔ پھر ثقلین نے انم کو کہا۔

کیا واقعی مجھ سے پیار کرتی ہو؟

انم نے اپنی خوشی سے بھیگی آنکھوں سے ہاں کا اشارہ کیا۔ ثقلین نے انم کو غلط کام کی دعوت دی۔ اس کام کی دعوت جس کو آج کے ماڈرن لوگ پیار میں جائز سمجھتے ہیں۔ انم یہ سنتے ہی سرد آہ لیتے ہوئے واپس اپنے گھر کو پلٹنے لگی تو ثقلین نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس سے کہا۔

اب سے آپ کی تمام آزمائشیں ختم ہو گئیں۔ اب میں تم پر آنکھ بند کر کے بھی اعتبار کر سکتا ہوں۔ سنو انم! میں تو اسی دن سے تم سے پیار کرنے لگا تھا جس دن سے تم کو دیکھا تھا۔ بس میں تم کو آزما رہا تھا کیونکہ تمہارے ساتھ پوری زندگی بتانے کا فیصلہ جو کرنا تھا۔ ہاں انم۔ میں تم سے ہی شادی کروں گا۔

یہ سب جب انم نے سنا تو ثقلین کے سینے سے لگ کر خوب روئی۔ روتے ہوئے کبھی اس کا ماتھا چومتی تو کبھی اس کے رخسار۔ ثقلین کو یقین ہو گیا تھا کہ واقعی انم اس سے کس قدر پیار کرتی۔ وہ ثقلین

سے پیار کرنے میں اس قدر محو تھی کہ ثقلین اپنا توازن برقرار نہ رکھ پایا اور وہ گرنے ہی والا تھا کہ پیچھے دیوار تھی۔ سو دیوار کے ساتھ جا لگا اور انم کو اس کا کام کرنے دیا۔ ثقلین نے انم سے کہا۔

اب تو میں تمہارے پاس ہوں رو کیوں رہی ہو؟

انم نے جواب دیا کہ پہلے آپ کی جدائی میں پریشانی سے روتی تھی، لیکن آج اتنی زیادہ خوشی ملی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ جیسے دل خوشی اور غمی ہر حال میں دھڑکتا رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کی آنکھیں بھی دل کی طرح خوشی اور غمی میں برستی ہی رہتی ہیں۔ دونوں نے خوب قسمیں، وعدے کیے، خوب پیار کی باتیں کی۔ ثقلین نے انم سے کہا۔

میں بھی تم سے اسی قدر پیار کرتا ہوں جس قدر تم کرتی ہو اور جب تک میری سانسوں میں سانسیں رہیں گی میرے پیار میں کمی نہ آئے گی اور مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی تم مجھے چاہو گی۔ ہمیشہ چاہو گی۔

جب انم نے ثقلین کے منہ سے مرنے کی بات سنی تو اس نے اپنی سرخ خوبصورت آنکھوں سے عجیب نظروں سے ثقلین کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔

اللہ کرے آپ سے پہلے میں اس دنیا سے جاؤں اور پھر دیکھوں کہ آپ میرے بغیر کیا کرتے ہو۔ ثقلین کی گود میں سر رکھے انم اس کے چہرے کو ہی دیکھے جا رہی تھی اور ثقلین سے کہہ رہی تھی

یہ رات میری زندگی کی عظیم ترین رات ہے۔ ثقلین! آپ نے مجھے سب کچھ دے دیا۔ آج مجھے اپنی گود میں سر رکھ کر سو جانے دو۔ ثقلین نے کہا انم آج سے ہم دونوں کی راتیں ہی عظیم ہوں گی۔ کیونکہ میں بہت جلد تمہیں اپنا بنا لوں گا۔

انم نے کہا کہ وہ کیسے۔

ثقلین نے کہا۔ میں اپنے ابو سے کہوں گا کہ ہم کسی اور شہر میں شفٹ ہو جائیں اور وہاں کوئی اچھا سا گھر کرائے پر لے کر تمہارا رشتہ مانگنے یہاں آئیں۔ پھر تم بھی کہنا کہ مجھے یہ لڑکا پسند ہے۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میرے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں۔

ثقلین کے ابو سیڑھیوں پر کھڑے سب سن رہے تھے۔

انم نے کہا۔

اگر آپ کے ابو نہ مانے تو؟

ثقلین نے کہا کہ میرے ابو ان والدین میں سے نہیں جو اولاد کی زندگی کی پرواہ کیے بغیر صرف اپنی زبان اور انا کی وجہ سے انہیں اندھیروں میں دھکیلتے ہیں اور بعد میں روتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی / بیٹے کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کاش ہم ان کی مرضی کے مطابق کوئی فیصلہ کرتے۔ وہ میرے ابو ہیں، میری کوئی بات نہیں ٹالیں گے۔ انم نے کہا۔

ایسا کب تک ہو جائے گا۔

ثقلین نے کہا۔ ابھی میں اپنے ابو سے بات کروں گا پھر تم کو بتاؤں گا۔

انم نے کہا۔ ٹھیک ہے اب مجھے تھوڑا سو لینے دو۔

دوستو! انم ثقلین کی گود میں سر رکھے سو گئی اور ثقلین انم کو دیکھ دیکھ کر اپنے دل کی بیٹری چارج کرنے لگا اور اس کے ابو بھیگی آنکھوں سے واپس چھت پر چلے گئے۔ ان کو اپنی کہانی یاد آنے لگی تو انہوں نے بھی اپنی جان کی گود میں سر رکھ کر وہیں سو گئے۔ فجر کی اذانیں شروع ہو گئیں۔

ثقلین نے انم کو پیار سے جگایا اور کہا کہ جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

انم نے آہستگی سے کہا۔ کہ اب تو مرنے کے بعد ہی جدا ہوں گے۔

وہ اٹھی اور پھر پاگلوں کی طرح اس کے ساتھ

لپٹ گئی اور اس کا ماتھا اور رخسار چومنے لگی۔ اس کے بعد انم واپس گھر کو لوٹی تو دروازہ بند تھا۔ یہ بالکل پریشان نہیں ہوئی، اس نے ہلکی سی دستک دی تو چوکیدار نے دروازہ کھولا اور شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ انم اور ثقلین نے نماز ادا کی اور سو گئے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں نیند سے بیدار ہوئے اور کالج کی تیاری شروع کی۔ ثقلین نے اپنے ابو سے وہ ساری بات شیئر کر دی جو کہ ان کو پہلے ہی پتہ تھی۔ انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

بیٹا میں تمہارے چچا کو کیا جواب دوں گا۔ وہ بیمار ہیں اور میں نے ان سے وعدہ بھی کر رکھا ہے کہ تمہاری اور عائشہ کی شادی ہوگی۔ اگر ان کو بھی انکار کروں تو یہ بات ان کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔

ثقلین نے کہا عائشہ سب سنبھال لے گی۔ میں نے اس بارے میں اس سے بات کی ہے۔ وہ خود بھی ایک کرنا چاہتی ہے۔

ثقلین کے ابو نے کہا۔ ٹھیک ہے، تم ابھی پڑھائی پر توجہ دو۔ اس کے بعد وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔ وہ بہت خوش ہو گیا اور کالج کیلئے روانہ ہو گیا۔ انم بھی اپنے کالج پہنچی اور عائشہ کا انتظار کرنے لگی کیونکہ اتنی بڑی خوشی انم کے دل میں تھی اور اس نے ابھی تک عائشہ کو نہ بتائی تھی۔ کافی انتظار کے بعد بھی عائشہ کالج نہ آئی تو اس نے عائشہ کو کال کی اور پوچھا۔

آج کالج کیوں نہیں آئی۔

عائشہ نے جواب دیا۔ میں نے کالج آج سے چھوڑ دیا ہے۔

انم چلائی۔ ارے پاگل ہو گیا؟ ایک ماہ بعد تمہارے پیپرز ہیں اور تمہاری تیاری بھی بہت اچھی ہے اور تم کہتی ہو کہ کالج چھوڑ دیا ہے۔

عائشہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ارے مذاق کر رہی تھی۔ تم تو سیریز Serious ہی ہو گئی۔ انم نے کہا پھر ٹھیک ہے اور کہا۔

میں نے تم کو خوش خبری سنانی ہے، پھر اس نے عائشہ کو رات والی ایک ایک بات سنا دی۔ عائشہ نے انم کو مبارکباد دی اور انم کی کلاس کا ٹائم ہو گیا تو وہ اپنا پیریڈ اٹینڈ کرنے چلی گئی۔ اور عائشہ اپنے ابو کی خدمت کرنے لگی اور وہ اسے دعائیں دینے لگے۔ عائشہ نے ابو سے کہا۔

اگر میری شادی ثقلین سے نہ ہوئی تو۔

اس کے ابو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بیٹا میں مر تو نہیں گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ثقلین کے ابو اور عائشہ کے تایا گھر داخل ہوئے۔ عائشہ کے ابو نے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے سوچا کہ اچھے ٹائم پر آئے ہیں۔ آج ان سے عائشہ اور ثقلین کی شادی کی بات کروں گا۔

حال احوال پوچھنے، بتانے کے بعد ثقلین کے ابو نے سر جھکائے کہا۔

بھائی میں آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ جانتے تھے کہ بچوں کی شادی کے بارے میں بات ہوگی۔

جی بالکل۔ بچوں کی شادی کے بارے میں بات تھی لیکن جو عائشہ کے ابو سوچ رہے تھے اس کے بالکل الٹ تھی۔

انہوں نے کہا جی ہاں حکم کریں۔

ان کے پاس عائشہ بھی بیٹھی تھی۔ عائشہ نے دل میں سوچا کہ ابھی تایا جان کو بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ابا جی کافی خوش ہیں۔ اور انہیں ابھی پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اس کی ہمت اجازت نہیں دے رہی تھی۔ ثقلین کے ابو نے کہا۔

بھائی میرا بیٹا کسی اور لڑکی سے پیار کرنے لگا ہے اور اس کی ضد ہے کہ وہ اسی سے شادی کرے گا۔ میں آپ سے کافی شرمندہ ہوں کہ میں اپنا وعدہ

پورا نہ کر سکا۔

یہ سنتا ہی تھا کہ عائشہ کے ابو کو زور کی کھانسی آئی اور وہ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روٹھ کر چلے گئے۔

عائشہ چلائی۔ ابو جی۔۔۔ ابو جی۔۔۔ اٹھیں ناں، کیوں چپ ہیں۔

ثقلین کے ابو کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ روتی عائشہ کو روتے روتے اپنے گلے سے لگایا اور مزید رونے لگے۔ ادھر عائشہ کی امی چائے پکڑے آئی تو جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو ان کے ہاتھ سے چائے گر گئی اور وہ عائشہ کے ابو سے لپٹ کر رونے لگی۔ رونے کی وجہ سے کافی عورتیں وہاں جمع ہو گئیں اور گھر میں کہرام سا مچ گیا۔ ثقلین کے پاس اپنا موبائل تو تھا نہیں، اس لیے اسے یہ خبر نہ ہو سکی۔ البتہ عائشہ نے انم کو خبر کر دی۔

انم اس وقت کلاس میں تھی۔ جب اس نے میسج پڑھا تو اس کے جسم میں اک کرنٹ کی سی لہر دوڑ گئی اور کالج سے چھٹی لے کر سیدھا عائشہ کے گھر گئی۔ دونوں دوست ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوب روئیں اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔ اور ثقلین گلی میں کھڑا انم کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد ثقلین نے دماغ سے کام لیا اور سوچا کہ شاید اسے کوئی ضروری کام ہو۔ اس لیے اپنے گھر پہنچا تو گھر کو بھی تالا تھا۔ وہ عائشہ کے گھر پہنچا تو وہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ گھر داخل ہوتے ہی عائشہ ثقلین کے گلے لگ کر خوب روئی۔ عائشہ نے زندگی میں پہلی بار ایسا کیا تھا۔ جب بندہ صدموں سے دوچار ہو تو کوئی سمجھ نہیں آتی۔ ثقلین کو پتہ چل چکا تھا کہ عائشہ کے ابو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ انم، عائشہ، ثقلین کے ابو، امی اور عائشہ کی امی اور کچھ عورتیں دیوانہ وار رو رہے تھے۔ آخر ثقلین کے ابو نے نماز جنازہ کیلئے مناسب ٹائم مقرر کیا اور اعلان کروا دیا۔ نماز جنازہ اور کفن دفن کے بعد عائشہ، انم، ثقلین اور اس کے ابو، امی اور عائشہ کی امی قبر پر بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ بہت دیر کے بعد ثقلین کے ابو نے سب کو چلنے کیلئے کہا۔ لیکن عائشہ نہیں جا رہی تھی۔ ثقلین کے ابو نے ثقلین کو کہا۔

تم عائشہ کے پاس رہو، اسے لے کر آ جانا۔ ہم چلتے ہیں، انم کے والدین بھی اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

سب چلے گئے، ثقلین اور عائشہ دونوں قبر پر بیٹھے رہے، ثقلین نے عائشہ سے پوچھا۔

چچا کو کیا ہوا تھا۔

عائشہ نے سچ کو بڑی بہادری سے چھپاتے ہوئے کہا۔ ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور خود ٹوٹ کر رونے لگی۔ ثقلین نے اسے چپ کرواتے ہوئے کہا۔

فکر نہ کرو۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔ آپ اکیلے نہیں ہو۔ اگر ہم مر گئے تو پھر رو لینا۔ چلو اب چپ کرو اور گھر چلو۔ عائشہ کو اس کی باتوں سے کافی سہارا ملا۔ ثقلین عائشہ کو اپنے پہلو میں لیے گھر کو ہو لیا۔ عائشہ اور اس کی امی اب اس دنیا میں اکیلے تھے یا نہیں؟؟ یہ تو کوئی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ثقلین اور اس کے ابو کے ہوتے یہ کیسے بے سہارا ہو سکتے ہیں۔

ثقلین کے ابو کو بذات خود یہ بات کھائے جا رہی تھی کہ میری بات کی وجہ سے میرے بھائی کو صدمہ پہنچا اور ثقلین کے ابو نے عائشہ کو اپنی بھیگی آنکھوں سے مخاطب کیا اور کہا۔

بیٹا اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ اور اب جو تم کہو گی میں وہی کروں گا۔ تمہارا فیصلہ ہی چلے گا۔

عائشہ نے کہا انکل کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

جیسے اللہ کو منظور تھا۔ ویسے ہی ہوا۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں اور انکل میں ثقلین سے شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی کیونکہ میری دوست اسے پسند کرتی ہے۔ میری ایک گزارش ہے کہ مجھے اور میری امی کو اپنے گھر میں جگہ دے دیں۔

ثقلین کے ابو نے کہا۔ بیٹا تم نہ بھی کہو تو بھی ہم نے آپ لوگوں کو اکیلا نہیں رہنے دینا تھا۔ آپ لوگ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔

یہ سنا ہی تھا کہ عائشہ کے مرجھائے ہوئے گلاب کی طرح دل کو بہت سکون ملا۔ اس نے سوچا کہ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ اپنے پیار کو ہمیشہ دیکھتی رہوں گی اور ہمیشہ اپنی دوست کے ساتھ رہوں گی۔ یہ عائشہ کیلئے بہت ہی خوشی والی بات تھی اس کو اور تو کچھ نہ سوجھا بس پھر سے رونے لگی۔ اب یہ آنسو خوشی اور غمی کے بہہ رہے تھے۔ پھر ثقلین کے ابو نے اسے چپ کرواتے ہوئے ثقلین کی سوچ کے بارے میں عائشہ کو بتایا۔

وہ کہتا ہے کہ ہم کسی اور شہر میں شفٹ ہو کر انم کا رشتہ مانگنے یہاں آئیں۔

عائشہ نے کہا کہ ثقلین ٹھیک کہتا ہے، اس کے علاوہ تو وہ لوگ مانیں گے نہیں۔

اس کے انکل (ثقلین کے ابو) نے کہا کہ تمہارے چند دنوں بعد پیپرز ہیں وہ دے لو، اس کے فوراً بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے انکل نے گہری سانس لی اور بولے، بیٹا میرے پاس تو کرایے کا مکان لینے کے بھی پیسے نہیں، میں کیسے کروں گا یہ سب۔ ثقلین کی خوشی کیلئے میں نے ہاں تو کر دی لیکن اب میں پیسوں کا انتظام کیسے کروں گا؟ عائشہ فوراً بولی۔

انکل ہم نے آپ کے ساتھ رہنا ہے ناں تو ہمارے والا گھر بیچ دیتے ہیں اور کسی دوسرے شہر اپنا خود کا گھر لیتے ہیں۔

اس کے انکل بولے خبردار، اگر دوبارہ وہ گھر بیچنے کی بات کی تو۔ وہ گھر میرے بھائی نے بہت محنت اور محبت سے بنایا تھا۔ پھر پیار سے بولے بیٹا اللہ کوئی اور راستہ نکالے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ سب سونے کیلئے اپنے اپنے بستروں پر گئے۔ صبح ہوئی تو انم بھی عائشہ کے گھر پہنچ گئی۔

حسنین یہاں ایک بات کہنا چاہے گا کہ جو بھی کال کرتے ہیں کہتے ہیں، سب سے پہلے وہ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کہانی سچی ہے کہ نہیں۔ کمال نہیں ہو گیا؟؟؟؟

او خدا کے بندوں اور بندیوں، میں عمر دراز کی طرح اتنا بڑا رائٹر تو ہوں نہیں جو اپنے ذہن سے لکھ لکھ کر آپ کو رلاتا رہوں۔ یہ کہانی سچی ہے۔ سچی ہے۔ امید ہے اب یہ دوبارہ بتانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

عائشہ اور دوسرے سب لوگ چائے پی رہے تھے۔ جب انم اس کے گھر پہنچی۔ عائشہ نے انم کیلئے چائے بنانے کیلئے برتن دھونا چاہا لیکن انم نے معمول کے مطابق عائشہ کے ہاتھ سے اس کا چائے کا کپ پکڑ لیا اور نئی چائے بنانے سے روکا۔ یہ دونوں ایک کپ چائے کا ل کر پیا کرتی تھیں۔ عائشہ نے انم کو رات والی بات بتائی اور اسے اپنی ٹینشن بتائی۔

انم نے کہا یہ بھی کوئی ٹینشن والی بات ہے۔

انم اور عائشہ ثقلین کے ابو کے پاس گئیں اور انم نے کہا۔ ابو جی ایک بات کرنی ہے۔ وعدہ کریں کہ آپ برا نہیں مانیں گے اور میری بات بھی مانیں گے۔ انہوں نے کہا۔

جی بیٹا کہو کیا بات ہے؟

انم نے کہا۔ آپ عائشہ کا گھر مجھے فروخت کر دیں اور بعد میں میں اسے یہ گھر گفٹ کر دوں گی اور ہماری مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔

ثقلین کے ابو خاموش رہے۔ یہ دونوں ان

کے جواب کے انتظار میں ایسے کان لگائے ہوئے تھیں جیسے ایک عورت آہستگی سے بات کر رہی ہو تو دوسری عورت کان لگائے اس کی بات سنتی ہے۔ اور وہاں اگر کوئی مرد ہو تو وہ ان کی باتیں نہ سمجھ پائے گا کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں حالانکہ وہ پنجابی ہی بول رہی ہوتی ہیں۔ سرائیکی اور اردو وغیرہ بھی ہوسکتی، ضروری نہیں ایسا پنجاب میں ہی ہوتا ہو۔ کافی دیر بعد انم کے کانوں کو کوئی جواب موصول نہ ہو پایا تو وہ خود ہی بول پڑی کہ ابو! اب تو آپ نے مجھے اپنی بہو بھی تسلیم کرلیا ہے، پھر بھی میری بات نہیں مان رہے۔ اور ساتھ ہی بچوں کی طرح منہ بنا کے اپنا رخ دوسری جانب کرلیا، انہوں نے کہا بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔

انم بہت خوش ہوگئی۔

کہانی ذرا لمبی ہورہی ہے۔ سو کچھ باتیں سکپ کرتا ہوں۔ زندگی معمول سے چلنے لگی، انم اور عائشہ کے پیپرز ہوگئے اور ثقلین نے سوچا کہ وہ فیصل آباد شفٹ ہوں گے۔ وہاں جا کے نیو ایڈمیشن لے گا، اسی لیے وہ گھر میں ہی بیٹھ کر پڑھتا رہتا تھا۔ اس نے کافی سارا سلیبس کلیئر کرلیا تھا۔ اس کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال تھی اور عائشہ اور انم کی عمریں بائیس سال تھیں۔ اب انم نے اپنے ابو سے بات کی کہ مجھے ایک چھوٹا سا گھر گفٹ چاہیے، جو صرف میرا ہو اور میں نے فلاں فلاں گھر لینا ہے۔

اس کے ابو نے کہا، ٹھیک ہے میں کل ہی پراپرٹی ڈیلر سے بات کر کے خرید لوں گا۔

انم کے ابو نے ایک پراپرٹی ڈیلر کو کال کی اور کہاں کہ فلاں گھر ہے، اس کے بارے میں ابھی پتہ کرو اور مجھے بتاؤ۔ پراپرٹی ڈیلر نے وہ گھر عائشہ لوگوں سے خرید لیا اور ان کو مقررہ قیمت ادا کردی جو کہ عائشہ کے انکل نے کہا ہوا تھا۔ گھر کا تمام سامان بھی شامل تھا۔ اس لیے کافی زیادہ قیمت انہوں نے ڈیمانڈ کی اور ان کو مل گئی۔ عائشہ اور اس کی امی پیسے لے ثقلین کے گھر پہنچ گئے اور رقم ثقلین کے ابو کو تھما دی۔ ادھر وہ پراپرٹی ڈیلر انم کے گھر پہنچے اور انم کے ابو کو ملے اور گھر کی چابیاں ان کو تھما دیں۔ امیر بندے کا اور کوئی دوست ہو نہ ہو پراپرٹی ڈیلرز ضرور دوست بن جاتے ہیں اور یہ بھی انم کے ابو کے دوست تھے۔

انم کے ابو نے اپنے دوستوں سے کہا۔

کیا کروں یار ہزار رشتے آئے ہیں انم کیلئے لیکن اسے کوئی پسند ہی نہیں آتا، مجھے اس کی کافی فکر ہے۔ یہی باتیں چل رہی تھیں کہ انم آگئی اور چابیاں لے کر باہر چلی گئی۔ امی کو بتایا۔

میں عائشہ کے دوسرے گھر جارہی ہوں۔

فرینڈز پھر بتاتا ہوں کہ چند باتیں میں چھوڑ رہا ہوں۔ مثلاً انم کی امی کو کیسے پتہ چلا کہ عائشہ لوگوں نے گھر بیچ دیا ہے وغیرہ۔ امی نے اس کو اجازت بھی دے رکھی تھی، گھر گفٹ کرنے کی۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر سے نکلی اور ثقلین کے گھر داخل ہوگئی۔ سب چائے پی رہے تھے جیسے ابھی میں نے پی تھی لیکن میرے دونوں کپ چولہے سے گر گئے اور پورے کمرے کو مشکل میں ڈال دیا اور شکر ہے امی ابھی سورہی ہیں نہیں تو کچھ کھانے کو مل جانا تھا۔ صبح کی خیر ہی ہے، میں ویسے بھی گھر سے ایک مہینے کیلئے جارہا ہوں اس لیے بچ جاؤں گا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کمرے کو کیسے مشکل میں ڈالا۔ جب اس کو ٹھنڈے پانی سے نہانا پڑے گا تو مجھے ہی کوسے گا ناں۔ عائشہ نے اپنا کپ انم کو تھماتے ہوئے کہا۔

آج خوش نظر آرہی ہو۔ کیا بات ہے؟

انم نے اس کو اس کے گھر کی چابیاں گفٹ کیں اور اپنی دوستی کا ثبوت دیا۔ ثقلین نے انم کو چھیڑتے ہوئے کہا کبھی ہمارا کپ بھی تھام لیا کرو۔ مجھ سے

کون سا تمہیں جراثیم لگتے ہیں۔ سب پاس تھے اس لیے چپ رہی لیکن انم نے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ صبر کرو بچو! میں آپ کا کپ کیا آپ کو ہی اس قدر تھام لوں گی کہ سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ اتنا پیار دوں گی کہ سب بھول جائیں گے آپ۔ ثقلین بھی سمجھ رہا تھا کہ انم کچھ کہہ رہی ہے۔

ثقلین نے ابو سے کہا۔

میرے چھٹی کے دن ضائع ہو رہے ہیں۔ جلدی ہی ہمیں یہاں سے جانا چاہیے۔

انم گھر چلی گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی۔ عائشہ کو کمرے میں بلایا اور اسے کچھ ڈبہ سا تھمایا اور کہا کہ یہ ثقلین، میرے اور تیرے گھر کیلئے میری طرف سے اور خود چلی گئی۔ عائشہ نے وہ ڈبہ ثقلین کو اور اپنے انکل کو دیا۔ اس میں کافی پیسے تھے۔ ثقلین اور اس کے ابو آج فیصل آباد روانہ ہو گئے وہاں کوئی گھر دیکھنے گئے تھے۔

قصہ مختصر ترین ان کو وہاں ایک گھر پسند آیا اور انہوں نے خرید لیا اور وہاں اپنا سارا سامان شفٹ کر لیا، جس میں عائشہ لوگوں کا سامان بھی شامل تھا اور انم کے گھر اس کا رشتہ مانگنے گئے۔

انم نے امی کو کہا میں نے یہیں شادی کرنی ہے تو اس کی امی بہت خوش ہوئیں کہ شکر ہے انم مان تو گئی۔ اور اس نے ابو کو بتایا، اس کے ابو نے کہا یہ غریب ہیں۔

اس کی امی نے کہا تو کیا ہوا۔ ان کو ہاں بول دی، انم کے گھر والوں نے۔ انم نے ایک بہت اچھا موبائل فون ثقلین کی امی کو دیا کہ یہ گفٹ ثقلین کیلئے، یہ سب چوری کیا انم نے۔ کیا یار چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بتانی پڑتی ہیں، اب آپ لوگ بچے تو ہیں نہیں۔ ثقلین کے والدین خوشی خوشی گھر آ گئے۔ ثقلین اور عائشہ بڑی بے صبری سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے گھر آتے ہی ثقلین نے پوچھا۔

کیا جواب ملا۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ مان گئے۔ ادھر ان کے جانے کے بعد انم کے ابو نے کہا کہ مجھے یہ رشتہ بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ انم نے بھی کہہ دیا کہ ابو زندگی میں نے بتانی ہے نہ کہ آپ نے۔ انم کے ابو مان تو گئے لیکن مشکل سے، شادی کی تاریخ فکس ہو گئی، ان دونوں کے ساتھ عائشہ بھی خوش تھی کہ وہ اپنے پیار کی قربانی دے کر دوستی کیلئے۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا جس کا انم اور ثقلین کو مہینوں سے انتظار تھا۔

عائشہ نے ان کی شادی پر وہی گانا گایا جو ابھیشک بچن نے کرشمہ کپور کی شادی پر گایا۔

تیرے ماتھے کی بندیا چمکتی رہے
تیرے ہاتھوں کی مہندی مہکتی رہے
تیرے جوڑے کی رونق سلامت رہے
تیری چوڑی ہمیشہ کھنکتی رہے
مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری
صدا خوش رہو یہ دعا ہے ہماری۔

ثقلین اور انم اب ایک ہو چکے تھے۔ ان کے خواب پورے ہو چکے تھے۔ ثقلین سے انم تقریباً چار سال بڑی تھی لیکن ثقلین کو آپ کہہ کر پکارتی اور ثقلین انم کو تم کہہ کر پکارتا تھا۔ خیر ان کی زندگی مزے سے گزر رہی تھی۔ وقت کا ٹائر تیزی سے بل کھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور انم کو اولاد اور ان زندگی میں اب ایک اور فرد کا اضافہ ہونے والا تھا۔ جی ہاں ثقلین باپ بننے والا تھا۔ انم کی حالت کافی نازک ہو چکی تھی۔ ثقلین ڈاکٹر کو بلانے گیا اور عائشہ انم کو اپنے کمرے میں لے گئی اور بیڈ پر لٹا دیا اور ثقلین کا انتظار کرنے لگی۔ ثقلین جلدی ہی لیڈی ڈاکٹر کو لے آیا۔ اللہ نے ان کو چاند سا بیٹا عطا کیا۔ انم اور عائشہ بہت ہی خوش تھیں اور پورے گھر میں خوشی ہی خوشی تھی۔ لیکن کون جانتا تھا

کہ خوشی کے بعد انہیں کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انم کے پاس اس کی امی بھی چند روز پہلے آئی ہوئی تھیں۔ ادھر جب انم کے بھائیوں کو پتہ چلا کہ ثقلین لوگ بھی ہیں تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ انہوں نے ثقلین کو کال کی کہ ابھی یہاں آؤ، پھر مل کر واپس چلیں گے۔ ثقلین نے اپنی امی سے اجازت لی ملنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ انم نے تکیے کے نیچے پڑی ڈائری کو کھولا اور پڑھنا شروع ہو گئی۔

یہ ڈائری عائشہ کی تھی اور اس میں ثقلین، انم اور عائشہ کے بارے میں سب کچھ تحریر کیا ہوا تھا عائشہ نے۔ اس کی زندگی کا پل پل لکھا ہوا تھا کہ وہ کس قدر ثقلین سے پیار کرتی ہے اور اپنی دوست انم سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ اس وقت عائشہ اور ثقلین کی امی بازار گئے ہوئے تھے اور انم نے سب کچھ پڑھ لیا۔ انم کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ آنکھوں سے سیلاب کی طرح آنسو۔ وہ عائشہ عائشہ پکار رہی تھی اور تڑپ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی لیٹا ہوا ننھا منا اس کا بچہ بھی رونے لگا۔ اس کی امی نے فوراً بچے کو اٹھایا اور عائشہ کی امی نے انم کو سنبھالا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے انم بہت تکلیف میں ہو۔ وہ بار بار عائشہ کا نام ہی لے رہی تھی۔ صد شکر کے عائشہ گھر پہنچی اور سیدھا اسی کمرے میں پہنچی۔ انم اسے دیکھ کر دیوانوں کی طرح رونے لگی، اس کو اپنی دونوں بانہوں میں آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ عائشہ فوراً انم کی بانہوں میں آ گئی۔ انم اس کا چہرہ چومنے لگی اور ساتھ ہی بہت زیادہ آنسو اور آہیں نکل رہی تھیں انم کی۔ عائشہ اس سے پوچھنے لگی۔

آخر ہوا کیا ہے، کچھ تو بتاؤ۔

انم کی سانسیں بہت تیز ہو رہی تھیں۔ ثقلین کے ابو ڈاکٹر کو لانے کیلئے فوراً بازار گئے۔ انم نے عائشہ کو ڈائری کا اشارہ کیا تو عائشہ بھی دیوانگی کی سی حالت میں رونے لگی اور انم کے ساتھ لپٹ کر خوب روئی۔ انم نے اس سے کہا۔

میری باتیں دھیان سے سنو، میرے پاس وقت بہت کم ہے، تم نے میری خاطر ثقلین کو چھوڑا تھا ناں، آج میں تمہارے لیے ثقلین کو چھوڑ کر جا رہی ہوں ہمیشہ اور اس بچے کو جب دیکھو تو سمجھنا کہ یہ انم ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے ناراض ہوں، مجھے تم پر فخر ہے کہ مجھے تم جیسی دوست ملی۔ بس تم مجھے یاد رکھنا اور میری اور اپنی جان کا خیال رکھنا۔ وہ دن یاد رکھنا جب ہم کالج میں مل کر بیٹھا کرتی تھیں، ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہا کرتی تھیں، ایک دوسرے۔۔۔ عائشہ نے چیختے ہوئے کہا۔

بس کرو انم خدا کیلئے بس کرو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی ڈاکٹر آتا ہوگا۔ میں تم کو کچھ نہیں ہونے دوں گی۔

ادھر ثقلین کے ابو کو ایک تیز رفتار کار ٹکر مار کر غائب ہو گئی اور ان کی موقع پر موت واقع ہو گئی۔ اور جب ثقلین منڈی میں پہنچا تو انم کے بھائیوں نے اس کا استقبال کیا اور کمرے میں بٹھا دیا۔ ادھر انم آخری سانسیں لے رہی تھی اس نے کہا

میری ثقلین سے بات تو کروا دو۔

عائشہ نے فوراً ثقلین کو کال لگائی اور انم کے کان کے ساتھ موبائل لگایا۔ ثقلین کی آواز سن کر انم کچھ نہیں بول پا رہی تھی۔ ثقلین نے انم کی سانسیں محسوس کیں اور بولا۔

ہمارا بیٹا کیسا ہے اور تم کیسی ہو۔

انم کچھ نہیں بولی اور سنتی رہی، وہ تو ثقلین کی بانہوں میں ہی دم توڑنا چاہتی تھی لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پھر انم نے بہت مشکل سے بولنے کی کوشش کی اور ثقلین سے کہا۔

میری عائشہ کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ اس نے ہمارے لیے بہت قربانیاں دی ہیں اور اس کو ہمیشہ

خوش رکھنا۔ ثقلین نے جب اس کی حالت محسوس کی تو دیوانوں کی طرح رونے لگا اور انم کو کہنے لگا۔

پلیز انم ایسی باتیں مت کرو اور تم ابھی۔۔۔۔

انم نے ثقلین کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اپنا ہاتھ آگے کرو۔

ثقلین نے ایسا ہی کیا اور انم نے خیالی طور پر ثقلین کا ہاتھ چوما اور خالق حقیقی سے جاملی۔ عائشہ نے جب یہ دیکھا تو پاگلوں کی طرح رونے لگی اور عائشہ انم کے رخسار تھپتھپانے لگی اور کہنے لگی۔

انم اٹھو۔ تم ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ تم ایسا نہیں کر سکتی۔ یہ کام تو میں نے کرنا تھا جو تم نے کر دیا۔ انم اٹھو۔ خدا کیلئے اٹھو! میں تمہاری یادیں کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ میری زندگی کا ہر اک پل تمہارے ساتھ جڑا ہے۔ انم اٹھو، مجھ سے گانا سنو۔

اس کے ساتھ ہی عائشہ بے ہوش ہوگئی۔

عائشہ، انم اور ثقلین کی امی بھی روئے جا رہی تھیں۔ ثقلین کی امی نے فوراً عائشہ کو بٹھایا اور پانی پلایا لیکن وہ ابھی بھی بے ہوش ہی تھی۔

ادھر ثقلین فون پر سب سن رہا تھا اور یہ بھی عائشہ کی طرح تڑپ تڑپ کے پاگل ہو رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے فوراً انم کے بھائیوں کو بتایا اور کہا۔

جلدی چلو مجھے میری انم کے پاس لے چلو۔

انم کے بھائیوں نے ثقلین پر پستول تان لیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ کیوں کیا۔ کیوں کہا کہ تم ہماری ذات کے ہو، حالانکہ تم کچھ اور ہو۔ ثقلین رو رہا تھا اور ان سے کہنے لگا۔

خدا کیلئے مجھے معاف کر دو اور ابھی جانے دو، مجھے میری انم کے پاس جانے دو۔ لیکن ان کو ذرا رحم نہ آیا اور وہ کہنے لگے۔

اب تم اپنی آخری سانسیں لے لو۔

ثقلین نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے اور کہا مجھے کچھ نہ کہو، میرے ابو اور امی بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کا میرے علاوہ کوئی نہیں اور پھر خوب رویا۔ وہ تین تھے اور ان میں سے ایک بولا۔

تمہارے ابو اور انم کو تو ہم نے ٹھکانے لگا دیا ہے اب تمہاری باری ہے۔ انم کو ہم نے زہر دیا اور تمہارے ابو کو کار سے بچا رہے مارا۔

یہ سنتا ہی تھا کہ ثقلین واقعی ہی عارضی پاگل ہو گیا اور اپنا سر دیوار کے ساتھ زور زور سے مار رہا تھا اور اس کے سر سے کافی خون بہہ رہا تھا۔ وہ سب ہنس رہے تھے۔ ثقلین نے بجلی کی سی تیزی سے ان سے پستول چھین لیا اور ایک کے گلے میں گولی مار دی، دوسرے دو اس سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ثقلین نے پھر ایک کے سر پر گولی چلا دی۔ ثقلین اب دو کو ان کے انجام تک پہنچا چکا تھا۔ تیسرا ثقلین کے سامنے رونے لگا اور معافی مانگنے لگا لیکن ثقلین کی دنیا تو کب کی اجڑ چکی تھی۔ وہ بھلا ان ظالموں کو کیسے بخش سکتا تھا۔ ثقلین کسی زخمی شیر کی طرح اس پر لپکا اور اسے کے مار مار کر اس کا منہ سوجا دیا اور پھر اس نے اس کا منہ کھولا اور اس میں گولی چلا دی۔ اتنے میں ایک اور آیا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

کام ہو گیا۔

ثقلین سمجھ گیا تھا کہ یہ کیا کر کے آ رہا ہے۔ ثقلین نے فوراً اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ یوں ثقلین نے اپنی انم اور اپنے ابو کی موت کا بدلہ لے لیا۔ لیکن اس کے سر سے خون بہنے کی وجہ سے یہ کافی کمزور ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے سر کو کسی کپڑے کے ساتھ باندھا اور فیصل آباد جانے کیلئے اڈے پر کھڑا تھا۔ اسے کوئی گاڑی نہیں مل رہی تھی۔ بہت پریشانی کے عالم میں کھڑا رو رہا تھا۔ میں اپنے کالج سے نکل کر اکیڈمی جا رہا تھا کہ اس (ثقلین) نے مجھے روکا اور کہا۔

میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور میں نے فیصل آباد جانا ہے اور ساتھ ہی رو پڑا۔

میں نے کہا" بھائی اس میں رونے والی کیا بات ہے یہ لو پیسے اور گھر جاؤ"

اس نے کہا یہ پیسے بہت کم ہیں، مجھے ٹیکسی کرنی ہے، بہت جلدی ہے اور ساتھ ہی کچھ باتیں بتائیں۔ میں نے سوچا کہ یہ سچ کہہ رہا ہوگا، اس کی مدد کرنی چاہیے۔ میں نے فوراً ایک ٹیکسی والے کو روکا اور اس کے ساتھ بات کرنے لگا۔ اچانک ثقلین بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ اٹھا۔ میں نے اور ڈرائیور نے ثقلین کو کار میں رکھا اور فیصل آباد کیلئے روانہ ہوگئے۔ میں نے ثقلین کی جیب سے اس کا موبائل نکالا اور ڈائل نمبر میں سے پہلا نمبر نکالا اور اس پر کال کی۔ ایک عورت نے کال اٹینڈ کی۔

میں نے پوچھا۔ آپ کا ثقلین سے کیا رشتہ ہے۔ وہ بولیں کہ وہ میرا بیٹا ہے اور ساتھ ہی پوچھنے لگی کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے۔

میں نے انہیں سب بتا دیا اور کہا کہ اپنا ایڈریس بتائیں۔ مختصراً ہم ثقلین کے گھر پہنچے۔ ثقلین بھی اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے سب کچھ عائشہ اور دوسرے گھر والوں کو بتا دیا کہ انم کی موت کیسے ہوئی ہے اور میرے ابو کی موت کیسے ہوئی۔ اس کی باتیں سن کر میرے سمیت سب زور سے رو پڑے تھے۔ ثقلین میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی وہ چارپائی پر ہی پڑا رہا اور مجھے اشارہ کیا۔ میں جب اس کے پاس گیا تو کہنے لگا انم کی چارپائی میرے قریب لاؤ۔ عائشہ ثقلین کے سینے پر سر رکھے روئے جا رہی تھی۔ میں نے اور ثقلین کی امی نے انم کی چارپائی کو اٹھا کر ثقلین کے قریب رکھ دیا۔ ثقلین نے انم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور چومنے لگا۔ میں نے ثقلین کی آنکھوں میں انم کیلئے پیار دیکھا تو میرے آنسو بھی نکلنا شروع ہوگئے۔ میں نے سوچا کہ ایک ذات کے تقاضے کی وجہ سے اتنے لوگوں کی زندگی تباہ ہوگئی۔ بس یہی دعا ہے کہ یا ذات، پات ختم ہو جائے یا پھر پیار، عشق اور محبت ختم ہو جائیں۔ ثقلین نے ایک بار پھر مجھے اشارہ کیا اور روتے ہوئے میرا ہاتھ چوم کر کہنے لگا۔

میں جا رہا ہوں۔ ہمارا جنازہ بھی یہاں کوئی نہیں پڑھنے والا۔ میرے بھائی یہ کام تم کر کے جانا اور ہاتھ جوڑ کر مجھے کہہ جا رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ تھامے اور کہا۔

بھائی میں یہیں ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ اللہ سب اچھا کرے گا۔

ثقلین کو جب یاد آیا کہ اس کے ابو کا حادثہ ہوا ہے تو وہ فوراً اٹھا لیکن پھر اسی رفتار سے واپس گر گیا، مر گیا۔ جی ہاں ثقلین بھی اس دنیا سے چلا گیا۔ عائشہ، عائشہ کی امی چلائیں۔ عائشہ زور سے ہنسی اور اٹھ کر چھت پر چلی گئی۔ اس کی امی اس کے پیچھے چھت پر گئی اور اسے نیچے آنے کو کہا لیکن عائشہ نے جواب دیا۔ تم ہو کون؟ میں کیوں تمہارے ساتھ جاؤں۔ عائشہ اپنا دماغی توازن کھو چکی تھی۔

انم کی امی نے کہا کہ اب میرا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہا جہاں وحشی لوگ رہتے ہیں۔ میرے پاس رقم اتنی نہ تھی کہ ان کے کفن دفن کا انتظام ہو سکتا ۔ میں نے اپنے دوست کو کال کی اور اسے کہا۔

کچھ پیسے فوراً مجھے ایزی پیسہ کرواؤ اور میں فیصل آباد بازار پہنچا تو ایک جگہ ہجوم تھا۔ دیکھا تو سوچا کہ یہی ثقلین کے ابو ہوں گے۔ میں نے ان کو موبائل سے دیکھا تو اس میں ثقلین کا نمبر اور تصویریں تھیں۔ مختصراً میں نے اور چند لوگوں نے ثقلین، انم اور اس کے سسر کا جنازہ ادا کیا۔ پھر میں نے ثقلین اور عائشہ کی امی سے ان تینوں کے بارے میں تفصیل سے پوچھا۔ انہوں نے مجھے ہر بات

بتائی۔

باقی ان تینوں کی ڈائریاں بھی تھیں۔ میں نے سب پڑھیں اور رو رو کے برا حال کیا۔ انم کا ایک بھائی یہاں میرے ہونے آیا اور روتے ہوئے کہا کہ امی اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا تک نہیں۔ مختصراً وہ بہت رویا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں تین روز وہاں رہا اور عائشہ کے علاج کے بعد وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اگر عائشہ ٹھیک نہ ہوتی تو میں یہ کہانی اس انداز سے نہ لکھ پاتا کیونکہ عائشہ نے مجھے ایک ڈائری دی جو اس نے چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ اس میں اس نے اپنی، انم اور ثقلین کی زندگی کے بارے میں ہر ہر بات لکھی ہوئی تھی۔

عائشہ انم کے بچے کو اپنا بیٹا سمجھتی ہے اور انم کا بھائی اور امی اب عائشہ، اس کی امی اور ثقلین کی امی کے ساتھ مل کر رہنے لگے۔ آخر میں، میں نے ان سے اجازت لی اور گھر آنے سے پہلے ایک بار قبرستان گیا اور ثقلین اور انم کی قبر پر فاتحہ پڑھا اور ان کی قبر کی تصویر بنالی۔ گھر آ کر امی نے پوچھا۔

کہاں تھے اتنے دن اور میرے بھائی ثقلین نے امی کو چھتری لا کر دی۔ تین چار کمر پر چھتریاں پڑ ہی گئیں۔ میرے اپنے بھائی کا نام بھی ثقلین علی ہے۔ کافی دن پہلے تک عائشہ سے رابطہ تھا اور کبھی کبھی وہ مجھے فون کرتی اور خوب رو دیتی۔ کہتی کہ آج انم اور ثقلین کی بہت یاد آ رہی ہے لیکن کافی دنوں سے اس کا نمبر بند ہے۔ اللہ خیر کرے

آخر پر سب دوستوں، بہن بھائیوں سے گزارش ہے کہ ثقلین، انم اور اس کے ابو کیلئے دعائے مغفرت کریں کہ اللہ ان کو جنت میں نبی کریم ﷺ کا پڑوس نصیب کرے۔

یہ کہانی لکھتے وقت میں نے 120 کپ چائے پی ہے۔ ان 120 کپ میں وہ دو کپ شامل نہیں ہیں جو ضائع ہو گئے تھے۔

بتانے کا مقصد موڈ فریش کرنا ہے ایک گانے کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔ باتیں یہ بھی نہ تو بھولنا

کوئی تیرے خاطر ہے جی رہا جائے
تو کہیں بھی یہ سوچنا کوئی تیری خاطر ہے جی رہا
تو جہاں جائے محفوظ ہو، تو جہاں جائے محفوظ ہو

کتنے رنج و ملال رکھتا ہے
دل کے شیشے میں بال رکھتا ہے
میں محبت کمال رکھتی ہوں
وہ رنجشیں کمال رکھتا ہے
کمال شخص ہے آج کی باتیں
کل پہ وہ ٹال رکھتا ہے
ہے وہی کامیاب دنیا میں
ماضی رکھتا ہے حال رکھتا ہے
تجھ کو خوشیاں نڈھال رکھتی ہیں
مجھ کو غم نڈھال رکھتا ہے
مجھ کو تاریکیاں نہیں بھاتیں
وہ بھی روشن خیال رکھتا ہے
اونچے محلوں کو دیکھ کر مفلس
لب پہ کتنے سوال رکھتا ہے
میرے جیسے کی دل نشیں سی یادیں
کون دل میں سنبھال رکھتا ہے
نائلہ حرص و ہوس کی دنیا میں
کون کسی کا خیال رکھتا ہے

نائلہ طارق۔ لیہ۔

میرا بس چلے تو آپ کی یادیں خرید لوں
اپنے جینے کے واسطے آپ کی باتیں خرید لوں
کر سکوں جو ہر وقت دیدار آپ کا
سب کچھ لٹا کر وہ نگاہیں خرید لوں

☆ ——— فرحانہ خان۔ وہاڑی

عادت

تحریر۔محمد رضوان آرآ کاش۔سلانوالی۔0303.0164150

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں اس دکھی نگری میں ایک بار پھر ایک کاوش لے کر حاضر ہوا ہوں اور مید کرتا ہوں کہ آپ اس کو پڑھ کر ضرور اداس ہو جائیں گے پیار محبت عشق ایک پاس صاف اور سچا جذبہ ہے جو ہمارے دل کو سکون اور دن رات کو خوشگوار بنا دیتا ہے مگر کچھ لوگوں کی وجہ سے اس رشتے کی کوئی قدر قیمت نہیں رہی اور لوگ اس کو دکھ درد سمجھتے ہیں۔قارئین میں نے اس کہانی کا نام۔عادت رکھا ہے۔امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی پڑھتے ہوئے آپ اسکے سحر میں ڈوب جائیں گے۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

یہ جو قصہ میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں یہ میرے ایک دور کے دوست کا ہے جس کے ساتھ میری کوئی دوستی تو نہیں مگر جب سے اس کے بارے میں مجھے علم ہوا ہے میں اس کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

قارئین اکرام مطلب پرست بے وفا دھوکے باز اور ٹائم پاس کے لیے تو آپ کو بہت سارے دوست مل جائیں گے مگر جب کوئی سچا پیار کرنے والا ملے تو اس کے جذبات کو ٹھیس مت پہنچاؤ اس کی قدر کرنا ورنہ آپ بھی ساری عمر نا اسکے ہی ہو کر رہو گے ایسی ہی کہانی میرے عزیز کی ہے آئے اس کی زبانی سنتے ہیں۔

بہت سوچا بہت سمجھا بہت ہی دیر تک پرکھا
کے تنہا رہ کر جی لینا عشق سے تو بہتر ہے

میرا تعلق ضلع سرگودھا کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے اس گاؤں کا تمام نام فرضی ہیں میرا نام رضوان ہے اور میری پیدائش ایک مڈل گھرانے میں ہوئی سب کی آنکھ کا تارا تھا چار سال کی عمر میں ہی مجھے گاؤں کے سکول میں داخل کروا دیا گیا تھا پڑھائی میں اچھا تھا شرارتی بھی تھا اگر موقع ملتا تو لڑائی جھگڑا کرتا تھا وقت گزرتا گیا میرے کلاس فیلو میں سے مجھے محمد رفیع۔محمد اقبال۔محمد عابد۔اور نعیم اقبال۔بہت پسند تھے اور یہ میرے اچھے دوست تھے جو 10th تک میرے ساتھ رہے پڑھائی ہوتی رہی میں نے جب نویں کلاس میں تھا تو جب میں نے نویں کلاس میں پیپر دیئے کچھ نمبروں کی وجہ سے فیل ہو گیا تو رشتے داروں کی باتیں لوگوں کی باتیں سننا پڑتی تھی پہلے یہ قانون تھا کہ اگر کوئی نویں کلاس سے فیل ہو جاتا تو اس کو دسویں میں بٹھا دیا جاتا اور میں نے نویں اور دسویں کلاس کے اکٹھے پیپر دیئے تھے مگر پھر بھی فیل ہو گیا تو مجھے گھر سے بہت باتیں سننی پڑیں اور رشتے داروں کے طعنے کہ تم صرف لوگوں کا مذاق ہی اڑا سکتے ہو پڑھنا تیرے بس کی بات نہیں ہے ہر طرف سے میری بے عزتی ہو رہی تھی تو میں نے تنگ آ کر گھر سے

بھاگنے کا سوچا اور گھر سے بھاگ کر لاہور آ گیا ایک پرائیویٹ فارم میں کام کرنے لگا یہاں میرے گاؤں کے اور بھی ایک دو لڑکے کام کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ ستائیس سو ماہانہ پر کام کرنے لگا میں آٹھ بجے ڈیوٹی پر جاتا اور رات کو دس بجے واپس آتا تھا اس دور میں مجھے گھر والے بہت یاد آئے آتے مگر گھر واپس بھی نہیں جا سکتا تھا ڈرتا تھا کہ ابو ماریں گے وہاں میں نے دو ماہ کام کیا اور میرے گاؤں والوں نے میرے گھر میرا پتا دیا تو میرے ابو نے میاں طاہر کے نمبر پر فون کیا اور کہا۔

رضوان سے بات کرواؤ اس نے میرے ساتھ بات کروائی تو ابو بولے۔

بیٹا واپس آ جاؤ اور پڑھ لو کب تک ملوں میں دھکے کھاؤ گے۔

میں نے کہا نہیں ابو جی میں اب پڑھ نہیں سکتا اور پانچ چھ دن بعد عید پر ہی آؤں گا آپ جو کہو گے کر لوں گا مگر پڑھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔

ابو نے کہا ٹھیک ہے تم عید پر آ جاؤ

میں نے کہا ٹھیک ہے۔

جب واپس عید پر گیا تو بہت شرمندہ تھا کے پاس ٹوٹل پانچ سو روپے تھے جو گھر والوں کے لیے لے کر آیا تھا وہ بھی ابو نے واپس کر دیئے تھے کہ رکھ لو اور بس خوش رہو عید کے بعد ابو نے کام سکھانے کا سوچا مگر مجھے کوئی کام اچھا نہ لگا میں نے گھر والوں سے کہا

میں مل میں ہی کام کروں گا۔

ابو نے کہا کے ہمیں تو کوئی مسئلہ نہیں تم نے پہلے دو ماہ پانچ سو روپے بچائے ہیں اور زیادہ سے کر لو گے تو ایک ماہ کے ہزار روپے بچا لو گے مگر اس سے گھر کے خرچے تو نہیں چلا کرتے تم یہاں ہی رہو اور روٹی کھاؤ موج کرو

اسی طرح دو سال گزر گئے ان دو سالوں میں میں نے صرف ایک جانور کا چارہ لے کر آتا ہوتا تھا۔ ایک دن ابو نے کہا۔

تیری عمر سترہ سال ہو گئی ہے دو سال ہیں تیرے پاس دو سال تم اپنی مرضی سے گزار سکتے ہو جو مرضی کرو ہم آپ کو نہیں پوچھتے۔

میں نے کہا ٹھیک ہے گھر فری رہ رہ کر میں بور ہو گیا تھا تو میں نے واپس مل میں کام کرنے کا سوچا تو ابو نے ایک لڑکے سے بات کر کے مجھے اس کے ساتھ بھیج دیا تھا وہاں میں نے پہلے تین ماہ چھ ہزار روپے پر کام کیا اور مشین کا کام بھی سیکھنے لگا تین ماہ بعد میں نے مل بدل لی اور آپریٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگا میرا کام دیکھنے کے بعد میری تنخواہ چودہ تک لگا دی میں بہت خوش ہوا میں باقاعدہ گھر پیسے بھیجتا تھا جب مجھے وہاں اڑھائی سا گزر گئے تو ایک دن ابو نے کہا کہ کل تیرا انٹرویو ہے سرگودھا میں تم وہاں پہنچ جانا میں تو پہلے ہی تنگ آ چکا تھا گھر سے دور نہ کوئی بہن بھائی نہ کوئی دوست سب مطلبی تو دوسرے دن میں محکمہ تعلیم دفتر پہنچ گیا تھا وہاں انٹرویو دیا اور چار ماہ بعد میرے آرڈر آ گئے میں بہت خوش ہوا جب پہلے دن میں ڈیوٹی پر آیا تو میری دوستی ایک لڑکے سے ہو گئی جس کا نام اعجاز تھا وہ بھی ساتھ والے گاؤں میں رہتا تھا اسی طرح دو تین دن گزر گئے ہم تقریباً سترہ لڑکے بھرتی ہوئے تھے میں نے ان سے تنخواہ لینی تھی اور چار دن کی چھٹی پر چلا گیا جب میں تنخواہ لے کر واپس اپنی ڈیوٹی پر آیا تو دیکھا کہ دو لڑکیاں اندر بیٹھی ہوئی تھیں میں سمجھا کہ شہر کی ہوں گی بچہ داخل کروانے آئی ہوں گی جب ان کے پاس اعجاز کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں سوچنے لگا تھوڑی دیر بعد اعجاز واپس باہر آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

یہ کون ہیں اور تم ان کے پاس کیا کر رہے تھے

اس نے بتایا۔ یہ بھی ہمارے ساتھ بھرتی ہوئی ہیں اور یہ دونوں ٹیچر ہیں۔

میں نے کہا۔۔ یہ لڑکوں کا سکول ہے یہاں ان کا کیا کام۔

اس نے کہا۔۔ ہاں یہ اب یہاں ہی پڑھایا کریں گی۔

میں نے کہا۔ٹھیک ہے جو بھی ہے

کچھ دن گزرے اعجاز ان کے پاس بیٹھا رہتا کبھی کبھی میرا دل کرتا مگر ڈر کے مارے میں ان کے پاس کمرے میں نہ جاتا لیکن اب میں ہروقت ان کے بارے میں سوچتا رہتا اور دونوں کے نام بڑی کا نام جس کو راجا کہا جاتا تھا دوسری کا نام پری تھا مگر ہم نے اس کو غلام حسین نام دیا پری مجھے بہت خوبصورت لگتی تھی اور تھی بھی میری ہم عمر میں جب بھی اس کے ساتھ جاتا وہ رخ موڑ لیتی کوئی بھی ایسا موقع ہاتھ نہ آنے دیتی کہ میں اس سے تعارف کرسکوں جب وہ کمرے کے اندر ہوتی تو میں باہر ہوتا میں اس کے سامنے بیٹھ کر دوسرے لڑکوں کو خوب تنگ کرتا مذاق کرتا تھا اور وہ ہنسنے والی باتیں کرتا سب لڑکے اور استاد ہنس پڑتے پر وہ نہ ہنستی تھی ہاں پر کبھی کبھی رانا بھی ہنس پڑتی تھی پر وہ نہیں ہنستی تھی تو میں تنگ آ کر اعجاز سے کہا۔

آپ میری ان سے بس ایک بار بات کروا دو باقی میرا کام ہے۔

اس نے کہا ٹھیک ہے۔

دوسرے دن اس نے چائے منگوائی تھی تو اعجاز نے مجھے پیسے دیئے اور کہا۔

پری نے چائے پینی ہے۔

میں نے کہا پیسے دو اس نے پیسے دیئے اور میں چائے لینے چلا گیا جب چائے لے کر واپس آیا تو کمرے کے اندر اکیلی تھی میں نے اس سے کہا۔

میڈم یہ لو چائے تو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

ٹھیک ہے

میں نے کہا اور کچھ۔

اس نے کہا نہیں مہربانی

اتنی دیر میں رانا بھی آ گئی جب وہ چائے کپ میں ڈال رہی تھی تو میں نے کہا۔

آپ نے چائے تو کپوں میں ڈال دی اور جو اتنی دور سے لے کر آیا ہے اس سے پوچھا بھی نہیں تو رانا نے کہا۔

آپ بیٹھو ناں پھر ہی چائے ملے گی ناں

اس نے تین کپوں میں ففٹی ففٹی کر لی تو رانا نے مجھ سے نام پوچھا تو میں نے بتایا۔

ہم بھی کوئی ٹیچر نہیں ہیں ہم بھی ملازم ہیں تو مجھے اپنا کام اور بھی آسان لگا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے اگر کوئی میرے لیے حکم ہو تو بتانا۔۔

اتنی دیر میں باتیں ہوتی مگر اس نے میری طرف دیکھا نہیں میں سوچنے لگا کہ یار یہ کیا مسئلہ ہے وہ میرے ساتھ کیوں بات نہیں کر رہی تھی یہ میری زندگی کا پہلا پہلا تجربہ تھا اور آخری بھی مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کو اپنی طرف کس طرح متوجہ کروں۔

ایک دن رانا نے مجھ سے کہا۔

رضوان میرے نمبر پر لوڈ کروا کر آؤ۔

میں نے کہا ٹھیک ہے کرواتا ہوں

اس نے پیسے دیئے

میں نے کہا اپنے پیسوں کا کرواتا ہوں آپ اپنا نمبر دے دو۔

اس نے کہا نہیں جب پیسے ہی نہیں لینے تو میں لوڈ ہی نہیں کروانا چاہتی۔

مجبوراً مجھے پیسے لینے پڑے۔

پری نے کہا میرے نمبر پر بھی کروا دینا میں نے پری کا نمبر اور پیسے بھی لیے اور دوکان پر چلا گیا میں نے پری کا نمبر اپنے موبائل میں فیلڈ کر لیا تھا اب رانا تو میرے ساتھ کافی حد تک فری ہو گئی تھی مگر پری تھوڑی سی بات کرتی تھی اور خاموش ہو جاتی۔ ایک

دن پری نے مجھ سے کہا۔
رضوان آپ نے میرا نمبر کسی کو دیا ہے۔
میرا چہرا لال ہو گیا کہ میں نے تو اس کا نمبر کسی کو نہیں دیا اور یہ الزام لگا رہی ہے۔
میں نے کہا۔ نہیں۔
اس نے کہا ٹھیک ہے اگر تیری وجہ سے میرا نمبر کسی کے پاس گیا ہوا ناں تو پھر خیر نہیں جو بعد میں میں نے اس کو یقین دلایا کہ میری وجہ سے تیرا نمبر کسی کے پاس نہیں گیا ہے وقت گزر تا رہا اور میری اس سے کافی حد تک بول چال ہو گئی تھی ایک دوسرے کو نمبر تک دے دیئے تھے اب میں اور وہ مجھے کافی حد تک میسج کر لیتے تھے لیکن ضروری غیر ضروری باتوں کے علاوہ جو میں نے اس کا پہلا میسج کیا تھا وہ یہ تھا۔
بہت خوبصورت ہو تم
مگر تم سے خوبصورت ہے انداز تمہارا
لوگ کہتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑا ہو تم
مگر میں کہتا ہوں کے چاند ٹکڑا ہے تمہارا
اس کے ذہن کا تو مجھے پتا نہیں تھا مگر میں نے اس کو یہ میسج کیا دل سے کیا تھا اور یہ میسج اس کو کرنے کے بعد میں کافی حد تک خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اب میں اس کو ہر قسم کا مذاق کر لیتا وہ بھی کرتی رہتی سکول میں ہم لوگوں کو کوئی پابندی نہیں تھی خاص کر مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرتا تھا۔
اسی طرح ہنسی مذاق میں دو ماہ گزر گئے میں ہر طرح سے مطمئن تھا کے اس کی زندگی میں کوئی اور لڑکا نہیں ہے کہ اچانک ایک دن مجھے اعجاز نے بتایا کہ پری اور رانا کا تبادلہ ہو گیا ہے میں بہت پریشان ہوا اور دوسرے دن اس سے پوچھا۔
اس نے کہا ہاں ہم نے پرسو چلے جانا ہے
میں بہت پریشان ہوا اور تو اس نے کہا رضوان کیا مسئلہ ہے جا ہم رہے ہیں اور پریشان تم ہو گئے ہو لیکن جس دن سے انہوں نے جانا تھا پتہ نہیں کیا ہوا

کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور رانا کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھی میں ان کے پاس سے اٹھا اور دور جا کر ایک درخت سے نیچے بیٹھ گیا میری حالت خراب ہو رہی تھی کہ اعجاز آیا اور کہا
تم جاؤ میں نے نہیں آنا
جب میں رو رو کر تھک گیا تو ایک گھنٹے بعد دوبارہ کمرے میں داخل ہوا وہ جا چکی تھی اب میرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا میں یونہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میں نے موبائل نکالا تو اس کے بہت سے میسجز آئے ہوئے تھے۔
اندر آؤ میری بات سنو اندر آؤ تم کہاں ہو جواب کیوں نہیں دے رہے اندر آؤ۔
میں نے بھیگی پلکوں کے ساتھ ایک میسج کیا۔
دل کی خاموشی ہے سانسوں کے ٹھہر جاتے تک
یاد آئے گا مجھے وہ شخص مر جانے تک
یہ لکھ کر میں نے اس کو سینڈ کیا تو اس نے فورا جواب دیا۔
تم کہاں تھے آئے کیوں نہیں تھے۔
میں نے کہا پتا نہیں کیوں مجھ سے آپ لوگوں کا جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
اس نے کہا رضوان دوست دوستوں کو ہنسی خوشی سے الگ کرتے ہیں آنسوؤں سے نہیں۔
میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میرے جیسا حال ہی میرے دوست اعجاز کا تھا۔
دن گزرتے رہے ہمارا تو یہ حال تھا کہ میں اور اعجاز بھی اب کم کم ہی بات کرتے تھے۔ ایک دن اس نے مجھے میسج کیا۔
رضوان ہمارا تبادلہ رک گیا ہے ہم دو دن بعد پھر اسی سکول میں آ رہی ہیں تو قسم سے مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے پوچھا۔
کس نے روکا ہے آپ کا تبادلہ۔
اس نے کہا کہ عبدالستار صاحب نے۔

میں نے لکھا کہ آئی لو یو اور نیچے جا کر کافی نیچے
لکھا عبدالستار صاحب آپ کی بڑی مہربانی تو اس
نے کہا۔
تو اس کو جا کر کہو مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔
میں نے کہا کہا آپ کو کہوں تو آپ کیا کہو گی۔
اس نے کہا کہ جب مجھ سے کہو گے تو آپ کو خود
پتا چل جائے گا۔
مجھے تھوڑا سا خوف سا محسوس ہوا۔ دوسرے دن
میں نے آمنے سامنے اس سے کہا۔
اگر میں آپ کو کہوں تو کیا ہو گا۔
اس نے کہا تیری اتنی جرت۔
میں نے کہا۔ پری میں تم سے پہلے دن سے ہی
پیار کرتا ہوں مگر تم نے کبھی محسوس نہ کیا تیری مرضی اب
آئندہ اگر میرے ساتھ بول چال رکھنی ہے تو تیری
مرضی نہ رکھی ہوئی تو تب بھی تیری مرضی میں پہل نہیں
کروں گا مگر یہ سچ ہے کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور
اتنا پیار کرتا ہوں کہ کہہ کر میں باہر نکل گیا گھر میں آیا تو
اس نے میسج کیا آئی لو یو۔
بس پھر نہ پوچھو میرے جذبات کیا تھے میں تو
ہوا ور میں اڑ رہا تھا بار بار اس کا میسج پڑھ رہا تھا جیسے
مجھے یقین نہ ہو رہا ہو مگر وہ سچ تھا میں نے اعجاز کو اپنے
پاس بلایا اور اس سے کہا۔
یہ نمبر کس کا ہے۔
اس نے کہا پری کا ہے۔
میں نے کہا یہ کیا لکھا ہوا ہے
جب اس نے پڑھا تو اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ
مجھے گلے سے لگا لیا اور بولا۔
مبارک ہو
میں نے کہا خیر مبارک۔
اس نے کہا۔۔ اسی خوشی میں آپ لوگوں کو اپنی
طرف سے ٹریٹ دوں گا۔
میں نے کہا پہلے اس کو تو منا لو اگر وہ مان جائے

تو ٹھیک ہے تو اعجاز نے کہا۔
ٹھیک ہے یہ تم مجھ پر چھوڑ دو میں اسکو خود منا
لوں گا اور اس طرح ہم تیسرے دن اتوار کو ہوٹل میں
تھے میرا تو خوشی میں ناچنے کو دل کر رہا تھا اس دن ہم
نے بہت ساری باتیں کیں اعجاز اور رانا بھی ساتھ تھے
وہ دونوں بھی آپس میں دوست بن گئے تھے میں نے
مذاق میں کہا۔
اعجاز یار پری نے اظہار تو اپنی محبت کا کر دیا ہے
مگر مجھے نہیں لگتا کہ دل سے کہا ہو گا۔
پری نے آہستہ سے کہا۔ اب میں دل چیر کر
دیکھانے سے تو رہی۔
اسی طرح وقت گزرتا گیا ہم ہوٹل میں تقریباً دو
گھنٹے بیٹھے رہے میں تو پہلے بھی بہت خوش رہتا تھا اور
آپ لوگوں کو بھی ہنساتا رہتا تھا مگر اب تو میری خوشی
دوگنی ہو گئی ہے آدھی آدھی رات تک ہم موبائل پر
باتیں کرتے اور دن کو آمنے سامنے زندگی بہت مزے
کی گزر رہی تھی۔ ایک دن اس کا موبائل میرے پاس
تھا اس کے ایک نمبر سے بار بار میسڈ کالز آ رہی تھیں تو
میں نے پری سے کہا۔
یہ نمبر کس کا ہے
جب اس نے دیکھا تو مجھ سے بولی میری کزن
کا ہے۔
میں نے کہا ٹھیک ہے جو میں تو ویسے ہی پوچھا
تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے بتایا۔
سوری یار رضوان میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا
وہ نمبر میرے گاؤں کے لڑکے کا ہے تم سے پہلے میری
اس سے بات ہوتی تھی اس سے دوستی بھی تھی میں اس
سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔
میں نے کہا کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں نہ
میں آپ کو اس سے روکتا ہوں بس تم میرے ساتھ
مخلص چلو۔
اس نے قسم اٹھا کر کہا۔ ہر پل آپ کے ساتھ

ہوتی ہوں کبھی بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گی تیری آنکھوں میں آنسو آنے سے پہلے اپنی جان دے دوں گی تو میں نے کہا۔

بس تم اپنے وعدے نبھانا اور مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے۔

اس نے کہا۔ میں اکثر اسی بات سے ڈرتی ہوں کہ اگر تجھے پتا چل گیا تو کیا ہوگا مگر اب مجھے کوئی ڈر نہیں ہے کیوں کہ محبت تو اعتماد سے ہوتی ہے اگر آج تم مجھے چھوڑ دیتے تو ناراض ہوتے تو میرا آپ پر سے یقین اٹھ جاتا تھا پر آج مجھے پتا چلا ہے کہ تمہارا دل کتنا بڑا ہے اور تم مجھ سے کتنا پیار کرتے ہو۔

وقت گزرتا گیا میں اس کے پیار میں مکمل غرق ہو گیا تھا اس کی ایک پل کی جدائی بھی میرے لیے دشوار تھی جس دن وہ نہ آتی اس دن میرا سکول میں دل نہیں لگتا تھا مگر وہ کال کر لیتی تھی۔ ایک دن اچانک عبدالستار صاحب نے کہا۔

رضوان اور اعجاز کل سے دوسرے سکول میں جایا کریں گے اور ان کے آرڈر بھی وہاں کے ہیں

جب ہم چاروں کا پتا چلا تو ہم پر سکتا طاری ہو گیا جب اعجاز نے ذاکر صاحب سے پوچھا تو وہ بولے ہاں آپ لوگ کل سے وہاں جاؤ گے میں اور پری تو رونے بیٹھ گئے تھے مگر کیا فائدہ جانا تو تھا ہی میں نے پری سے کہا۔

تم پریشان مت ہونا میں روزانہ آپ کو سناپ پر ملا کروں گا اور اس کو دلاسہ دے کر ہم اپنی اپنی سوچ میں بیٹھ گئے اور دوسرے دن ہم الگ ہو گئے تھے نیو سکول میں میرا دل نہیں لگ رہا تھا یہاں صرف اور صرف اعجاز ہی تھے کوئی استاد نہیں آتا تھا کیوں کہ ابھی اس سکول کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی ہم ملتے رہے باتیں ہوتی رہی اور سال گزر گیا۔ ایک دن میرے ایک دوست نے بتایا۔

پری رحمن ملنگ سے بہت باتیں کرتی ہے۔

میں نے کہا تو پھر کیا ہے وہ وہاں کام کرتے ہیں سب اکٹھے ہی تو بات چیت تو ہوتی ہی ہے اور اس کو چپ کروا دیا اور پری سے بھی کبھی نہ کبھی پوچھ لوں گا۔

پھر ایک دن ایک دوست نے بتا کہ ملنگ پری سے کہا کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو تو پری نے ساتھ ہنس کر مذاق کرنے لگی۔

میں نے پری سے پوچھا۔

اس نے بتا کہ یار میں ٹائم پاس کر رہی ہوں اس کے ساتھ پلیز تم شک مت کرنا اس کا انداز ایسا تھا کہ مجھے خود یہ شک ہو گیا تھا تو میں نے اعجاز سے کہا کہ پلیز پتہ کرو۔

اس نے کہا ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہونا میں پتا کرتا ہوں میں۔

تیسرے دن اس نے بتایا جو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اعجاز نے کہا۔

پری رحمن ملنگ ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں ہر دوسرے تیسرے دن ہوٹل میں بھی ملتے ہیں اور اس نے یہ بھی کہا۔

تم اس سے کوئی بات مت کرنا ابھی مجھے اس کے بارے میں پتا کرنے دو تم اس کے ساتھ نارمل رہو تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اس نے کہا کہ اس کے لیے آنسو نہ بہاؤ دفعہ کرو یار میرے دوست کے لیے ایسی اور بہت۔

میں نے کہا۔ نہیں اوجاز بھائی جب وہ نہیں تو اس جیسا بھی کوئی نہیں۔

اس نے کہا۔ تم واقع مجھے اپنا بھائی یا دوست مانتے ہو تو اس کے لیے میرے سامنے بھی پریشان مت ہونا تو مجبوراً مجھے ہنسنا پڑا یہ ضرور کہا تھا کہ تم اس کے ساتھ رابطہ لازمی رکھنا اور اس سے بھی کوئی غلط بات مت کرنا جتنی بات وہ کرے اتنی ہی تم کرنا

میں نے کہا ٹھیک ہے جی

وہ روزانہ اس کے بارے میں مجھے اطلاع دیتا

رہا میرے اندر اس کے خلاف ایک نفرت کا بیج ڈل گیا تھا جو آہستہ آہستہ ایک ننھا سا پودا بن رہا تھا میں اس سے بس رسمی سی بات کرتا وہ بھی اگر خود یار پوچھ لے تو ورنہ میں اس سے رابطے کی کوشش نہ کرتا تقریباً ایک ماہ ایسا ہوا اور اس نے بھی رابطہ کرنا بند کر دیا تو اعجاز نے کہا۔

کوئی بات نہیں

اس ایک ماہ میں میں نے بھی اس سے الگ رہنا سیکھ لیا ہے وقت گزرتا رہا مجھے اس کے بارے میں پھر روز پتا چلتا رہا جب اس نے چار پانچ لڑکوں سے بے وفائی کی تو مجھے بہت دکھ ہوا۔

ایک دن اعجاز نے مجھ سے کہا۔ یار ہمیں واپس جانا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کہاں۔

اس نے بتایا۔ اسی سکول میں یہاں کام نہیں ہے نہ استاد بچے اور نہ عمارت کو دروازے کھڑکیاں ہیں عبدالستار صاحب نے ہمیں واپس بلایا ہے تو میں نے اعجاز سے کہا۔

یار کسی طرح صاحب کو مناؤ ہم یہاں ہی ٹھیک ہیں میں اس بے وفا کے سامنے دوبارہ نہیں جا سکتا تو اس نے کہا۔

نہیں یار جانا تو پڑے گا ہی۔

ہم واپس پھر وہاں چلے گئے تو نہ جانے کیا ہوا میں اس سے نفرت کرنے کے باوجود اسی کی طرف دوبارہ بار بار دیکھنے لگا وہ پہلے سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی اور میری ساری نفرت پیار میں بدل گئی اس کے سارے غم بھول گیا تھا اور رانا اور اعجاز سے کہا کہ میری اس سے صلح کروا دو تو اعجاز نے کہا۔

رہنے دو

میرے مجبور کرنے پر وہ اس کے پاس گیا اور مجھے بھی بلایا اور اس سے کہا۔

رضوان سے صلح کرو۔

اس نے کہا۔ ہم کون سا ناراض ہیں۔

میں نے کہا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم مجھے بھول گئی ہو اور اس سے پیار تو بھی جس کی تم نے جانے کتنی قسمیں کھائیں تھی کتنے وعدے کیے تھے۔

اس نے کہا۔ وہ میری نادانی اور مجبوری تھی میں اب اپنے کزن سے پیار کرتی ہوں آپ کے ساتھ نہیں ہاں مگر اب اپنی دوستی ہو سکتی ہے۔

میں نے کہا۔ نہیں پری دوستی بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ دوستی کے بعد محبت بھی تو ہو سکتی ہے مگر محبت کے بعد دوستی نہیں کیونکہ دوائی موت سے پہلے اثر کرتی ہے موت کے بعد نہیں۔

اتنا کہہ کر میں واپس آ گیا اور اعجاز بھی میرے پیچھے آ گیا اور بولا۔

یار اب کیا ارادہ ہے۔

میں نے کہا اس بے وفا کو بھولنے کا ارادہ ہے اب میری آنکھوں میں کوئی آنسو کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ کوئی خواب و خیال بھی نہ تھا مگر اعجاز مجھے پریشان نظر آ رہا تھا جب اس سے پوچھا۔

اس نے کہا۔ کچھ نہیں میرے دوست دعا کرتا ہوں کہ تم کامیاب رہو

رات کو جب سونے لگا تو اس بے وفا کا میسج آیا کہ کیسے ہو تو میں نے کہا کہ آئندہ مجھے تم میسج مت کرنا تم بھی جھوٹی تیرا پیار بھی جھوٹا اور یہ بھی اس نے کہا کہ پری پلیز مجھے تو نے چھوڑ دیا ہے مگر میرے بعد اور مجھ سے پہلے بھی نہ جانے کتنوں کو اپنے خواب دیکھائے ہیں مگر خدا کے لیے ایسا کرنا چھوڑ دو تو اس نے واپس جواب دیا کہ خدا نے مجھے سب کچھ دیا ہے مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے میں تم کو ایک بات بتاتی ہوں مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ کسی کو نہیں بتاؤ گے تو میں نے وعدہ کر لیا تو اس نے کہا کہ رضوان میں بچپن سے ہی ایسی ہوں ہر چیز سے میرا دل جلد ہی بھر جاتا ہے اور خدا نے مجھے سب کچھ دیا ہے اچھی شکل و صورت جس پر میں غرور کر

سکتی ہوں عقل اور سب سے بڑھ کر حسن تو کیوں نہ میں اپنی زندگی کو انجوائے کروں اگر کوئی مجھے پیار کرتا ہے تو اس کی مرضی ں تو مجبور نہیں کرتی اس کے بعد میں اس کی باتوں کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور سونے لگا مگر نیند کہاں آتی تھی اس کی یاد بار بار آرہی تھی اس کے الفاظ سانپ بن کر ڈس رہے تھے اور سوچ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں حسن والوں کو عادت ہوتی ہے لوگوں کو اپنے پیار میں پھنسا کر تڑپانے کی تو اس نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا اور میں ان لوگوں کی برباد ہونے سے بھی محفوظ ہوں جو پیار میں ہار کر اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس حسن والے خوش تو ہو جاتے ہیں مگر مطمئن نہیں۔

پری میں نے آج اپنا وعدہ پورا کرلیا ہے مگر مجبور ہو کر شاید کوئی ان حسن والوں کی چال سے بچ جائے میری بات سن کر اور پھر مجھے دعا ہی دے دے پری مجھے پتہ ہے کہ تم جواب عرض بہت شوق سے پڑھتی ہو یہ نام اور مقامات سب فرضی ہیں مگر اس کو پڑھ کر آپ کو پتا تو چلے گا میں کون ہوں اور تم کون ہو نام بدلے ہیں کہانی تو سچ ہے ناں،

قارئین کرام یہ تھی میرے دوست کی کہانی جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی کے لیے اپنی زندگی برباد نہ کرو بلکہ جو آپ کو دھوکہ دے تو اس کو بھول جاؤ مگر کوئی غلط قدم نہ اٹھاؤ یہ ضرور سوچو کہ کوئی آپ سے کتنا پیار کر کے دعوے کرے پر وہ آپ کو آپ کے ماں باپ کو بہن بھائی سے زیادہ پیار نہیں کر سکتا ہاں مگر وہ برباد ضرور کر سکتا ہے اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتا ہوں اپنے رائے سے ضرور نوازیے گا۔

اپنی تو تقدیر میں کچھ ایسے سلسلے لکھے ہیں آ کاش
کسی نے وقت گزارنے کے لیے اپنا لیا تو کسی
نے اپنا کر وقت گزار لیا۔

ریاض احمد لاہور کے نام

جس کا تصور بھی گناہ ٹھہرتا ہے
وہ ہمارے پاس کہاں ٹھہرتا ہے
نگاہوں میں اضطرابی سی ہے
نت نیا ایک طوفان ٹھہرتا ہے
ذرا سی آہٹ پہ اس کا خیال آئے
دل نادان جا کر کہاں ٹھہرتا ہے
اسے دیکھتے ہی بات نہیں ہو پاتی
اپنا لب ولہجہ وہاں ٹھہرتا ہے
بہت سوچا تمہیں بھول جانے کا
یہ کام یہاں اتنا آسان ٹھہرتا ہے
رضا عمر بھر تڑپنا جو دے گیا مجھے
وہ شخص ہمارا کہاں مہماں ٹھہرتا ہے

منیر رضا ساہیوال

انتظار حسین ساقی کے نام

جس دن میرے لب پہ تیرا نام نہ آئے
خدا کرے کہ میری زندگی میں ایسی شام نہ آئے

محمد آفتاب شاد کوٹ ملک

تم قافلے بہاروں کے کچھ دیر روک لو
آتے ہیں ہم بھی پاؤں سے کانٹے نکال کر

سلمان بشیر بہاؤ ننگر

خرم شہزاد مغل کے نام

اتنی شدت سے تم میری رگوں میں اتر گئے ہو
کہ تجھے بھولنے کے لیے مجھے مرنا ہوگا

ماہ نور کنول کشمیر

ٹوٹے دل کو کبھی جڑتے نہیں دیکھا
گر جاتے ہیں جو اشک اٹھائے نہیں جاتے

☆ ------- سائرہ قاسم۔ گجرات

انمول محبت

۔۔تحریر۔۔ارشاد گل۔مانسہرہ

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
آج میں بھی پہلی بار اس بزم میں شرکت کر رہا ہوں ایک کہانی لے کر یہ آج کل کے جدید دور میں جہاں اس طرح کی کہانیاں کم ہی ملتی ہیں موبائل فون کی بدولت منزل پانے والے ایسے سچے عاشق کی کہانی جس کا عشق آج بھی سلامت ہے ایک رونگ کال نمبر جس نے شہروز کی زندگی میں رنگ بھر دیئے دور جدید کی ایجاد جسے موبائل کہا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کی زندگی بن گئی ہے اور نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگی برباد ہوئی ہے یہ سچ بیانی جو میں پیش کر رہا ہوں میری آنکھوں دیکھی کہانی ہے یوں سمجھو میری کہانی ہے میں نے اس کا نام۔انمول محبت۔رکھا ہے،امید ہے سب کو پسند آئے گی۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

آج میرا نام شہروز ہے اور میں پشاور کا رہنے والا ہوں مگر ان دنوں اپنے دوست سے ملنے مردان گیا ہوا تھا ہم سب دوست حجرے میں بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اچانک میرے موبائل پہ میسج کی بیپ سنائی دی کسی نئے نمبر سے ایک میسج جو کہ شاید غلطی سے کسی نے میرے نمبر پر سینڈ کر دیا تھا میرے موبائل پہ آنے والا میسج ایک دکھی لڑکی کا تھا جو اس نے اپنی کسی دوست ارم کو سینڈ کیا تھا اور بے دھیانی سے ایک فگر کے فرق سے میرے پاس آ گیا تھا میں نے میسج پڑھا تو میرا دل بے اختیار مچلنے لگا کہ میں اس لڑکی سے بات کروں۔

میں نے نمبر ڈائل کیا مسلسل بیل جا رہی تھی مگر وہ کال پک نہیں کر رہی تھی میرے پاس دو نمبر تھے ایک جاز اور دوسرا یوفون کا میں دونوں نمبروں سے ٹرائی کرتا رہا تھا اور میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی در اصل ان دنوں میں بھی بہت دکھی تھا میری امی تو پانچ سال سے ہی مر چکی تھی میرے ابو تھے جو مجھ سے پیار کرتے تھے انہیں دنوں میں ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا بہنیں شادی شدہ تھیں اور دو بھائی بھی شادی شدہ تھے ہم چار بہن بھائی غیر شادی شدہ تھے دوسرے تینوں تو امی کے ساتھ تھے مگر مجھ سے کسی کی ناگوار رہنا برداشت نہیں ہوتی تھی۔

پہلے محبت میں دھوکہ کھانے کے بعد میرا محبت پر سے اعتبار اٹھ چکا تھا یوں تو میری بہت سے لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی مگر میرے دل میں کبھی کوئی لڑکی جگہ نہ بنا پائی تھی رات بھر میں اس نمبر پر بار بار ٹرائی کرتا رہا تھا مگر اس نے کال ریسیو نہ کی تھی تھک ہار کر سو گیا تھا صبح نو بجے کا ٹائم تھا جب میرے نمبر پر اس نمبر سے کال آئی میں نے کال پک کی اور

کہا ہیلو جی۔ اسلام علیکم۔

وا علیکم اسلام۔ ایک معصوم سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی ایک لمحے کے لیے تو میں اس آواز کے

سحر میں کھو سا گیا تھا اتنی پیاری خوبصورت آواز وہ مجھ سے کہنے لگی دیکھیے سر مجھ سے غلطی سے آپ کے یو فون پر میسج سینڈ ہو گیا تھا اور میں معذرت چاہتی ہوں آپ پلیز مجھے دوبارہ کال نہ کیجئے گا رات کو مجھے دو نمبروں سے کالز آ رہی تھی دیکھئے آپ کی کالز میرے لیے پرابلم بن سکتی ہے میں نے اس کو باتوں کا جواب صرف اتنا کہا مس کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں۔

جی میرا نام ثانیہ ہے میں نے کہا۔

جی تو ثانیہ کیا آپ مجھ سے دوستی کرو گی ثانیہ۔

اس نے کہا نہیں ایم سوری میں لڑکوں سے دوستی کو اچھا نہیں سمجھتی۔

ٹھیک ہے تو پھر ایک انسانیت کے ناطے ہی مجھ سے بات کر لیا کرو میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا تھوڑی پس پیش کے بعد اس نے بات کرنے کی حامی بھر لی مگر ثانیہ نے کہا۔

جب میں مس بیل کروں تو تب کال کرنا کیونکہ یہ گھر کا نمبر ہے اگر بھائی یا بھابی نے کال ریسیو کر لی تو غضب ہو جائے گا میں نے اس سے وعدہ کیا کہ جیسے آپ کہو گی۔

میں ویسا ہی کروں گا میں خوش تھا کہ چلو بات تو کرے گی۔

وہ نو جولائی تھی اس دن ہم نے دو تین بار بات کی تھی مجھے اس نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا ثانیہ کی امی ابو مر چکے تھے وہ 8th کلاس میں پڑھتی تھی اپنے بھائی اور بھابی کے ساتھ رہتی تھی اس کی بھابی بہت سخت مزاج عورت تھی اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی تھی وہ اپنی بھابی کی وجہ سے بہت دل برداشتہ تھی۔

ایک دن ہماری دوستی ہوئی دوسرے دن میں نے اس آئی لو یو کہہ دیا اور تیسرے دن میں نے اسے پرپوز کر دیا۔

ثانیہ کیا آپ مجھ سے شادی کرو گی

وہ بہت حیران ہوئی کہنے لگی

آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں جو آپ نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے

میں نے اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھے آپ کے ماضی سے کوئی سرکار نہیں میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں آپ سے بہت پیار کرنے لگا ہوں اور آپ میری زندگی بن گئی ہو۔

ثانیہ کہنے لگی میں تو خوبصورت نہیں ہوں اور آپ بنا دیکھے ہی شادی کا فیصلہ کر بیٹھے ہو۔

دیکھو ثانیہ محبت روح کا رشتہ ہوتا ہے مجھے آپ کی اچھائی سے پیار ہے آپ کی آواز سے عشق ہے آپ کی شکل و صورت کیسی بھی ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کے بنا میری زندگی ادھوری ہے پلیز ثانیہ مجھے مکمل کر دو۔۔

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کئی صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو

میں ایج میں اس سے تھوڑا سا بڑا تھا وہ اٹھارہ سال کی تھی میں نے اسے کہا۔

آپ اگر دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہتی ہو تو آپ کی مرضی مگر اس نے کہا۔

میں بھی آپ سے بہت پیار کرنے لگی ہوں

بات تو دن کو ہماری تھوڑی بہت ہو ہی جاتی تھی ان کے ساتھ والے گھر میں جو باجی تھیں وہ اکثر ان کے گھر جاتی تھی اور انہی کے گھر جا کر مجھ سے فون پر بات کر لیتی تھی مگر میرا دل نہیں بھرتا تھا اس لیے میں نے اسے مجبور کیا۔

آپ اپنے کمرے میں اکیلی ہوتی ہو تو پھر مجھ سے رات کو بات کیوں نہیں کرتی مگر ثانیہ ڈرتی تھی کہ اگر اس کے گھر میں کسی کو پتہ چلا گیا تو بہت برا ہو جائے گا مگر میں نے ثانیہ کو مجبور کر ہی لیا کہ اس نے بات کرنے کی حامی بھر لی وہ سرگوشیوں سے بات کرتی تھی مجھے تب بھی اچھا لگتا تھا کیونکہ میں نے تو

اس سے زیادہ سے زیادہ بات کرنا چاہتا تھا جب میں نے اسے شادی کے لیے کہا تو وہ کہنے لگی

شہروز آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو میں بھی آپ کو کھونا نہیں چاہتی مگر یہ ملن ہوگا کیسے۔ ہم کیسے اپنے گھر والوں کو بتا ئیں گے۔

کوئی بات نہیں آپ کے گاؤں میں میرا ایک دوست رہتا ہے ایاز میں اس سے بات کروں گا۔

آپ کے دوست کا نام ایاز ہے اس کا فون نمبر کیا ہے۔

کیوں ثانیہ آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہو

اس لیے شہروز کہ میرے بھائی کا نام بھی ایاز ہے۔ اس نے بتایا تو میں نے کہا۔

اچھا میں نے جب اسے نمبر بتانا شروع کیا تو ابھی آدھا ہی نمبر بولا تھا آدھا اس نے خود بتایا تھا میرا دوست اتفاق سے ثانیہ کا بھائی ہی نکلا ہم دونوں بہت خوش ہوئے تھے میں نے ثانیہ کو یقین دلایا کہ میں ایاز کو منالوں گا۔

اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ایاز مجھے اپنے گھر لے جائے میں نے اب ایاز سے رابطہ اور محبت زیادہ بڑھا دی تھی روز اسے بھی فون کرتا پھر ایک دن ایاز کو پشاور آنے کی دعوت دی تو ایاز کہنے لگا

میں تو نہیں آؤں گا اگر تمہارا چکر لگے تو میرے گھر آنا

سو، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، میں نے جھٹ سے کہہ دیا۔

میں عید کے دوسرے دن آؤں گا

عید قریب ہی تھی میں نے اپنی جان ثانیہ سے کہا کہ جب میں آؤں تو آپ میرون کلر کا سوٹ پہننا اور ہو سکے تو اپنا دیدار ضرور کرانا ثانیہ بہت خوش تھی پھر عید کے دوسرے دن میں جب ان کے گاؤں پہنچا تو ایاز مجھے اڈے سے لینے آیا ہوا تھا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا تھا اور مجھے ایک کمرے میں بٹھا دیا تھا اور اپنی بہن ثانیہ سے کو آواز دی۔

ثانیہ چائے لے آؤ

اس سے پہلے تو ہماری صرف فون پر ہی بات ہوتی تھی مگر آج پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں میں سر جھکائے بیٹھا رہا تھا جب میری سانولی سالونی محبوبہ میرے سامنے آئی ثانیہ نے چائے رکھی مجھے سلام کیا میں نے نظریں اٹھائیں وہ میرے من پسند کلر کے سوٹ میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی میں نے دیکھا کہ ایاز اپنی بیوی کو کھانے کا کہہ رہا تھا میں نے موقع غنیمت جانا اور شرارت کر دی ثانیہ کو شرارت سے آنکھ مار دی وہ شرما کر اندر کمرے میں چلی گئی اس کی آنکھوں میں پیار کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

رات کو ہوٹل میں رہنے جا رہا تھا مگر ایاز نے مجھے اپنے گھر میں ہی روک لیا میں نے ثانیہ کو میسج کیا کہ مجھے اپنی تصویر دو اور میں اپنی تصویریں بھی آپ کو دے کر چلا جاؤں گا ثانیہ نے بھی میسج ریپلائی کیا اور کہا کہ آپ جس کمرے میں بیٹھے ہو وہاں میرے سکول بیگ کے ساتھ ہی ایک رجسٹر پڑا ہوا ہے موقع ملے تو وہاں اس میں رکھی ہے اٹھا لینا

ایاز مجھے کمرے میں تنہا چھوڑ کر باہر گیا تھا میں نے ثانیہ کی تصویر رجسٹر سے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور اپنی تصویر ثانیہ کے رجسٹر میں رکھ دی رات بھر مجھے نیند نہیں آرہی تھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ ثانیہ میرے سامنے بیٹھی رہے اور میں اسے دیکھتا رہوں مگر وہ اپنی بھابی کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھی صبح مجھے واپس جانا تھا ثانیہ کو بھی سکول جانا تھا وہ جب صبح سکول کے لیے تیار ہو کر یونیفارم میں اپنا بیگ اٹھانے آئی تو میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میں نے واپس جانا ہے تب مجھے اس پہ بہت پیار آیا میرا دل چاہا کہ میں اس سینے سے لگا کر اس کی آنکھیں چوم لوں جن میں میری جدائی کے آنسو

ہیں مگر ہائے میری قسمت ایسا سوچ ہی سکتا تھا۔
وہ سکول چلی گئی تھی اور میں واپس پشاور آ گیا تھا مگر میرا چین سکون وہی پر چھوڑ آیا تھا دن بھر مجھے اس کا انتظار ہوتا جیسے ہی گیارہ بجتے میں اسے کال کرتا وہ اپنے کمرے میں تب اکیلی ہوتی ہم رات بھر فون پر باتیں کرتے رات گزرنے کا پتہ بھی نہ چلتا تھا یہاں تک کہ صبح کے سات بجے جاتے اس نے 8th کلاس پاس کر لی تھی اب وہ 9th میں تھی رات بھر بات کرنے کی وجہ سے اس کی تعلیم بھی متاثر ہو رہی تھی اور صحت بھی وہ بیمار ہو گئی تھی میں نے اسے کہا کہ اب ہم دو یا تین گھنٹے سے زیادہ بات نہیں کریں گے مگر دل تو پاگل ہے نا جانے جب بات شروع ہوتی تو فون بند کرنے کو دل ہی نہ کرتا تھا۔

ثانیہ کے گھر سے واپسی کے تین ماہ بعد میں اپنے بڑے بھائی اور بھابی کو ثانیہ کے گھر رشتے کے لیے بھیجا ایاز نے کچھ دن سوچنے کا ٹائم مانگا اس دوران وہ ہمارے دوران وہ ہمارے گھر بھی آیا سب اسے بہت اچھے لگے اور ایاز نے ثانیہ کا رشتہ میرے ساتھ طے کر دیا ہم دونوں بہت خوش تھے اب میں ہر ماہ اپنی جان کا دیدار کرنے کے لیے جاتا تھا اس طرح دو سال بیت گئے ثانیہ میٹرک میں تھی مگر اس کی بھابی نے امتحانات سے کچھ دن پہلے ہی اس کا سکول جانا بند کر دیا تھا شادی کی ڈیٹ فکس کرنے جائیں میرے بھائی نے ایاز سے بات کی تاریخ طے ہوتی اور پھر انیس جون کو میری ثانیہ میرے نام ہوئی وہ دلہن کے روپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی میری زندگی مکمل ہو گئی تھی ثانیہ نے میرا بہت ساتھ دیا ہر حالات میں میرے ساتھ ہمیشہ ساتھ رہی آج ہماری زندگی بہت خوشگوار ہے میری پوری کوشش ہے کہ میں ثانیہ کی ساری ادھوری خواہشات کو پورا کروں اس لیے اب ثانیہ کو پڑھنے کا بہت شوق ہے ہمارے دو بچے بھی ہیں ۔ ہانیہ اور ذیشان ۔ ہانیہ چار سال کی ہے اور ذیشان دو سال کا ہے ہماری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں مگر میرا اور ثانیہ کا پیار آج بھی پہلے کی دن جیسا ہے ثانیہ اور ہمارے بچے اب اس گاؤں میں رہتے ہیں کیونکہ ثانیہ کی بھابی کو اس کی بدمزاجی کی وجہ سے ایاز نے طلاق دے دی تھی اب ثانیہ اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہے وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اور میں اس کی خوشی میں خوش ہوں اب بھی میں جب کام کے سلسلے میں گھر سے دور ہو جاتا ہوں تو دن میں تین یا چار با اسے کال کرتا ہوں اور رات کو تو ضرور بات ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ ہمارے بچوں نے زندگی میں مزید رنگ بھر دیئے ہیں۔

اب آخر میں تمام پڑھنے والوں سے میری گزارش ہے کہ پلیز ہماری خوشیوں کو بھی کسی کی نظر نہ لگے پلیز آپ سب دعا کیجئے گا اور ہاں کسی کا پہلا پیار بننا کوئی بڑی بات نہیں بننا ہے تو کسی کا آخری پیار بنیے تا کہ تا قیامت وہ صرف آپ کا ہو۔۔۔۔
کسی لگی میری کہانی اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیئے گا دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

گزرے ہوئے لمحات کا سایہ ہے اب تلک
مجھ کو میرے جنوں نے ستایا ہے اب تلک
خوشیاں تو کہیں دور بہت دور کھو گئیں
ہم کو غموں نے بار بار رلایا ہے اب تلک
چھوڑا ہے جب سے دنیا کے اس خار زار کو
دل میں اک خواب بنایا ہے اب تلک
جس میں ہیں میرے پھول میرا ہمسفر اور میں
یوں اپنے گھر میں باغ لگایا ہے اب تلک
نجانے ابھی کتنی آزمائشیں ہیں
اللہ نے میرا ظرف آزمایا ہے اب تلک
کوشش ہے میری کہ اس امتحاں میں سرخرو ہوں
ورنہ تو دل کو درد ہی بھایا ہے اب تلک
شازیہ گل۔ مانسہرہ گاؤں بھیڑ کنڈ

محبت کے دشمن کے ہاتھ کیا آیا

۔۔تحریر۔ذوالفقار تبسم۔میاں چنوں۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

محبت کے دشمن کے ہاتھ کیا آیا ایک ایسی داستاں جو میں آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں امید ہے کہ سب لوگ اس کو ضرور پسند کریں گے اور اپنی اپنی داد دیں گے تا کہ مجھے اور بھی لکھنے کا موقع ملے اور میں آپ کی بزم کا ایک حصہ بن جاؤں یہ کہانی میرے دوست پرنس کی ہے جو کہ سچی محبت کرتا تھا اس نے اپنی جان تو دے دی مگر اپنی محبت کو امر کر دیا کیسی لگی ضرور بتایئے گا۔

ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

محبت ایک دل کی لگی ہے محبت ایک آرزو ہے محبت کی جاتی ہے محبت کرنے والوں سے دل تو پاگل ہے جس کو چاہے بس اسی کا ہو جاتا ہے دل کا کیا کریں دل اپنی مان مرضی کرتا ہے میں ایک غریب سا لڑکا ہوں ابو جان کھیتی باڑی کرتے ہیں میں پڑھتا ہوں مجھے کسی سے محبت ہو گئی کیا کریں دل مانتا ہی نہیں بس جس کا چاہے اس کا ہو جاتا ہے۔

تیری یاد آئی ہے سونے سے پہلے
آنسو نکل آتے ہیں رونے سے پہلے

میں نے جس لڑکی سے محبت کی تھی اس کے والد صاحب امریکہ گئے ہوئے تھے میں تو غریب تھا میری کیا اوقات۔اس لڑکی سے محبت کرنے کی میں ایک دن کالج جا۔ تھا تو وہ لڑکی جس کا نام نور تھا اس نے مجھے دیکھا اور ری نیچے منہ کر لیا کرتا دل جس کو چاہے میں کیا کروں اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے بنانے والے نے سارا چاندی بنا دیا ہو اتنا خوبصورت کے دل کرتا بس نور ہو اور تم ہو کیا کرتا امیر کی اولاد تھی ہم غریب تھے اس سے ہمارا کیا مقابلہ اس نے مجھے ایک بار پھر دیکھا اور تھوڑ ا سا مسکرائی کیا بتاؤں مسکراتے بھی ایسی لگتی جیسے آسمان سے کوئی پری آ گئی ہو ایسے جیسے منہ سے پھول زمین کو بہار کا موسم بنا رہے ہیں۔

جب محبت ہوتی ہے تو بس پتہ ہی نہیں چلتا کہ محبت ہو کیسے گئی ایک دن نور کالج جا رہی تھی اور اس نے اپنی سہیلی سے پوچھا مریم یہ لڑکا کون ہے کہاں رہتا ہے مریم ہمارے گاؤں میں رہتی تھی تو مریم نے کہا نور یہ ہمارے گاؤں کا ہے اس کے والد چھوٹے کسان ہیں تو نور نے کہا مریم غریب امیر تو اوپر والا بناتا ہے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے مریم تم اس لڑکے کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو نور تم اس بات کو چھوڑو یہ بتاؤ اس کا نام کیا ہے مریم خیر تو ہے تم تو اس کے بارے میں اتنا کچھ کیوں پوچھ رہی ہو نور میں نے آپ سے کچھ اور نہیں پوچھا اس بات کو چھوڑو مریم میں تمہاری سہیلی ہوں مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ اپنی اچھی سہیلی سے کچھ نہ پوچھوں تو نور آپ کیا پوچھنا

چاہتی ہو تو مریم نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ تمہیں اس سے پیار ہو گیا ہے نور جی مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے تم صرف اس لڑکے کا نام بتا دو تو مریم نے کہا

اس کا نام پرنس ہے۔

نور نے کہا میرا ایک کام کرو گی۔

مریم نے کہا ضرور کروں گی دوست دوست کے کام آتا ہے میں آپ کے کام آؤں گی بتاؤ مریم میرا یہ خط تم کسی نہ کسی طرح اس کو دو تو آپ کا مجھ پر احسان ہو گا

تو مریم نے نور کا خط مجھے دے دیا میں نے گھر جا کر اس خط کو کھولا پڑھا تو لکھا تھا۔

اسلام علیکم۔ پرنس آپ اگر برا نہ مانیں تو میں نے آپ کو ایک بات کرنی ہے میں تم سے پیار کرتی ہوں صرف تم میری زندگی ہو میں آپ کو دل سے محبت کرتی ہوں تم مجھے کل شام کو چھ بجے کالج کے پلاٹ میں ملنا میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی پرنس ضرور آنا میں آپ سے محبت کرتی ہوں آئی لو یو پرنس۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔

آپ کی محبت نور

جب میں نے خط پڑھا کیا ہوا مجھے آپ کو کیا بتاؤں میری محبت مل گئی تھی میں اس وقت کا بے چینی سے انتظار کرتا تھا جب شام کے چھ بجے تو میں نور کو ملنے گیا نور کالج کے پلاٹ میں اکیلی کھڑی تھی مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا کہ شاید نور مجھے محبت نہ کرتی ہو تو میں آہستہ آہستہ پلاٹ میں گیا ادھر سے نور بھی آ گئی تو نور نے مجھے اسلام علیکم کہا تو میں نے جواب دیا کیا کرتا دل کو کیا کہتا دل جس کو چاہتا ہے محبت کرتا ہے اس کو محبت کرتا ہے نور نے مجھے کہا۔

پرنس کیا آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہو۔

میں نے کہا دل میرا اس وقت ہی آپ کو محبت کرنے لگا جب کالج میں آپ نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور منہ نیچے کر لیا تھا بس کیا کرتا کچھ کہہ نہیں پایا تھا ڈر لگتا تھا کہ آپ ناراض نہ ہو جاؤ نور مجھے بھی یہ ہی محسوس ہوتا تھا کہ تم مجھ سے ناراض نہ ہو جاؤ تو میں نے کہا نور آپ تو امیر گھر میں رہتی ہو تو میں غریب ہوں میرا اور آپ کا کیا مقابلہ۔

نور نے کہا خاموش پرنس مجھے اتنا غم نہ دو کہ میں امیر ہوں یہ کوئی بات نہیں دل غریب امیر نہیں دیکھتا دل محبت دیکھتا ہے آپ کے دل میں میری محبت ہو گئی تو مجھے اس دولت سے کچھ نہیں فرق پڑتا

مجھے صرف آپ کی محبت کی ضرورت ہے مجھے دولت نہیں چاہئے مجھے تم مل جاؤ مجھے دولت مل گئی ہے میں نے کہا نور مشکل وقت میں چھوڑ تو نہ دو گی۔

نور نے کہا میں آپ سے محبت کرتی ہوں جان بھی جاتی ہے تو جانے دو میں آج سے تمہاری ہوں پھر تمہاری ہوں میں آپ سے محبت کرتی ہوں آئی لو یو پرنس۔

میں نے پھر نور کو کہا آئی لو یو نور میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں اور تجھ کو ہی چاہتا ہوں اور اسی طرح محبت کرتا رہوں گا۔

پھر ہماری محبت بڑھتی گئی نور میرے بغیر اک پل بھی نہیں دور نہ رہتی ہو کوئی نہ کوئی چیز میرے لیے لے آتی بھی گفٹ بھی کچھ بھی کچھ میں بھی نور کو کافی گفٹ دیئے میں غریب تھا میرے گفٹ اسے قیمتی نہ ہوتے تھے۔

نور سے کہا کہ محبت گفٹ سے نہیں دل سے ہوتی ہے جس نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے اتنے قریب کر دیا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں آپ کو محبت کرتی ہوں پرنس مجھے تمہاری محبت پر یقین ہے اسی طرح محبت آگے بڑھتی گئی۔

ایک دن نور کے بھائیوں کو میری محبت کا پتا چل گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم کیا چیز ہو ہم چاہیں تو آپ کے گھر کو خرید سکتے ہیں اور آپ یہ بتاؤ کہ کتنے

پیسے چاہیں نہیں
میں نے کہا۔ میں نور سے محبت کرتا ہوں مجھے
دولت کی نہیں ضرورت مجھے صرف میری نور مل جائے
تو نور کے بھائی نے مجھے بہت مارا۔
میں نے کہا مجھے نور چاہیے انہوں نے مجھے پکڑ
کر بند کر دیا گیا کرتا تب نور ہی نور ایک دن نور مجھے
ملنے آئی تو نور نے کہا
میں محبت کرتی ہوں صرف تم سے چاہے مجھے
ماردیں تو نور کو اس کے بھائی گھر لے گئے تو نور کا رشتہ
اس کے چچا کے بیٹے سے کرا دیا گیا جب نور کو پتہ چلا تا
اس نے زہر کھالیا اور ہسپتال جاتے جاتے فوت ہوگئی
تو پرنس کو پتہ چلا تو پرنس نے بھی زہر پی لیا دونوں
جان سے گئے تو محبت کے دشمن کے ہاتھ کیا آیا وہ ہاتھ
پہ ہاتھ رکھ کر رونے لگے اب کیا ہوت جب چڑیاں
چگن گئی کھیت اب کیا فائدہ کہ نور کو ڈھونڈنے سے
پرنس اور نور نے اپنی محبت کی ایک داستاں بنادی تھی۔
قارئین اب بھی محبت کرنے والے ہیں محبت
کے دشمن دنیا ساری ہے۔ محبت پھر محبت ہے جس سے
ہو جائے ہو جاتی ہے محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے
کرنے والوں سے محبت کی چاہت ہے محبت دل کی
آرزو ہے محبت دل کی تمنا ہے محبت زندگی ہے محبت
دونوں طرف ہو تو دنیا کو بھی جھکا دیتی ہے پرنس نور
دونوں کی محبت پکی سچی تھی دونوں نے ایک دوسرے کو
حاصل کرنے کے لیے مر کر بھی امر ہونا پڑا وہ دونوں
محبت کی ایک انوکھی داستاں چھوڑ گے تھے جس کو میں
نے لکھ دیا یہ داستاں میرے دوسر پرنس کی ہے جس کو
آج سے دس سال ہو گئے ہیں یہ دنیا چھوڑے ہوئے
اب مجھ کو اس کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نے جواب عرض
میں حقیقت داستاں لکھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے افسانہ بنا
دیا ہے۔

غزل

اک لفظ محبت ہے کر کے دیکھو
برباد نہ ہو جاؤ تو میرا نام بدل دینا
ایک لفظ مقدر کے اس سے لڑ کے دیکھو تم
ہار نہ جاؤ تو میرا نام بدل دینا
اک لفظ وفا کا ہے جو زمانے میں نہیں ملتا جانی
اگر کہیں سے ڈھونڈ کے لے آؤ تو میرا نام بدل
دینا

ٹھکرا کر محبت میری کہاں جانے کا ارادہ ہے
مجھے زندگی کے کسی موڑ پر لانے کا ارادہ ہے
یہ جواب خفا خفا سے رہنے لگے ہو تم
یہ پیار کا عروج ہے یا چھوڑ جانے کا ارادہ ہے
جاتے جاتے یہ تو بتا اے جان من
میرے پیار میں کمی تھی یا کسی اور سے دل لگانے
کا ارادہ ہے
میرے بعد میری یاد آئے مڑ کر نہ دیکھنا ہم سفر
کیونکہ تیرے بعد میرا بھی اس دنیا کو چھوڑ
جانے کا ارادہ ہے

غزل

ہاتھ تھام کر بھی تیرا سہارا نہ ملا
میں وہ لہر ہوں جسے کنارہ نہ ملا
مل گیا مجھے جو کچھ بھی چاہا میں نے محسن
ملا نہیں تو صرف ساتھ تمہارا نہ ملا
ویسے تو ستاروں سے بھرا ہوا ہے آسماں
جو ہم ڈھونڈ رہے تھے وہ ستارہ نہ ملا
کچھ اس طرح سے بدلی پھر زندگی ہماری
پھر جسے بھی پکارا وہ دوبارہ نہ ملا
احساس تو ہوا ہے مگر دیر ہوگئی نوید
اس نے ڈھونڈا مگر نشان ہمارا نہ ملا
نوید خان ڈاھا۔ عارفوالہ

اگر تم نہ ہوتے

تحریر۔ میناہل۔ آزاد کشمیر۔

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں ناچیز دکھی جواب عرض کی نگری کے دروازے پر دستک دے رہی ہوں میں اپنی ایک سٹوری لے کر حاضر ہوں امید ہے کہ سب کو پسند آئے گی اور میری حوصلہ افزائی ضرور کریں گے اگر آپ نے ایسا کیا تو میں اگلی بار ایک نئی سٹوری کے ساتھ حاضر ہوں گی اور زیادہ اچھا لکھنے کی کوشش کروں گی اس کہانی کا نام میں نے ۔اگر تم نہ ہوتے۔ رکھا ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں لکھنے میں کہاں تک کامیاں ہوئی ہوں یہ ضرور بتایئے گا مجھے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میں سٹوری شروع کرنے سے پہلے اپنا تعارف کروانا چاہتی ہوں میرا نام میناہل ہے ہم چھ بہن بھائی ہیں تین بہنیں اور تین بھائی ہیں اور میں بہنوں میں سب سے چھوٹی ہوں چوتھے نمبر پہ ہوں اس وجہ سے سب مجھے پیار کرتے ہیں میری عمر چار سال تھی جب میں نے سکول جانا شروع کر دیا تھا مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا مڈل تک میں نے قریب ہی سکول میں پاس کیا اس کے بعد مجھے ہائی سکول میں داخل کروایا گیا تھا میں دل لگا کر پڑھتی تھی اور میں نے مڑک اچھے نمبروں سے پاس کیا اس کے بعد کالج میں نہ جا سکی گھر میں پڑھتی رہی اور ایف اے کر لیا جب میں ایف اے میں تھی۔
قارئین آپ کو بتاتی چلوں کہ میں پیار سے ناواقف تھی اور مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا تھا اگر کوئی پیار کے متعلق بات کرتا تو مجھے بڑا غصہ آتا لیکن پھر پتہ نہیں مجھے خود کیسے پیار ہو گیا ہوا یوں کہ کچھ دن میں گھر میں اکیلی تھی اور ایک رونگ نمبر سے بار بار کوئی مجھے تنگ کر رہا تھا مگر میں نے کوئی دلچسپی نہ لی پھر ایک دن مجھے ایک کال آنے لگی میں نے سوچا کہ کوئی اپنا ہوگا یا ہو سکتا ہے کہ بھائی ہو یہ سوچ کر میں نے کال پک کی ہیلو۔ اسلام علیکم۔ آگے سے پھر بہت ہی پیاری آواز ابھری اور مجھ تک پہنچی وا علیکم اسلام میں نے پوچھا جی کون۔
میں فرحان علی بات کر رہا ہوں کیا آپ میناہل ہیں ۔جی میں میناہل ہوں مگر مجھے کیسے جانتے ہو اور میرا نمبر کہاں سے لیا اور کال کیوں کی میں نے ایک ہی وقت میں کئی سوال کر ڈالے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا پھر کال ڈراپ ہو گئی اور میں پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔
دوسرے دن پھر اس کی کال آ گئی میں بہت حیران تھی پریشانی ہوئی مجھے کہ اب کیا کروں دو تین بار میں نے کال کاٹی بھی مگر وہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ کال پر کال کرتا رہا میں نے کال اٹینڈ کی اور پھر کافی دیر میری اس سے بات ہوتی رہی اور پھر ہمارا معمول بن گیا تھا

ہم روز بات کرتے ہم گھنٹوں فون پر باتیں کرتے ایک دن وہ کہنے لگا میں کسی سے پیار کرتا ہوں میں نے پوچھا کس سے وہ کہنے لگا تم سے پیار کرتا ہوں مگر تم نے آج تک سمجھا ہی نہیں کیا تم نے کسی سے پیار کیا ہے تو میں نے صاف انکار کر دیا مجھے اس دن ہی تم سے پیار ہو گیا تھا جس دن فرسٹ ٹائم میں نے تیری آواز سنی یہ کیا بکواس ہے میں نے غصے میں کہا تو وہ کہنے لگا کہ پلیز میرے پیار کو ٹھکرانہ مت میرا پیار ایک کانچ کی چوڑی کی طرح ہے جو ذرا سی ٹھوکر لگی تو ٹوٹ جاتی ہے اگر آپ نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں بھی اس چوڑی کی طرح ٹوٹ جاؤں گا میں اس کے بنا نہیں رہ سکتا پلیز میرے پیار کا مان رکھنا یہ فرحان علی کل بھی تیرا تھا اور آج بھی تیرا ہے اور کل بھی تیرا ہی رہے گا میں نے تم کو ٹوٹ کر چاہا ہے اور جس کو ٹوٹ کر چاہا جائے تو وہ اس کی رگ رگ میں اتر جاتا ہے اور بھولنے سے بھی نہیں بھلایا جاتا کیونکہ جو دل میں سما جائے وہ بھولتے نہیں۔

وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ مجھے اس سے پیار ہو گیا تب میں نے فرحان علی کو کہا کہ میں بھی آپ سے بے پناہ پیار کرتی ہوں اگر آپ بھی میرے ساتھ بے وفائی کی یا مجھے تنہا کیا تو میں مر جاؤں گی تو فرحان علی نے کہا کہ مجھے اپنے پیار کی قسم ہے میں تمہیں نہیں بھولوں گا مجھے موت آ جائے گی مگر میں تم سے پیار کرتا رہوں گا پھر میں خاموش ہو گئی ہم نے فون پر بہت سے وعدے کیے اور قسمیں کھائیں تب سے میری بربادی کے دن شروع ہو گئے تھے۔

کبھی سوز خم بھر جاتے ہیں لمحوں کے گزرنے پر
کبھی ایک زخم انسان کو ساری زندگی رولاتا ہے

ہوا یوں کہ میں اپنی محبت میں بہت آگے نکل گئی تھی جہاں سے واپسی بہت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھی لیکن افسوس کہ وہ کسی اور لڑکی سے پیار کرتا تھا وہ لیکن وہ جب بھی مجھ سے بات کرتا میں اس کی ہر غلطی بھلا دیتی تھی اسی طرح ہماری محبت کو دو سال ہو گئے ایک دن فرحان کا ایک دوست جس کا نام علی تھا اس نے مجھے کال کی اور کہنے لگا کہ کیا تم فرحان سے پیار کرتی ہو تو میں نے کہا کہ ہاں میں فرحان سے پیار کرتی ہوں تو علی مجھے کہنے لگا کہ آپ فرحان کے لیے اپنی زندگی مت خراب کریں وہ آپ سے بے وفائی کر رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے اس کا اور بھی بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ رابطہ ہے مگر میں نے یقین نہ کیا کہ میرا فرحان ایسا نہیں کر سکتا تھا وہ پل بھر میں کیسے بدل سکتا ہے اور میں کیسے یقین کرتی کیونکہ میرے دل نے کہا تو میری روح نے بھی اسے چاہا ہے میں نے علی کو برا بھلا کہا اور کال ڈراپ کر دی اور پھر میں نے فرحان سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی اور کو دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں ایک بار پھر اس پر اعتبار کر لیا لیکن افسوس کہ یہ اعتبار زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکا۔

ایک دن علی نے مجھے کال کی اور کہنے لگا کہ اس دن آپ نے تو مجھے برا بھلا کہا تھا تو آج میرے پاس ثبوت بھی ہے جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ فرحان کسی اور سے پیار کرتا ہے اور بات بھی کرتا ہے اس نے اپنے موبائل کی ریکارڈنگ آن کی جس کو میں نے سنا تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی میں بے ہوش ہو کر گر پڑی ہوش آیا تو میری کزن جس کا نام ماہ نور تھا میرے پاس تھی اس نے مجھے بہت حوصلہ دیا مگر آنسو جو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے مجھے بہت دکھ ہو رہا تھا فرحان کی اس بات پر اور اس کے بے وفائی پر میں نے تو دل و جان سے زیادہ پیار کیا تھا اسے چاہا تھا ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھانے والا اتنا بے وفا نکلے گا کبھی سوچا نہ تھا۔

کوئی ہمدرد نہ تھا کوئی بھی درد نہ تھا
اچانک ایک ہمدرد ملا پھر اس سے ہی ہر درد ملا

پھر اس کے بعد میری صحت دن بدن گرتی چلی

گئی لیکن پھر بھی مجھے ہمت سے کام لینا پڑا میں نے ایک دن فرحان کو کال کی اور اسے بہت ساری کھری کھری سنائیں وہ میری رگوں میں اتر چکا تھا اس کے ساتھ میں کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتی تھی میں نے پھر خود ہی فرحان کو چھوڑ دیا اور اسے بھلانے کی ناکام کوشش کرتی رہی مگر وہ تھا اس کی یادیں تھی کہ بھولنے کا نام نہیں لے رہی تھی لیکن پھر ایک دن ایسا ہوا میری ایک دوست نے مجھے کال کی جو کہ فرحان کے گھر کے قریب ہی رہتی تھی اس نے مجھے بتایا کہ فرحان نے تمہارا دل توڑا ہے اور آج وہ بھی بری طرح ٹوٹ گیا ہے بٹ مجھے بہت ٹینشن ہوئی میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا فرحان کو تو وہ کہنے لگی کہ فرحان کے گھر کے قریب ہی ایک لڑکی کا چکر چل رہا تھا مگر جب فرحان نے اسے پانے کی کوشش کی تو اس لڑکی نے صاف انکار کر دیا کہ فرحان اور بھی بہت ساری لڑکیوں سے بات کرتا ہے میں کسی صورت بھی اسے قبول نہیں کر سکتی اس کے بعد وہ بری طرح ٹوٹ گیا ہے ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتا ہے اور بہت پریشان ہے۔

یہ سن کر میں بہت خوش ہوئی کہ اس کو اپنے کیے کی سزا مل چکی تھی مگر میں اس کو نہیں بھلا پائی آج پانچ ماہ ہو گئے ہیں میری اس سے بات نہیں ہوئی اور میری دعا ہے کہ اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے اور اسے اس کی چاہت جس کو وہ چاہتا ہے اسے ملا دے آمین۔

قارئین یہ تھی میری داستان کیسی لگی اپنے رائے سے ضرور نوازیئے گا مجھے شدت سے انتظار رہے گا اور میرے لیے دعا کرنا میں فرحان کو بھول جاؤں آخر میں ایک غزل اپنی کزن ماہ نور کے نام۔

کر لیا ترک تعلق اور بتایا ہی نہیں
سزا تو دے دی مگر سنایا ہی نہیں
نہ تھی محبت تو رکھتا تھا دوستی کا بھرم
کر کے عہد وفا پھر اس کو نبھایا ہی نہیں۔

غزل

ہم پہ گزرے تھے رنج سارے
جو خود پہ گزرے تو لوگ سمجھے
جب اپنی اپنی محبت کے
عذاب جھیلے تو لوگ سمجھے
وہ جن درختوں کی چھاؤں میں سے
مسافر کو اٹھا دیا تھا
انہی درختوں سے جو اگلے موسم
پھل نہ اترے تو لوگ سمجھے
اس ایک کچی سی عمر والی کے
فلسفے کو کوئی نہ سمجھا
جب اس کے کمرے سے لاش نکلی
خطوط نکلے تو لوگ سمجھے
وہ اک گاؤں کا ضعیف دہقان
سڑک کے بننے پر کیوں خفا تھا
جس اس کے بچے جو شہر جا کر
کبھی نہ لوٹے تو لوگ سمجھے

غزل

لبوں پہ حرف نہ کوئی سوال رکھتا تھا
کبھی وہ ضبط میں اتنا خیال رکھتا تھا
خبر ہی کہاں تھی مجھے ہی وہ بھول جائے گا
ایک ایک چیز جو میری سنبھال رکھتا تھا
وہ مسکرا کے بہت چپ رہا
جیسے ہنسی کی آڑ میں ملال رکھتا تھا
سنا ہے اب لوگ اسے بہت ستاتے ہیں
جس شخص کا میں بہت خیال رکھتا تھا
--------- سمیع خان۔ بہاولنگر

محبت کرنا جرم نہیں اگر کی جائے اصول سے
محبت تو خدا نے بھی کی تھی اپنے رسول سے
محمد اکرم کے نام
ہم سے بھی پوچھ لیا کروں حال دل سلیم
ہم بھی کہہ سکیں دعا ہے آپ کی۔۔۔ محمد سلیم منیو

انتظار

تحریر۔محمد یونس ناز۔کوٹلی آزاد کشمیر

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
قارئین دوبارہ حاضری کو قارئین نے بہت سراہا ہے اور تہہ دل سے ممنون ہوں کہ لوگوں کے دلوں میں اب بھی ہمارے لیے محبت موجود ہے نئی کاوش جس کا نام میں نے۔انتظار۔رکھا ہے لیے ہوئے حاضر ہوا ہوں امید ہے کہ حوصلہ افزائی ہو گی میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری تحریروں کو پسند کیا اور محبتوں کا سلسلہ جاری رکھنے کا کہا امید ہے کہ یہ کہانی بھی سب کو پسند آئے گی اور اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیے گا۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہو گی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

وہ تو کہتا تھا اسے ساری دعائیں یاد ہیں
کیا بچھڑ کے پھر ملنے کی دعا کوئی نہیں

اک پل کے لیے ملنا اور پھر بچھڑ جانا کیا یہی محبت ہے میں نے تو محبت میں انتہا کر دی تھی مگر تمہاری بے رخی میری سمجھ سے بالاتر ہی تو ہے کیا میں ایسی محبت کا حقدار تھا ویسے بھی یہاں حقدار کو کب اس کا حق ملتا ہے اور ملتا انہیں کو ہے جن کا کوئی حق نہیں ہوتا ظالم مظلوم بن جاتے ہیں اور مظلوم کو یہ زمانے والے ظالم بنا دیتے ہیں۔
انیلہ میں تو ہر موسم میں ہمسفر رہا ہوں ہر مشکل گھڑی میں تمہارے ساتھ رہا ہوں پھر تو نے مجھے کیوں بھلا دیا ہے وہ وعدے وہ قسمیں وہ بلند و بالا دعوے سب کیا تھا تمہارے لیے تو صرف وقت گزاری مگر میرے لیے نہیں میں نے تو تم سے محبت کی ہے سچی محبت اور ایسی محبت جس کی شاید تم حقدار نہ تھی انیلہ اگر میں نے تم سے سچی محبت نہ کی ہوتی ہر مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو آج تم اس مقام پر نہ ہوتی بلکہ لوگ تم سے نفرت کرتے اور شاید تم بدنامی کے خوف سے زندہ بھی نہ رہ پاتی تم تو آج بھی پہلے کی طرح خوش و خرم زندگی گزار رہی ہو گی۔مگر ہم ہیں کہ مہ خانے سے نکلنے کا نام تک نہیں لیتے۔
انیلہ ہم دنیا والوں سے چھپ چھپ کر نہیں پیتے بلکہ سرعام پیتے ہیں لے لے کر تیرا نام پیتے ہیں تیرے نام کے ساتھ جب پیتے ہیں تو اتنا لطف اور سرور ملتا ہے کہ دل کرتا ہے کہ اور پیتے جائیں اتنا پئیں کہ زندگی کی شام ہو جائے ویسے بھی ویران زندگی میں اجالے کب تھے اب تو مصنوعی روشنیوں کی عادت ہو گئی ہے دن کے اجالے سے وحشت سی ہونے لگتی ہے کہیں یہ زمانے والے میرے اندر کے انسان کو پڑھ نہ لیں۔
انیلہ جب ہم مہ خانے میں جاتے ہیں تو ہر بوتل پر تیرا عکس نظر آتا ہے اور جب ہم بوتل کا ڈھکن کھولتے ہیں تو اندر تو بند نظر آتی ہے اور ہم تجھے بوتل کی قید سے آزاد کر کے اپنے دل میں قید کر لیتے ہیں

اور جب تم سے ملنے کا خمار بڑھ جاتا ہے تو پھر تم سے گلے شکوے کرتے ہیں تمہیں سامنے بیٹھا کر اپنا جرم دریافت کرتے ہیں اور جب تو نہیں بولتی تو پھر تمہیں چھونے کی کوشش کرتے ہیں مگر چھونے سے قبل ہی ہمارے قدم ڈگمگاتے ہیں اور ہم گر جاتے ہیں ہماری اس بے بسی پر تم ہنستی ہو قہقہے لگاتی ہو ہم لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تمہاری طرف بڑھنے لگتے ہیں مگر تم ہماری اس بے بسی پر قہقہے لگا کر دور فضاؤں میں گم ہو جاتی ہو۔

میکدے میں اذان سن کر رویا بہت
اس شرابی کو دل سے خدا یاد آیا ہے

انیلہ آج بھی ہمارے دل میں تم ہو اور صرف تم ہی ہو کوشش بہت کی تمہیں بھلانے کی مگر نا کام رہا ہوں اور پھر جب قدر تمہیں بھلانے کی کوشش کرتا ہوں تم اتنی ہی شدت سے یاد آتی ہو اور پھر تمہیں بھلانے کا ارادہ ترک کر دیتا ہوں تیرا ملنا تو اب ممکن نہیں رہا ہے مگر ہیں یاد کرنے سے مجھے کون روک سکتا ہے تیرا پیار تو نہ مل سکا مگر تیری یادیں میرے ساتھ ہیں جو مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی ہیں تم کو مجھ سے کب پیار تھا مگر میں تیری محبت پیار کو ہمیشہ زندہ رکھوں گا اور جب تک زندہ ہوں پیار بھی زندہ ہے مگر رہتی دنیا تک پیار کو زندہ ہی رکھوں گا کتابوں میں کہانیوں میں افسانوں میں اور ناولوں میں ہیر رانجھا لیلیٰ مجنوں۔ کی طرح یکطرفہ محبت کی داستان بھی دنیا پڑھے گی اور اس شوق اور سے پڑھے گی جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کیونکہ تم بدلتی ہوئی رتوں کی مسافر ہو تمہیں صرف اپنا مفاد عزیز تھا اور جب تمہیں اپنی منزل مل گئی تو تم نے ہمیں فراموش کر دیا اور ایسے ہماری زندگی سے غائب ہو گئی ہو جیسے گدھے سے سر سے سینگ۔

انیلہ تمہارے نزدیک محبت ایک عام چیز ہو گی مگر میرے نزدیک جذبہ ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا یہ کائنات آباد ہے اگر خدا کو اپنے بندوں سے محبت نہ ہوتی تو اس دنیا کو ختم کر دیتا جہاں پر مجھ جیسے گناہگار لوگ بھی رہتے ہیں۔

کمال کی فنکاری ہے اس میں
وار بھی دل پر اور راج بھی دل پر

انیلہ تم نے تو بے وفائی کی ہمارے دل کو کھلونا سمجھ کر کھیلتی رہی ہو اور ہمیں بے وقوف سمجھ کر لوٹتی رہی ہو ہماری وفا کا کیا خوب صلہ دیا ہے تم نے ہم تو صرف حیران ہیں کہ تم آخر تم نے ایسا کیوں کیا اگر ایسا کرنا تھا تو پیار کی طرف قدم پہلے تم نے ہی بڑھائے تھے اور پھر خود ہی تم نے کنارہ کشی بھی خود اختیار کی ہے انیلہ تمہیں اب کچھ یاد نہ ہو تو یاد کرو وہ وقت یہ مئی کی بات ہے جب تم نے میری تین سالہ محبت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا کہ فرحان ایک لڑکا مجھے بلیک میل کر رہا ہے میری کچھ تصویریں اس کے پاس ہیں اور اس نے تصویریں میرے گھر والوں کو دے دیں تو پھر میں بدنام ہو جاؤں گی پلیز میرے مستقبل کے لیے وہ تصویریں آپ لا کر دیں گے۔ مرتا کیا نہ کرتا میں نے عظیم سے رابطہ کیا اور کہا کہ وہ تمہیں تصویریں واپس کرے مگر اس کی ایک ہی شرط تھی کہ وہ تمہیں مل خود تمہارے ہاتھ میں تصویریں دے گا۔

سوچا اس وقت میرے دل پر کیا گزری ہو گی جب عظیم نے مجھے کہا کہ تم انیلہ کو کب سے جانتے ہو میں نے تمہاری خاطر اس کو کہا کہ انیلہ صرف میری دوست ہے اور اس کے علاوہ ہمارے درمیان اور کوئی ناطہ نہیں ہے۔

انیلہ یہ جانتے ہوئے کہ مجھ سے پہلے اور بعد میں تمہارا کس کس کے ساتھ تعلق رکھا ہوا تھا اور اس تعلق کی نوعیت کیا ہے مگر پھر بھی تم سے محبت کی کیونکہ اگر جذبہ محبت کا تعلق روح سے ہے اور دوسرے لوگوں نے آپ کے جسم کے ساتھ محبت کی ہو گی۔

ہاں انیلہ میں نے مجبور ہو کر عظیم کو تمہارے گھر

بلایا تھا اور تم دونوں اکیلے ہی کمرے میں تھے اور وہاں تم نے کیا کچھ کہا اور تمہارے ساتھ کیا ہوا میں نے سوچا تھا کہ تم میری احسان مند رہوں گی کیونکہ میں نے تمہارے اجڑے ہوئے گلشن کو بچانے کے لیے اپنے ارمانوں کا خون کر دیا تھا لیکن بدلے میں تم نے کیا دیا صرف مطلب کی خاطر مجھ سے تعلق رکھا ہوا تھا اور تمہاری شادی میں رکاوٹ صرف عظیم تھا کیونکہ وہ تمہیں بدنام کر سکتا تھا اور اگر ایسا ہوتا تو تم سے کون شادی کرتا۔

عظیم کو میں نے تمہارے راستے سے ہٹا دیا تھا اور تم نے کمال ہوشیاری سے مجھے اپنے رستے سے ہٹا دیا۔ قارئین محترم یہ اس وقت کی بات ہے جب آزاد کشمیر میں موبائل کا تو دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا اور ٹیلی فون بھی صرف محکمہ دفاتر میں ہوتے تھے میرا اور انیلہ کا رابطہ صرف خطوط کے ذریعے ہوتا ہے اس معاملے کے لیے ایک قاصد تھا اس کا کزن اور اس کی چھوٹی بہن فائزہ انیلہ تم نے دونوں قاصدوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھیں اور اگر وہ راستے میں مجھے مل بھی جاتے تو پاس سے گزر جاتے۔

انیلہ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ مجھ سے کیسی محبت کی کیا یہی محبت ہے کہ تم نے مجھے مطلب کی خاطر استعمال کیا جب تمہارے ساتھ کوئی نہ تھا اس وقت میں سایہ بن کر تمہارے ساتھ ساتھ رہا ہوں اور جب اور لوگ تمہاری زندگی میں آئے تو تم نے مجھے اپنی ہی نظروں سے گرا دیا۔

اور پھر تم نے حماد سے شادی کر لی مجھے خبر تک نہ ہوئی آخری بار تم دربار پر ملی تھی اور تمہارے ساتھ کوئی عورت تھی تم نے تو عہد کیا تھا میں صرف تمہاری ہوں اور تمہارے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی ہوں اور میں بھی کتنا پاگل تھا تمہاری ہر بات کو سچ سمجھ کر یقین کر لیتا تھا وجہ یہی تھی کہ میں تم سے پیار کرتا تھا۔

جس کو بھی چاہا شدت سے چاہا فراز
سلسلہ درد کی زنجیر کا بھی ٹوٹا نہیں

انیلہ تم نے حماد کی دلہن بن کر اس کے ساتھ چلی گئی اور یہ بھی نہ سوچا کہ فرحان کا کیا ہوگا جس کو سپنے دکھائے تھے اور وہ اکیلا کیسے جی پائے گا میرا قصور تو بتایا ہوتا کہ میں نے تمہاری خاطر کیا کچھ نہیں کیا پیار کی طرف قدم تمہارے اٹھے تھے اب تنہائی عذاب صرف میرے حصے میں ہی کیوں آیا ہے کہاں گئی تمہاری وہ قسمیں کہ تمہارے بنا جی نہ پاؤں گی ساجن اور اب کسی اور کے سنگ جی رہی ہو۔

انیلہ میں تیری یاد سے غافل نہیں ہوں اور تمہاری کچھ نہ کچھ خبر ضرور رکھتا ہوں مگر 2005 کے زلزلے کے بعد سب رابطے منقطع ہو گئے آبادیاں اجڑ گئی تھیں اور تمہاری کوئی خبر نہ ملی اب تو تمہارے بچے بھی بڑے ہو گئے ہوں گے اور تم نے تو ہمیں فراموش کر دیا ہوگا کب تمہیں میری یاد آئی ہوگی اور آئے بھی کیوں۔ کیونکہ تم نے ہمیں کب پیار کیا تھا وہ تو محض وقت گزاری کے لیے ہمارے ارمانوں کا خون کرتی رہی ہو اور مطلب کی خاطر تعلق تھا انیلہ تمہیں یہ حق کس نے دیا تھا کہ تم ایک معصوم انسان کی ہنستی بستی زندگی کو اجاڑ کر رکھ دو۔

اقرار بھی تم نے کیا تھا اور انکار بھی تم نے کیا ہے پہلے زخم لگائے پھر مرہم لگانا بھول گئی ہو۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا تم سے میری دشمنی کیا تھی میں تو تمہیں جانتا تک نہ تھا تم نے خود ہی محبت کی بھیک مانگی تھی اور جب ہم تمہارے پیار میں جنون کی حد تک پاگل ہو گئے تو ہم تم سے محبت کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

جب تک تمہارا ساتھ رہا ہم اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے رہے اور تمہارے ہی گن گاتے رہے اور تمہاری ہر ادا پر مرمٹتے رہے تم جو کہتی ہم اس کو سچ تسلیم کرتے رہے اور جب تم نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا تھا تو

ہم بہت روئے تھے اور ٹوٹ کر بکھر گئے تھے ہماری امیدوں کے تاج محل زمین بوس ہو گئے ہمیں ہر چیز سے نفرت ہونے لگی ہم نے تمہارے وہ خطوط جلا دیئے تمہارے دیئے ہوئے تحائف اور تصویریں جلا دیں مگر تمہیں دل سے نہیں نکال سکے جب دانت تھے تو چنے نہ تھے مگر اب چنے ہیں تو دانت نہیں ہیں جب ہمیں کسی کے سہارے کی ضرورت تھی تو اس وقت ہر کسی نے ہمیں نفرت سے دیکھا اور کسی نے ہمیں ہمدردی کے دو بول نہ بولے اور اب ہم اس قابل ہیں کہ ہمیں کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں تو بہت سے لوگ ہمارے لیے اپنے دل میں چاہت کے دیپ جلائے بیٹھے ہیں لیکن اب ہم عمر کے اس حصے میں ہیں کہ محبت اک قصہ لگتی ہے اور ہم لوگوں سے معذرت کرتے ہیں کا معلوم کہ ہماری وجہ سے کسی کی حوصلہ شکنی بھی ہو مجھے اس چیز کا کوئی دکھ نہیں ہے کیونکہ اگر تم میرے ساتھ مخلص نہیں تھی اور دوسروں سے کیوں امید رکھوں ڈھونڈنے سے کیا کچھ نہیں ملتا مگر ہم نے تمہیں آزاد چھوڑا ہوا ہے کیونکہ تم اک آوازہ پنچھی ہو جب کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے۔ تمہیں رسم و رواج پسند کہاں تھے تم کسی ایک کے ساتھ زیادہ دیر کب رہ سکتی ہو۔

نجانے کن مجبوریوں کا قیدی ہے وہ
اگر ساتھ چھوڑ جائے تو برا مت کہو

ہم تو قسمت کا لکھا سمجھ کر تمہیں بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں مگر یہ دل اپنے اختیار میں کہاں ہے رہتا تو ہمارے سینے میں ہے مگر دھڑکتا تمہارے لیے ہے۔ اور شاید جب تک ہماری سانسیں چلتی ہیں اس وقت تک تمہاری یاد ہمارے دل میں رہے گی کیونکہ یادیں تو انسان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں اور یادوں کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری ہی تو ہے۔

انیلہ تمہارے بارے میں سنا تھا کہ تم مطمئن ہو اور بھرپور زندگی گزار رہی ہو اور ہم تمہاری خوشی سے جلتے نہیں ہیں مگر تمہیں دل سے ابھی تک بھلا نہ سکے جس کو بھی دیکھتا ہوں اس میں تمہاری ہی عکس نظر آتا ہے تم کو جتنا بھولنے کی کوشش کرتا ہوں تم شدت سے یاد آتی ہو شاید یہ میری دیوانگی ہے یا سادگی۔

انیلہ وقت تو گزر ہی جاتا ہے مگر ساتھی کی تلخ یادیں انسان کا مقدر بن چکی ہو اور میں کسی اور کا مقدر ہوں لیکن میں اس کو دل کا کیا کروں جو آج بھی تمہارے لیے دھڑکتا ہے تمہاری پوجا کرتا ہے۔

انیلہ آج میرے پاس سب کچھ ہے دولت ۔عزت۔ شہرت۔ جو اک بھرپور زندگی گزارنے کے لیے کافی ہوتی ہیں مگر اک کمی ہے کہ صرف تم نہیں ہو لیکن تمہاری یادیں ہمیشہ سے میرے ساتھ رہی ہیں اور دکھ اور کرب کی ایسی صورت ہے کہ کبھی بھی دیوانگی میں لبوں پر تمہارا نام آ ہی جاتا ہے اور لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ انیلہ کون ہے تو میں صرف آنسو بہا کر رہ جاتا ہوں کہیں تمہارے نام کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔

انیلہ تم جہاں بھی ہو اگر کچھ تمہیں مجھ سے لحہ بھر کے لیے پیارا ہوا ہو تو مجھ سے رابطہ کرو اور دیر نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ ہماری سانسیں جواب دے جائیں اور تم ہمیں ڈھونڈتی رہ جاؤ۔ اور ہم دور کہیں دور تمہاری دنیا سے دور چلے جائیں اور کبھی نہ مل پائیں۔

قارئین یہ کہانی مجھے فرحان نے بذریعہ خط ارسال کی تھی جنون محبت میں اس نے بہت کچھ لکھا تھا مگر میں نے اس میں اس کو اپنے انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ کسی کی حوصلہ شکنی نہ ہو اگر سب کچھ من و عن لکھ دیتا تو شاید انیلہ کا گھر اجڑ جاتا اور ہم لوگ آباد کرتے ہیں نہ کہ اجڑتے ہیں انیلہ سے گزارش ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو فرحان سے رابطہ کرے اور اپنی پوزیشن واضح کر دے کن حالات میں اس نے یہ قدم اٹھایا ہے۔

قارئین میں اپنے تمام دوست احباب کو ممنون ہوں جو میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں۔

محبت اک پھول ہے

تحریر۔ بشارت علی پھول باجوہ تھوتھیاں خورد۔

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج جواب عرض کے لیے اپنے ایک دوست کی سچی کہانی لے کر آیا ہوں امید ہے کہ آپ جلدی اس کو اپنے شمارے میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں گے میری یہ کہانی لکھنے کا مقصد ان نوجوانوں کو سبق دینا چاہتا ہوں جو محبت کے نام پر عزتوں سے کھیلتے ہیں اور جھوٹی محبت کے دعوے کرتے ہیں پلیز اس پاک رشتے کو بدنام نہ کریں۔ میں نے اس کہانی کا نام۔ محبت اک پھول ہے۔ رکھا ہے امید ہے سب کو پسند آئے گی اور سب میری حوصلہ افزائی ضرور کریں گے
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

بہار کی آمد و رفت عروج پر تھی ہر طرف خوشم خوشی تھی اور ساتھ ساتھ جشن بہاراں کی بسنت کا دور دوراں تھا گلشن میں طرح طرح کے رنگ و بو والے رنگ برنگے پھول زندگی کے حسن میں اور بھی اضافہ کر رہے تھے آسمان پر دن کے وقت بھی ستارے سا سماں بنا ہوا تھا رنگ برنگی پتنگیں ہواؤں میں مستی بھر رقص کر رہی تھی لوگ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر ناچ رہے تھے اور پارکوں میں لوگ اپنے اپنے گروہوں کے ساتھ ڈیرے جمائے ہوئے تھے اس تہوار کو منا رہے تھے ہم بھی چند دوست ایک گروہ کی صورت میں یادگار مینار پاکستان کی پارک میں آ گئے تھے آ کر پہلے ہم نے ایک کونے میں چٹائی بچھائی اور اپنا سپاہیان سیٹ کیا اور ٹیپ ریکارڈ آن کیا پھر اپنی اپنی پتنگیں اڑانے لگے اور ساتھ ساتھ گانوں پر ہم انجوائے بھی کرنے لگے۔
پارک میں کافی ہجوم تھا ہر طرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا تھا لڑکیاں رنگ برنگی تتلیوں کی طرح ادھر ادھر گھوم رہی تھی اور اپنی ہی خوشی میں مگن تھیں لڑکے بیچارے پروانوں کی طرح ان کے ارد گرد چکر کاٹ رہے تھے کہیں کہیں تو یہ پروانے اور شمع اکٹھے بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے اور اپنی ہی دھن میں مصروف دنیا سے بے خبر مستیاں کر رہے تھے کہ ان کو دیکھ دیکھ کر میرے منہ میں بھی پانی آنے لگا کہ کاش کوئی لڑکی ہم سے بھی پیار کرتی ہوتی اور آج وہ میرے ساتھ بسنت منا رہی ہوتی مگر افسوس میں جس سے پیار کرتا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں وہ میری کلاس فیلو شائزہ تھی۔
ہم اکٹھے لاہور کی ایک یونیورسٹی میں پڑھتے تھے وہ ایک امیر گھرانے کی لڑکی تھی اور میں درمیانے طبقے کے خاندان کا ساجزادہ تھا میرے ساتھ پہلے بھی کافی لڑکیاں پڑھتی تھی جو دل ہتھیلی پر لیے میرے آگے پیچھے گھومتی تھی لیکن میں کبھی کسی سے متاثر نہ ہوا میں اپنی کلاس میں سب سے لائق شاگرد تھا اور اپنے استادوں کی آنکھ کا تارا تھا میں نہایت ہی شوخ و چنچل

قسم کا لڑکا تھا اکثر لڑکیاں مجھے مغرور کہتی تھیں
ایک دن بدقسمتی سے میں کسی کام کے سلسلے میں
کلاس روم سے دوڑتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ
اچانک میری کسی سے ٹکر ہو گئی اتنی بری ٹکر ہوئی کہ میں
اس کے اوپر اور وہ نیچے گری جب میں نے غور کیا تو وہ
بہت خوبصورت لڑکی تھی میں اس کے اوپر گر پڑا تھا
میرے ہونٹ اس کے رخساروں کو چھو رہے تھے اور
اسکے بدن سے ایک عجیب قسم کی مہک آ رہی تھی جو میں
نے پہلے کبھی آج تک محسوس نہیں کی تھی میں تو بے
ہوش ہونے کے بجائے مدہوش ہو گیا تھا اور وہ نیچے
منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی اور میں نہ چاہتے ہوئے
بھی جلدی سے اٹھا اور کہا۔

ہوری جی کوئی چوٹ تو نہیں آئی اور اسے بھی پکڑ
کر اٹھایا اور اس کی کتابیں اکٹھی کر کے اس کے ہاتھ
میں تھما دیں تو وہ غصے سے بولی۔

کیا اندھے تھے دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے اس
نے کافی ساری ڈانٹ پلا دی اور بولی ویسے ہی لڑکیو
ں سے ٹکرانے کا شوق ہے

میں نے کہا نہیں جی پہلی دفعہ ہی کسی لڑکی سے
ٹکرایا ہوں مگر اب شاید آپ سے ٹکرانے کی عادت
بن جائے آپ یقین جانیں بہت ہی مزا آیا اس ٹکر کا
تو وہ بولی۔

بدتمیز گدھا کہیں کا

اور یہ کہتے ہوئے اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی تو
میں نے کہا۔

جی اپنا نام تو بتاتی جاؤ۔

بولی تمہیں کیا مطلب گدھے آپکو عزت راس
نہیں۔

میں نے کہا وہ آپ کا قرض اتارنا ہے۔

وہ بولی کیسا قرض۔

میں نے کہا وہ نیچے اترتا ہوا آپ پر گر گیا تھا ناں
میں تھوڑی دیر بعد واپس آتا ہوں ناں تو آپ بھی
سیڑھی اترتی ہوئی مجھ سے ٹکرا کر میرے اوپر گر جانا
آپ کا قرض اس طرح اتر جائے گا

میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ تھپڑ لے کر میری طرف
بڑھی اور میں موقع سے فائدہ اٹھاتا ہوا باہر کی طرف
بھاگ گیا ور وہ اوپر واپس چلی گئی جب میں واپس
اپنے کام ختم کر کے اپنے کمرے میں آیا تو دیکھتا ہی رہ
گیا وہ پری جمال چہرہ میری ہی سیٹ پر بیٹھ کر لیکچر سن
رہی تھی اسے شاید کوئی خالی سیٹ نہیں ملی تھی میں پیچھے
ہی اک دوست کے ساتھ بیٹھ گیا جب پروفیسر صا
حب پڑھا کا کلاس روم سے باہر چلے گئے تو میں جلدی
سے اس کے پاس گیا اور یہ شعر پڑھ دیا۔

اللہ اللہ کیا شان ہے جناب آئے گھر ہمارے
ہم کبھی ان کو دیکھتے ہیں کبھی گھر کو دیکھتے ہیں

جب اس نے مجھے دیکھا تو بوکھلا سی گئی اور چڑ کر
بولی تو اچھا تم جہاں بھی چلے آئے۔

نہیں جناب میں آپ کے پیچھے نہیں آیا ہوں
بلکہ آپ خود آ کر میری سیٹ پر بیٹھی ہو۔

وہ تھوڑی سی شرمندہ ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑی
ہوئی اور جلدی سے چلی گئی۔ اس نے ابھی غصہ سے
مجھے دیکھا ہی تھا کہ اچانک پرنسپل صاحب کلاس میں
آ گئے اور میرے تو پسینے ہی چھوٹ گئے کہ اب گدھے
تیری اب خیر نہیں یہ شکایت لگا دے گی پرنسپل صاحب
آتے ہی بولے۔

بیٹی تم کہاں جا رہی ہو۔

وہ بولی آپ کے پاس جا رہی تھی اور آپ تو خود
ہی آ گئے ہیں۔

کیا بات تھی بیٹی۔

تو اس لڑکی نے آنکھیں پھیر کر میری طرف
دیکھا تو میرا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ بولی

اس لیے کہ یہاں تو کوئی سیٹ خالی نہیں ہے

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ
جان چھوٹ گئی اور جلدی سے بولا۔

سر میں پنی والی سیٹ انہیں دے دیتا ہوں اور میں شاہ میر کے پاس بیٹھ جاتا ہوں تو سر بولے
ٹھیک ہے بیٹی تم اس کی سیٹ پر بیٹھ جاؤ
پھر وہ میری سیٹ پر بیٹھ گئی پرنسپل صاحب بولے میں آپ سب سے آپ کا تعارف کرادوں یہ شائزہ صاحبہ ہیں اور رشتے میں میری بھانجی ہے اور یہ اسلام آباد سے جہاں میرے پاس پڑھنے کے لیے آئی ہے اور آج سے یہ آپ کی کلاس روم میں داخل ہو جائیں گی۔ پھر باری باری سب کا شائزہ کا تعارف کروایا اور جب میری باری آئی تو سر نے کچھ اس طرح میرا تعارف کروایا۔
بیٹی یہ ہمارے سب سے ہونہار اور فخر یونیورسٹی طالب علم شاویز صاحب ہیں اور ساتھ ہی پرنسپل صاحب نے مجھ پر حکم صادر کردیا بیٹا شاویز تم آج سے شائزہ بیٹی کا خاص خیال رکھنا کیونکہ یہ ابھی نئی نئی آئی ہے تعارف کروانے کے بعد پرنسپل صاحب تو چلے گئے اور شائزہ سوچ میں پڑ گئی کہ جہاں کا سب سے لائق اور فخر یونیورسٹی طالب علم اتنا جاہل اور بدتمیز ہے تو جہاں نالائق طالب علموں کا کیا حالا ہوگا۔
اف خدایا جہاں میرا گزارا کیسے ہوگا ادھر چھٹی کی گھنٹی بج گئی ادھر میرے دل کی گھنٹی بجنے لگی اور میری حالت بھی عجیب ہونے لگی شائزہ کے شانوں پر گرے ہوئے بال کسی کالے ناگ کی طرح میرے دل کو ڈس رہے تھے شائزہ ہولے سے ایک خوبصورت انداز لے کر کرسی سے اٹھی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی میرے پاس سے گزری تو میرا مدہوشی سے برا حال ہوگیا
آہستہ آہستہ دن گزرتے گئے روزانہ یونیورسٹی آئی اور سارا دن کلاس روم اس کی ہنسی سے مہکتا رہتا لیکن جب وہ کلاس میں نہ ہوتی تو میری حالت عجیب سی ہو جاتی اور میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا اور جیسے ہی وہ نظر آجاتی تو میرے چہرے پر بھی رونق آجاتی میں خود تو بہت ضبط کرنے کی کوشش کرتا مگر ہمیشہ ناکام رہتا آہستہ آہستہ مجھے اس سے اس قدر محبت ہوگئی کہ اس کے بغیر زندگی گزارنا مشکل تو کیا ناممکن نظر آنے لگا مگر میں اس سے اظہار نہیں کر پاتا تھا جب بھی اس سے محبت کا اظہار کرنے لگتا تو میری غربت میرے اور شائزہ کے درمیان آجاتی پھر میں نے اپنے دل پر صبر کا پتھر رکھ لیا مگر وہ بھی تو پتھر دل ہی تھی ایسے لگتا تھا جیسے خدا اس کے سینے میں دل پانا ہی بھول گیا ہو وہ ہر کسی سے بے نیاز لوگوں پر اپنے حسن کا جادو چلاتی تھی مگر کسی پر ترس نہ کھاتی تھی وہ دوسری لڑکیوں کی طرح دل پھینک آوارہ لڑکی نہیں تھی وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بھی تھی۔ دن ایک ایک کرکے گزرتے گئے۔
ایک دن ہم کلاس روم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے دوست شاہ میر نے کہا یار تمہیں پتہ ہے کل سے بسنت شروع ہورہی ہے چلو پروگرام بنائیں کہ کہاں بسنت منانے کا ارادہ ہے تو ہم سب دوستوں نے مل کر یادگار مینار پاکستان کی پارک میں منانے کا پروگرام طے کرلیا اگلے روز ہی ہم سب مل کر وہاں پہنچ گئے اور بسنت منانے لگے۔
ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کاش کوئی لڑکی مجھے پیار کرتی مجھ سے محبت کا اظہار کرتی یہ گانا گن گنا ہی رہا تھا اور پتنگ اڑا رہا تھا کہ میرا دوست شاہ میر بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور بولا۔
شاویز تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے
میں نے کہا کون سی خوشخبری ہے۔
وہ بولا یار شاویز وہ دیکھو ابھی اپنا سامان وغیرہ سیٹ کررہے ہیں
جب میں نے شائزہ کو دیکھا تو میرے مرجھائے ہوئے چہرے پر بھی رونق آگئی میں نے سوچا کہ آج اس خوشی کے موقع پر میں شائزہ سے ضرور اپنی محبت کا اظہار کروں گا جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا تو میں نے

جلدی سے شانزہ کو خط لکھنے کا فیصلہ کر لیا اور کاغذ قلم لے کر ادھر ہی خط لکھنا شروع کیا جس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

رتیں تو بدلتی ہیں ان کے ماتھے کے تیور دیدلنے سے
پھول لوگ تو پاگل ہیں جو خزاؤں کو الزام دیتے ہیں

جان سے عزیز میری جان شانزہ ۔سلام التجا کے بعد آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہوں درگزر کر کے مجھے معاف کرنا میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور کر ہو یہ گستاخی کر رہا ہوں مگر کیا کروں میں اپنے دل کے ارمانوں کا لہو بھی نہیں کر سکتا خاص کر اپنے ہی ہاتھوں سے۔

عرض کچھ یوں ہے کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو مگر ایک بات آپ سے ابھی بھی پوشیدہ ہو گی آپ سے وہ بات لکھ کر بتا دیتا ہوں جس دن میں آپ سے ٹکرایا تھا اسی دن سے آپ سے محبت ہو گئی تھی بلکہ محبت ہی نہیں بے پناہ عشق آپ سے ہو گیا تھا اور آپ کے بغیر ہر وقت مجھ پر خزاں سی طاری رہتی ہے اب سے کچھ دیر پہلے بھی اس جشن بہاراں میں بھی مجھ پر خزاں کا عالم تھا مگر جب سے آپ پر نظر پڑی ہے تو اس دل کے ویرانے میں بھی عجیب سے انمول پھول کھل اٹھے ہیں اور مارے خوشی کے میرا ہر انگ انگ ناچنے لگا ہے اور بڑی ہی بہادری کر کے آپ کو خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں پہلے بھی کئی دفع اظہار کی کوشش کی تھی مگر میں اپنی عزت سے ڈرتا تھا مگر اب میرے سامنے دو ہی راستے ہیں ان میں سے ایک کو منتخب کرنا ہے پلیز میری کلاس فیلو ہونے کے ناطے سے ہی مری ہیلپ کرو ایک راستہ آپ کی محبت اور دوسرا راستہ میری موت ہے اک اپناؤں گا جس کا آپ کی مرضی حکم دے دو آپ کی نوازش ہو گی۔

آپ کا گنا ہگار معافی کا طلبگار۔رائے شاویز

خط لکھ کر میں نے جیب میں رکھا اور خط دینے کا موقع تلاش کرنے لگا کہ اچانک کو ایک کینٹے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو پتنگ کی ڈور چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگا جیسے ہی وہ کینٹے سے برگر اور پیپسی لے کر مڑی تو اس کی نظر مجھ پر پڑی تو حیران رہ گئی وہ سوچنے لگی۔

یہ بدتمیز یہاں بھی آ گیا ہے۔

میں نے جلدی سے کہا سوری شانزہ میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں پلیز معاف کر دو پلیز میری اک بات سنتی جاؤ

وہ بولی اب آپ کو کیا تکلیف ہے

پہلے بات بتاؤں یا اپنی تکلیف بتاؤں ویسے میں نے کبھی اپنی تکلیف کسی کو بتائی نہیں ہے آپ چاہتی ہیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کیا آپ تکلیف سننے کے بعد مرہم پٹی بھی عطا کریں گی تو وہ غصہ میں بولی۔

مرہم تو نہیں میرے پاس البتہ نمک پاشی اور زہر سے ضرور نوازوں گی آپ کو۔

میں نے کہا یہ آپ کا احسان ہو گا کہ تڑپ تڑپ کر جینے سے تو بہتر ہے کہ آپ کے ہاتھوں سے زہر پی لوں امر ہو جاؤں۔

وہ بولی کہ اچھا اب بکواس سیدھی طرح کرو کیا کہنا چاہتے ہو میرے ساتھ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے جلدی بتاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔

میں نے جلدی سے بہانہ بنایا کہ میں کل یونیورسٹی نہیں آؤں گا میں کسی کام کی وجہ سے کل اپنے گاؤں جا رہا ہوں یہ درخواست تم پلیز پروفیسر حماد صاحب کو دے دینا شاہ میر اور طلال مجھے نہیں ملے نہیں پتہ نہیں کدھر ہیں صبح سے۔ پھر اچانک تم نظر آ گئی ہو تو سوچا کہ لیٹ ہو رہا ہوں آپ کو ہی دے دیتا ہوں تو اس نے کہا۔

ٹھیک ہے لا مجھ کو دے دو تو میں نے جلدی سے خط نکال کر ہاتھ میں تھما دیا کہ پڑھ ہی لے گی تو وہ درخواست سمجھ کر خط لے گئی تو میں بہت خوش ہوا

مارے خوشی کے میں پھولا ہوا سما نہیں رہا تھا طلال اور شاہ میر تھوڑی دور چھپ کر سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر ہماری باتیں نہیں سن سکتے تھے جب میں ان کے پاس گیا تو ان دونوں نے مجھ سے پوچھا۔

سناؤ کہا تم نے شانزہ سے اور اس نے کیا جواب دیا ہے تو میں نے جھوٹ ہی اپنے نمبر بنا لیے کہ وہ کہہ رہی تھی شاویز میں بھی تم کو پیار کرتی ہوں کل یونیورسٹی آ کر خط کا جواب لے لینا وہ بہت حیران ہوئے کہ اتنی جلدی کیسے گنگا الٹی بہنے لگی ابھی ہم تینوں ہنس ہی رہے تھے کہ ہم تینوں کے منہ اچانک لٹک گئے ہوا یوں کہ شانزہ نے جاتے وقت وہ خط اپنے ماموں یعنی ہمارے پرنسپل صاحب کو دے دیا تھا اور کہا۔

ماموں جان ابھی تھوڑی دیر پہلے جہاں شاویز ملا تھا وہ شاید کسی کام سے گاؤں جا رہا ہے وہ یہ چھٹی کی درخواست حماد صاحب کو دے دینا مجھ سے ماموں جی کہیں گر نہ جائے آپ صبح اپنے دفتر میں حماد صاحب کو دے دینا تو پرنسپل صاحب نے وہ خط اپنی جیب میں ڈال لیا درخواست سمجھ کر جیسے ہی پرنسپل صاحب نے خط اپنی جیب میں ڈالا تو میری جان پر بن گئی کہ الو کے پٹھے پیچھے سے شانزہ کو آواز ہی دے دیتا کہ ایک بار خود کھول کر پڑھ لو کہ صحیح بھی لکھی ہے کہ نہیں اب خیر نہیں تمہاری بیٹا کالج سے صبح پکی پکی چھٹی کر لو طلال بھی مجھے مذاق کرنے لگا بیٹا بڑا چالاک بنتا تھا نہ اب تیار ہو جاؤ اب لینے کے دینے پڑیں گے عاشق بنتے بنتے۔ ساری رات جاگنے سے آنکھیں بھی خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ بھی مرجھائے ہوئے پھول کی طرح سنسناہوا لگ رہا تھا صبح صبح میں یونیورسٹی چلا گیا تا کہ آج جی بھر کر آخری بار اپنی یونیورسٹی دیکھ لوں پھر شاید نہ ہی نصیب میں ہو اور اپنے سب ہی دوستوں سے مل کر اپنے کلاس روم سے نکل کر باہر صحن میں نکل آیا اور بیرونی گیٹ پر آنے ہی والا تھا کہ گاڑی کا ہارن بجا اور چپراسی نے گیٹ کھولنا شروع کر دیا

مگر یہ تسلی تھی کہ پرنسپل صاحب لیٹ ہی آتے ہیں مگر وہ اس دن کسی کام کی طرف سے جلدی ہی آ گئے اور گاڑی میں ساتھ شانزہ بھی بیٹھی ہوئی تھی جب میں نے دونوں کو دیکھا تو میرا پسینہ چھوٹ گیا اور گھبراہٹ کے مارے میرا جسم کانپنے لگا جب گاڑی میرے پاس آئی تو پرنسپل صاحب نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے نیچے اترتے ہی مجھ سے پوچھا۔

شاویز گاؤں کیوں نہیں گئے تو مجھے خوف سے بات کرنی نہیں آ رہی تھی

س۔۔س۔۔س۔۔سر میں

آگے سے پرنسپل صاحب بولے شاویز تمہیں کیا ہوا تمہاری آنکھیں بہت سرخ ہو چکی ہیں کہیں رات بھر تمہیں بخار تو نہیں رہا

جی ہاں سر اچھا یہ لو اپنی درخواست تو سر جی نے درخواست کہہ کر میرا وہ خط اسی طرح بند شدہ مجھے واپس دے دیا اور ساتھ ہی مجھے کہا

تم شانزہ کے ساتھ جاؤ ڈاکٹر کے پاس اور ابھی بخار کی دوائی لے کر آؤ اور شانزہ کو گاڑی کی چابی دیتے ہوئے بولے

بیٹی جاؤ اسے ہمارے فیملی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ آ کر کلاس روم میں چلے جانا میں آپ کے پروفیسر کو بتا دوں گا جیسے ہی میرا خط میرے پاس آیا میری جان میں جان آ گئی اور میں خوشی کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا کہ یہ کیسا معجزہ ہے کہ میں بچ گیا اور ساتھ لڑکی بھی اور گاڑی بھی گھومنے کیلئے واہ رے ربا تو جس کو دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے طلال اور شاہ میر بھی تھوڑی دور کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور وہ مجھ سے بھی زیادہ حیرت زدہ تھے کہ یہ گنگا الٹی کیسے بہنے لگی میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور شانزہ بھی ڈرائیور سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی

سٹارٹ کی اور جب گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو میری ساری کی ساری بیماری دور ہوگئی اور میں پہلے والی اُلٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا اور خوشی سے اول فول بکنے لگا اچانک ہی میری فضول باتوں سے بچنے کیلئے شانزہ نے ٹیپ آن کر دی اور قدرتی طور پر یہ انڈین گانا چلنے لگا۔ پیار کرنے لگے ہیں درد دل کا صنم ہم اظہار کرنے لگے

گانے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے جلدی سے کہا جناب گاڑی اسطرف کو موڑیں تو وہ بولی کیوں تو میں نے کہا اسلیئے کہ میں اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا آپ کے فیملی ڈاکٹر کے پاس نہیں تو اُس نے میرے کہنے پر گاڑی اُسی طرف موڑ دی جب ہم منو پارک کے سامنے پہنچے تو میں نے کہا

گاڑی یہاں روک دو تو اُس نے گاڑی ایک سائیڈ پہ پارکنگ میں روک دی اور گاڑی لاک کر کے میرے پیچھے چل دی اور بولی کدھر ہے آپ کا فیملی ڈاکٹر تو میں نے کہا وہ ادھر پارک میں ہی کھلی فضا میں علاج کرتا ہے تو وہ چپ چاپ پیچھے پیچھے آنے لگی تھوڑا آگے جا کر میں اک خالی پلاٹ میں گھاس پر بیٹھ گیا میں نے کہا

تھوڑی یہاں بیٹھ کر سانس لے لیں مجھ سے چلا نہیں جا رہا ہے تو وہ بھی میرے پاس بیٹھ گئی اور بولی ویسے تم جھوٹ بڑے اچھے طریقے سے بولتے ہو تو میں نے کہا۔

کیا مطلب ہے آپ کا جی تو وہ بولی

کہاں ہے آپ کا فیملی ڈاکٹر اور ویسے بھی تم یہاں آتے ہی تو ٹھیک بھی ہو گئے ہو تم کو تو کوئی بھی اب مرض نہیں ہے لگتا ہے تم مجھے یہاں لانے کیلئے یہ سب ڈرامہ کر رہے تھے تو میں نے جلدی سے آگے سے یہ شعر سنا دیا۔

ان کے آنے سے آتی ہے چہرے پہ ذرا رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

وہ بولی اب زیادہ مسخرے نہ کرو بتاؤ تمہاری بیماری کیا تھی کہ مجھے تو کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔

میں نے کہا آپ کو کیسے نظر آئے گی وہ تو میری جیب میں ہے

وہ بولی کیا مطلب۔

میں نے فوراً وہ خط جیب سے نکال کر کہا یہ درخواست تھی میری بیماری کی وجہ تو وہ بہت حیرت زدہ ہوئی تو میں نے وہ خط اُسے پکڑا کر کہا کہ مودبانہ یہ درخواست پڑھ کر فیصلہ کریں جب اُس نے خط پڑھ کر دیکھا تو وہ بوکھلا سی گئی اور اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

ارے یہ تو لیٹر ہے تم تو کہتے تھے کہ یہ درخواست ہے اگر کل ماموں جان کھول لیتے تو کیا بنتا میرا اور آپ کا تم نے اتنی دیدہ دلیری کیسے کی کم سے کم اپنی نہیں تو میری ہی عزت کا خیال رکھ لیتے بے شرم تو

میں نے کہا جب خدا ساتھ دے کو ڈر کس بات کا ت غصے میں آ کر خط میری طرف پھینک دیا اور خود گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی میں بھی گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا پھر اُسنے گاڑی اسٹارٹ کی اور ہم یونیورسٹی کی طرف جانے لگے گاڑی وہ بہت غصے میں اور تیز گاڑی چلا رہی تھی کہ اچانک گاڑی سامنے سے آنے والی بس سے ٹکراتی ہوئی بال بال بچی اور ہم دونوں کی تو چیخیں نکل گئیں تو میں نے اُسے بڑے پیار سے سمجھانا شروع کر دیا دیکھو شانزہ سوری مجھے معاف کر دو میں مانتا ہوں کہ میں آپکے قابل نہیں ہوں اور نہ ہی آپ لوگوں جیسا امیر ہوں مگر تم ذرا سوچو کہ میرے سینے میں بھی خدا نے ایک دل بنایا ہے اور جسے پورا پورا حق دیا ہے کہ وہ جسے چاہے پیار کرے یا نفرت کرے اس میں میرے بس کی کوئی بات نہیں ہے یہ تو تم خدا سے پوچھو جس نے اس چھوٹے سے گوشت کے لوتھڑے میں اتنی طاقت پیدا کر دی ہے کہ پوری دنیا کے سامنے میدان جنگ میں اتر آتا ہے نہ بھی کسی سے ڈرتا ہے نہ ہی کسی کے آگے جھکتا ہے ہر طوفان کے آگے دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے یہ نہ کسی کی

مانتا ہے نہ بھی کسی کی سنتا ہے یہ تو اپنی ہی منواتا ہے اور اپنی ہی سناتا ہے اسکے آگے تو بڑے بڑے ہار گئے مثلاً ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں یہ سب ہی اپنے دل کے آگے ہار گئے تھے اور امر ہو گئے کیونکہ اُنکی محبت دوطرفہ تھی میں بھلا کون ہوتا ہوں اسے روکنے والا یہ میری مانتا ہی کب ہے یہ میری سنتا ہی کب ہے میں تو اُسی روز سے اسے سمجھا رہا ہوں جب تم پہلی بار مجھ سے ٹکرائی تھی یہ سمجھتا ہی نہیں یہ تو صرف آپ کیلئے ہی تڑپتا ہے آج میں نے بھی اس کے آگے ہار مان لی ہے اب یہ آپکے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتا تو میں بھلا اسے مرنے سے کیسے روک سکتا ہوں میں اسے اب نہیں روکوں گا میں بھی اس سے تنگ آ گیا ہوں اسکے مرنے سے کم از کم میری رسوائی ہی ہوگی نہ ہونے دو میں مر کر امر تو نہیں ہو جاؤں گا کیونکہ میری یک طرفہ محبت ہے مگر کیا کروں میں آپ کو بھی تو مجبور نہیں کر سکتا کہ تم مجھ سے محبت کرو آپ کے دل کو بھی تو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس سے مرضی پیار کرے یا جس سے مرضی نفرت کرے پلیز تم یہ خط رکھ لو اور گھر جا کر رات کو پڑھنا اور پھر سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا کیونکہ تمہارے ہاتھ میں کسی کی زندگی کی لڑی وابستہ ہے اور تب تک میں اپنے دل کو سنبھالنے کی پوری کوشش کروں گا تو شانیزہ گاڑی کی چابی دینے پرنسپل صاحب کے دفتر گئی میں کلاس روم جانے کے بجائے چپکے سے باہر نکل آیا اور ہوسٹل میں اپنے کمرے میں آ کر کافی دیر تک روتا رہا اور اپنے دل کو سمجھاتا رہا مگر دل کب مانتا ہے جب اپنی ضد پر اڑ جائے آہستہ آہستہ شام ہو گئی شامیر اور طلال بھی آ گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ کیا ہوا ہے یار یوں بہت اداس کیوں بیٹھے ہو ان کی ضد پر میں نے سب کچھ بتا دیا اور فیصلہ کیا کہ اگر کل تک شانزہ نے خط کا کوئی جواب نہ دیا تو میں ہمیشہ کے لیے یونیورسٹی چھوڑ دوں گا میرے دوستوں نے مجھے بہت سمجھایا مگر میرے دل نے ان کی اک نہ مانی جب صبح ہوئی تو میں بغیر کوئی ناشتہ کیے جلد ہی یونیورسٹی چلا گیا اور شانزہ کا انتظار کرنے لگا مگر اس روز وہ یونیورسٹی نہ آئی جب چھٹی ہوئی تو میں نے سارا سامان ہوسٹل سے لیا اور گاؤں جانے لگا میرے سب دوستوں نے بہت ضد کی شاویز پلیز یار ایسا نہ کرو جذباتی فیصلے اچھے نہیں ہوتے مگر میں نے کسی کی نہ سنی اور اپنے گاؤں چلا گیا۔

جب میں اپنے گھر پہنچا تو میرے گھر والے میری ایسی حالت دیکھ کر سب پریشان ہو گئے پھر چند ہی دنوں میں عشق نے مجھے تنکے جیسا بنا دیا تقریباً دو ماہ بھی اس ظالم کی طرح سے کوئی خبر نہ آئی اور کچھ ہی دنوں بعد میری سالگرہ تھی جیسے جیسے سالگرہ قریب آ رہی تھی میری جان پر بنی ہوئی تھی میں سالگرہ تو ہمیشہ لاہور ہوسٹل میں اپنے دوستوں کے سنگ مناتا ہوں اب کس کے ساتھ کیک کاٹوں گا تنہا جدائی کی آگ میں جھلس جھلس کر خاکستر ہو گیا ہوں اب تو مٹی میں مل جانا ہی بہتر ہے بر لمحے رونے سے اور ساتھ گھر والوں کو رلانے دے بہت ہے کہ اک دن مر جاؤں ویسے بھی اب میرا جینا کس کام کا ہے کم از کم گھر والے بے چارے ایک ہی دن جی بھر کے رو لیں گے بعد میں پھر خود ہی ان کو صبر آ جائے گا یہ سوچ کر میں نے کچھ رقم گھر والوں سے لی اور پھر لاہور آ گیا گھر والوں نے بہت روکا۔

تمہاری صحت ٹھیک نہیں ہے تم لاہور نہ جاؤ مگر میں نے کسی کی ایک نہ سنی اور لاہور آ گیا آتے ہی شاہ میر اور طلال وا اپنے بارے میں سب کچھ بتایا کہ میں اب شانزہ کے بغیر نہیں رہ سکتا انہوں نے مجھے بہت سمجھایا مگر میں نہ مانا اور نہ ہی ان دونوں کو اپنی سالگرہ کا بتایا اگلے روز میں یونیورسٹی چلا گیا وہاں شانزہ کے پاس گیا اور اسے صاف صاف لفظوں میں کہا دیکھو میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا میری حالت دیکھو کیا ہو گئی ہے اب بھی وقت ہے تم میری سانسوں کو مجھ سے

جدا ہونے سے روک سکتی ہو میں نے تم سے بہت دور جا کر بھی دیکھ لیا ہے آپ کی یاد کسی طرح بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی اب اک ہی صورت ہے موت یا آپ کی محبت فیصلہ آپ پر ہی چھوڑتا ہوں زندگی یا موت آج رات دس بجے میری سالگرہ ہے میں آپ کے فیصلے کا انتظار کروں گا آپ کا آنا میرے لیے زندگی کی نوید بن کر آئے گا اور آپ کا نہ آنا میرے باعث موت ہوگا اور میں تمہارا آخری سانسوں تک انتظار کروں گا خدا حافظ۔

یہ کہہ کر میں یونیورسٹی سے واپس آ گیا اور شام ہوتے ہی اپنے کمرے میں آ گیا ساتھ سالگرہ کا کیک اور موم بتیاں بھی لے آیا اور رات کے دس بجنے کا انتظار کرنے لگا جیسے جیسے ٹائم قریب آ رہا تھا آنکھیں دروازے پہ لگی ہوئی تھی بس آنسو ہی بہا رہی تھیں جب دس بجے تو شانزہ نہ آئی اور نہ ہی اسے آنا تھا میری آنکھوں میں آنسو کا سیلاب امڈ آیا کہ مجھے اپنا سارا وجود نمکین قطروں میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تو پھر میں نے کاغذ اور قلم کا سہارا لے کر شانزہ کے نام آخری خط لکھا جس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

بعد مرنے کے تم میری کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی تم میری جوانی لکھنا
ہونٹ میرے ہمیشہ ہنسی کو ترستے
آنکھ سے میری کتنا بہتا رہا پانی لکھنا
جان سے عزیز میری جان شانزہ جی۔

آپ کو میرا احساس تو ہوگا مگر اس وقت تک شاید میں نہیں رہوں گا کیونکہ ہر سالگرہ کے موقع پر میرے دوست میرے ساتھ مل کر موم بتیاں بجھا کر میری زندگی کا اک سال پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں مگر اس بار آپ کی باری تھی مگر آج آپ کو آنا تھا میری زندگی کے اک سال کا چراغ بجھانے کر آپ نہیں آئی اور آپ کی یاد آ گئی ہے میرے پاس اور اب یہ ضد کر رہی ہے کہ آپ کے بغیر آج زندگی کے بھی سالوں کے چراغ بجھا رہا ہوں کیونکہ آپ کی یاد کو انکار نہیں کر سکتا پلیز اگر آپ کے حضور کوئی غلطی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا میرے مرنے کے بعد اگر آپ کو یقین آ جائے تو ہر سال بعد آج کے دن میری قبر پر آ کر شمع جلا کر بجھا دیا کرنا اور گلاب کے پھول برسا دیا کرنا میں سمجھوں گا کہ تم نے مجھے مرنے کے بعد امر کر دیا ہے زندگی سے لاچار۔

شاہ ویز رائے خط لکھ کر میں نے میز پر رکھ دیا اور پھر کیک رکھ کر اس پر موم بتیاں سجا کر ان کو جلا دیا پھر گاؤں سے لایا ہوا اسپرے یعنی فصلوں کو کر کرنے والی زہر نکال کر ساری کی ساری پی لی آہستہ آہستہ جب زہر مجھ پر اثر کرنے لگا تو میں نے اک اک کر کے تمام موم بتیاں بجھانی شروع کر دیں ابھی میں آخری موم بتی بجھانے ہی لگا تھا کہ اچانک تیز تیز آتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور ساتھ پھولوں کی بارش شروع ہو گئی میں نے دیکھا تو شانزہ ارشاہ میر اور طلال تینوں ہی مجھے کہہ رہے تھے ہیپی برتھ ڈے تو یو ادھر ایک ابھی اک شمع جل رہی تھی جس کی لو پہ میں پروانہ جل کر مرنے ہی والا تھا اور وہ شمع تا قیامت جلتی رہتی شمع محبت میری آنکھوں میں آنسو کا سیلاب دیکھ کر شانزہ تڑپ گئی اور آگے بڑھ کر مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا اور وہ بولی میری جان اس خوشی کے موقع پر ان آنسوؤں کا کیا کام یہاں جواب جلدی سے مسکرا دو میں نے زور زور سے پاگلوں کی طرح مسکرانا شروع کر دیا اور مسکراتے مسکراتے میں نے کہا شانزہ جی آپ نے بہت دیر کر دی ہے ہنستے ہنستے مجھ پر غشی طاری ہوگئی غشی کا دورہ پڑ گیا اور میں بے ہوش ہو کر گیا شانزہ نے مجھے گلے لگا لیا اور رونے لگی کیا ہوا شاہ ویز میں آ تو گئی ہوں آنکھیں کھولو ادھر میز پر رکھا ہوا خط شاہ میر نے پڑھ لیا اور وہ خط شانزہ کو پکڑا کر خود باہر دوڑ گیا گاڑی لینے جب گاڑی لے کر آیا اتنی دیر میں شانزہ نے وہ خط پڑھ کر اپنے پرس میں رکھ لیا تھا

پھر مجھے ایک قریبی ہسپتال میں جلدی سے لے گئے وہاں ڈاکٹروں نے میرے دوستوں سے مل کر ان کی مدد سے میرا سارا خون بدل دیا اور ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش اور شازہ اور میرے دوستوں کی دعاؤں سے میں بچ گیا تھا جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر شازہ کی گود میں تھا اور وہ بڑے پیار سے میرے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی اور پاس ہی میرے سب دوست اور پرنسپل صاحب بیٹھے ہوئے تھے ان سب کی فیملیاں بھی میری زندگی کی دعائیں کر رہی تھی میری آنکھ کھلتے ہی شازہ نے مجھے اپنے بازوؤں میں لیا ارو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور معافی مانگنے لگی ارے پگلی معافی کیسی تم نے ہی موت کے منہ میں دیا تھا اب خود ہی موت سے دعائیں مانگ کر بچا لیا ہے ادھر پرنسپل صاحب نے کافی ڈانٹ پلائی اور دونوں خط ہاتھوں میں لے کر بولے یہ درخواستیں مجھے دے دیتے میں ہی شازہ بیٹی کو سمجھا دیتا تم دونوں ہی میری اولاد جیسے ہو پھر مجھ سے کیوں چھپایا اب تم دونوں کے گھر والوں کے پرسو بلایا ہے اور تمہاری منگنی کی رسم ہے شام آٹھ بجے اپنے اپنے دوستوں کو بلا لینا پھر ہماری منگنی پھر شادی ہوئی آج ہم بہت خوش ہیں

قارئین آپ بھی ہمارے لیے دعا کریں یہ تھی آج کے دور میں سچی محبت کی جیت مگر اب تو محبت کو کچھ لوگوں نے اک کھیل بنایا ہوا ہے۔

کیسی لگی میری تحریر ضرور بتایئے گا۔

ٹ۔ گجرات کے نام

نگاہوں سے قتل کر ڈالو نہ ہو تکلیف دونوں کو
تمہیں خنجر اٹھانے کی مجھے گردن جھکانے کی

عاشق حسین طاہر۔ منڈی نوتانوالی

جو انتہا سے آگے تمہیں چاہا ہے
ہم نے وفا سے آگے تمہیں چاہا ہے
جہاں سے لوٹ آنے کا رستہ نہیں ملتا
اس راہ سے بہت آگے تمہیں چاہا ہے

از میر اعوان۔ ایبٹ آباد

ہم تو وفا کرتے کرتے تھک گئے جانی
کوئی تو زندگی میں آئے جو بے وفا نہ ہو۔

وجود شیشے کا ہو تو پتھروں سے محبت نہیں کرتے
احساس چاہت نہ ملے تو وجود بکھر جاتے ہیں

محمد عباس جانی اے ایس

فرق صرف اتنا ہے
تو میری ہو نہ سکی
میں تیرا ہو نہ سکا
تو مجھ سے بچھڑ گئی
میں تجھ سے بچھڑ گیا
فرق صرف اتنا ہے
شہنائیاں وہاں بھی تھیں
ماتم یہاں بھی تھا
سہلیاں تیری بھی تھیں
دوست میرے بھی تھے
فرق صرف اتنا ہے
تجھے سجایا جائے گا
مجھے کفن پہنایا جائے گا
تو اٹھ کے جائے گی
مجھے اٹھایا جائے گا
فرق صرف اتنا ہے
پھول تجھ پر بھی گریں گے
پھول مجھ پہ بھی گریں گے
نکاح تیرا بھی پڑھا جائے گا
جنازہ میرا بھی پڑھا جائے گا
فرق صرف اتنا ہے
فرق صرف اتنا ہے

فرید احمد جمال مکسی

مجبوری یا بے وفائی

۔۔تحریر۔۔وقاص انجم جڑانوالہ۔0314.3144026

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج پھر ایک ایسی ہی کہانی میں آپ کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں یہ ایک ایسی کہانی ہے جسے انسان سوچنے سے بھی گھبرا جاتا ہے۔موبائل جبکہ آج کے ہر انسان کی ضرورت بن چکا ہے اس کے بغیر تو انسان خود کو ادھورا سمجھتا ہے یہ ایک ایسے لڑکے کہ کہانی ہے جو کہ اپنے گھر والوں کا بہت لاڈلہ تھا پیارا تھا گھر میں اس کی ہر بات مانی جاتی تھی مگر اس کے پیار نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا وہ کسی کام کا نہیں رہا تھا اس نے سچی محبت کی اور پیار میں دھوکہ کھانے کے بعد وہ اسی بیوفا کی یاد میں اپنی زندگی گزر رہا ہے اس نے اپنی زندگی ایسے تباہ برباد کر لی کہ آج تک شادی نہیں کی ماں باپ کی خواہش پوری نہیں کی اس کہانی کا نام ۔مجبوری یا بے وفائی۔رکھا ہے
دارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

آج کل کے داناؤں کا قول ہے کہ محبت محض ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا نام نہیں بلکہ ایک ہی سمت دیکھنے کا نام ہے جہاں دیکھا بس وہی دیکھا جسے چاہا بس اسی کو چاہا جسے سوچا بس اسی کو سوچا جس سے محبت کی بس اسی کی قسمیں بدلنے والے رہیں بدلنے والے جزیرے بدلنے والے اور جگہ جگہ پڑاؤ ڈالنے والے بھلا محبت کو کیا سمجھیں گے یہ لوگ محبت کی رمزوں کو بھلا کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

اس میں دستائل کا ایک اور قول یاد آیا ہے پیار ایک ابدیت کا علم ہے یہ وقت کے ہر احساس کو غلط ملط کر دیتا ہے آغاز کی ہر یاد مٹا دیتا ہے اور انجام ہر کے خوف کو ختم کر دیتا ہے مگر چونکہ یہ کتابی باتیں ہیں اور حقیقی زندگی میں اس کا عمل خاصا ترین ہے اور پھر ویسے ہی اس واہیات بے ہودہ اور انتہائی چھچھوری سی محبت نے ایک طویل عرصے تک اس کی انا وقار اور عزت کو تھپک تھپک کر گہری نیند سلا دیا ہے۔

ایک ایسی ہی کہانی میں آپ کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں یہ ایک ایسی کہانی ہے جسے انسان سوچنے سے بھی گھبرا جاتا ہے۔
موبائل جبکہ آج کے ہر انسان کی ضرورت بن چکا ہے اس کے بغیر تو انسان خود کو ادھورا سمجھتا ہے یہ ایک ایسے لڑکے کہ کہانی ہے جو کہ اپنے گھر والوں کا بہت لاڈلہ تھا۔
آیئے اس کی کہانی اس کی زبانی سنتے ہیں۔
ہم گھر میں کل چھے افراد ہیں میری دو بہنیں اور اک بھائی ہے اور ایک میں ایک امی اور میرے پیار ے بابا جی میرا نمبر لاسٹ ہے میں گھر میں سب سے چھوٹا ہوں میں نے آنکھ کھولی تو ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھی ہر چہرے پر مسکراہٹ چھلک رہی تھی میرے امی ابو اور بہن بھائی سب بہت خوش تھے۔
جب پانچ سال کا ہوا تو مجھے گاؤں کے ایک پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا میں دل لگا کر

پڑھنے لگا اس لیے میں ہر سال کلاس میں اول آتا تھا گھر والے بھی بہت خوش تھے میری ہر چھوٹی موٹی بات منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پوری ہو جاتی تھی جب میں نے پانچویں کلاس خوشی سے پاس کی تو میرے بابا نے مجھے خوشی سے ایک سائیکل لے کر دی کیونکہ مجھے اب پڑھنے کے لیے اپنے گاؤں سے دور جانا تھا میں بہت خوش تھا میں اب اور میں بھی دل لگا کر پڑھنے لگا تھا میری بڑی بہن کی شادی کی تیاریاں گھر میں جاری تھیں کوئی کام بھی ہوتا تو میں وہ جٹ سے کر دیتا تھا دور دور سے رشتہ دار آئے ہوئے تھے ہر کوئی بہت خوش تھا آپی کی شادی اچھے طریقے سے ہو گئی اور مہمان بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر آپی کی کمی بہت محسوس کرتا ہوں۔

اوہو۔ آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا رہا ہوں مگر نام نہیں بتایا۔

میرا نام احسن ہے اور سب پیار سے مون کہتے ہیں زندگی پھر ویسے ہی گزرنے لگی تھی ایسے کرتے کرتے میں نے آٹھویں کلاس بھی پاس کر لی اسی خوشی میں میرے بابا نے میرے لیے ایک موبائل گفٹ کیا جسے پا کر میں بہت خوش تھا کیونکہ میرے تمام دوستوں کے پاس موبائل تھا بس میرے پاس نہیں تھا میرے بابا نے میری وہ بھی خواہش پوری کر دی تھی زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی صبح سکول جانا واپس آ کر کھانا کھا کر تھوڑی دیر سونا اور شام کو دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے چلا جاتا واپس آ کر پڑھائی کرتا پھر کھا کر تھوڑا سا پڑھتا اور سو جاتا میرے امتحان نزدیک تھے اس لیے میں بہت محنت کرتا تھا۔

ایک دن ایسے ہی میں پڑھ رہا تھا کہ میرے نمبر پر ایک انجان نمبر سے کال آئی میں بولا ہیلو جی کون آگے سے پیاری سی نسوانی سی آواز میں کوئی لڑکی بول رہی تھی۔ ہیلو میں نے کہا جی کون۔

میں راحیلہ ہوں۔ تو میں نے کہا آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔

جی آپ سے۔

مجھ سے کیا بات کرنی ہے میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں ہوں میڈم آپ نے رونگ نمبر ڈائل کیا ہے سوری یہ کہہ کر میں نے کال ڈراپ کر دی لیکن ذہن اب بھی اسی کی آواز میں الجھا ہوا تھا اس کی آواز تھی ہی بہت پیاری میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کے بارے میں سوچتا رہا رات کو کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا امی نے پوچھا

بیٹا مون کیا بات ہے پریشان ہو۔

کچھ نہیں امی بس ویسے ہی میں تھوڑا سا پریشان ہوں کیوں بیٹا کیا پریشانی ہے تم کو۔

نہیں نہیں امی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوں تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں

اچھا امی میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں

امی کو تو کسی طرح ٹال دیا تھا لیکن اپنے من کا کیا کروں جو اسی کے بارے میں ہی سوچ رہا ہو رات کو بھی ٹھیک طریقے سے نیند نہیں آ رہی تھی صبح اٹھا تو میرے موبائل پر اس کے نمبر سے ایس ایم ایس آیا ہوا تھا۔

گڈ مارننگ میں کیا کروں کون ہے یہ کیوں مجھے پریشان کر رہی ہے سکول سے لیٹ ہو رہا تھا جلدی سے تیار ہو کر ناشتہ کیا اور سکول چلا گیا کلاس میں بھی میں یہی سوچ رہا تھا میرے دوستوں نے مجھ سے پوچھا

یار احسن کیا بات ہے کچھ کھوئے کھوئے سے ہو خیریت تو ہے نہ

اے یار ایسا کچھ نہیں ہے میں ٹھیک ہوں پکا ناں ہاں یار پکا میں ٹھیک ہوں لیکن لگ تو نہیں رہا کہیں جناب کو پیار ویار تو نہیں ہو گیا ایسی بات نہیں ہے تم لوگ بھی نہ پتا نہیں کیا سوچتے رہتے ہو گھر آ کر میں اپنے کمرے میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا

اتنے میں اس نمبر سے پھر کال آئی جو میں نے پک نہیں کی پھر اس نے کال کی میں نے اٹینڈ کر لی اس نے کہا ہیلو احسن کیسے ہو۔
میں حیران ہو گیا تھا یار یہ کون ہے اور میرا نام کیسے جانتی ہے میں نے اس سے پوچھا
دیکھیے آپ مجھے سچ سچ بتا دو کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو
دیکھیے احسن میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں آپ سے ملنا چاہتی ہوں
میں نے اسے سے کہا کہ آخر تم ہو کون کیا چاہتی ہو
اس نے کہا کہ آپ کو پانا چاہتی ہوں۔
دیکھیے آپ ایسی فضول باتیں نہ کریں اور آئندہ مجھے کال نہ کرنا پلیز میں ایسا لڑکا نہیں ہوں
آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہو
میں نے اس سے کہا تم نے میرا نمبر کہاں سے لیا
اس نے کہا کہ آپ کا دوست شکیل میرا بھائی ہے میں نے اپنے بھائی کے موبائل سے نمبر لیا ہے۔
کیا تم شکیل کی بہن ہو۔
جی ہاں دیکھیے میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے آپ کسی کو نہ بتانا چلو شکیل میرا بہت اچھا دوست ہے میں اکثر اس کے لینے کے لیے اس کے گھر جاتا تھا مگر کبھی راحیلہ کو نہیں دیکھا تھا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا
اس نے کہا کہ اگر آپ نے مجھے دیکھنا ہے تو شام کو پانچ بجے میرے گھر کے پیچھے جو گراؤنڈ ہے وہاں آ جانا میں چھت پر آؤں گی تو آپ مجھے دیکھ لینا اور اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا
میں نے کہا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے میری بات مانو اگر تمہارے گھر والوں پتہ چل گیا تو پتا نہیں کیا ہو گا تمہاری بدنامی ہو گی الگ ساتھ ساتھ میں اپنا دوست بھی کھو دوں گا۔

اس نے کہا مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے آپ کو آنا ہو گا
میں نے کہا ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں
یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا اور سوچنا سوچوں میں پڑ گیا دل نے کہا یار دیکھنے میں کیا ہے ایک بار دیکھ تو لوں شام کو میں کھیلنے بھی نہیں گیا گھر والے الگ پریشان تھے کہ جب سے سکول سے آیا ہے کمرے سے باہر نہیں نکلا میری بہن مجھے آوازیں دے رہی تھی مون باہر آؤ آپ کا دوست شکیل آیا ہے آپ کو بلا رہا ہے میں ڈر گیا کہیں اسے پتا تو نہیں چل گیا میں نے جلدی سے جس نمبر سے کال کی تھی وہ نمبر ڈلیٹ کر دیا اور اپنی بہن سے کہا۔
اسے اندر بھیج دو میں نے دروازہ کھول دیا شکیل نے اندر آ کر کہا
یار احسن کیا ہو گیا ہے تم کو تم کھیلنے بھی نہیں آئے
میں نے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے نہیں آیا۔
کیوں کیا ہوا
کچھ نہیں یار وہاں دل نہیں لگا کھیلنے میں تو سوچا کہ اپنے یار کے پاس چلتا ہوں
اچھا کیا جو آ گیا میرا دل بھی بہت اداس تھا ہم باتیں کرنے لگے دو گھنٹے بعد وہ چلا گیا میں نے رات کا کھانا کھایا اور پڑھنے کے لیے بیٹھ گیا لیکن میرا پڑھنے کو بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا بار بار اس کے بارے میں سوچ رہا تھا میں نے کتابیں بند کر کے ایک سائیڈ پر رکھ دیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی پتا نہیں پھر کب نیند آ گئی صبح چھ بجے آنکھ کھلی تیار ہو کر نیچے آیا اور ناشتہ کیا اور سکول چلا گیا آج میں نے شکیل کو بھی ساتھ نہ لیا تھا کیونکہ میں ڈر گیا تھا سکول میں داخل ہو کر میں نے اپنا بیگ کلاس میں رکھا اور باہر آ کر گراؤنڈ میں بیٹھ گیا اتنے میں شکیل بھی آ گیا آتے ہی کہنے لگا

یار تم مجھے کیوں نہیں لینے آئے میں جب آپ کے گھر گیا تو آنٹی نے کہا وہ تو کب کا چلا گیا ہے

میں نے شکیل سے کہا یار ویسے ہی اتنے میں کلاس شروع ہوگئی ہم کلاس میں آگئے اسی طرح چھٹی کے وقت میں گھر آ گیا گھر آ کر میں یہی سوچ رہا تھا کہ یار جاؤں کہ نہ جاؤں اگر شکیل کو پتا چل گیا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا شام کو میں ٹھیک پانچ بجے اس کے گھر کے پیچھے جو گراؤنڈ تھا وہاں چلا گیا لیکن وہ ابھی تک چھت پر نہیں آئی تھی لیکن تھوڑا سا انتظار کرنے کے بعد وہ آ گئی جب میں نے اسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا وہ بھی ہی اتنی پیاری میری طرف دیکھ کر اس نے ہاتھ سے سلام کیا نہ چاہتے ہوئے بھی میرا ہاتھ اوپر کو اٹھ گیا پھر اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا میری طرف پھینکا جو میں نے جلدی سے اٹھا لیا جب کھول کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا

احسن جی میں آپ کی کیسی لگی ہوں

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ تم بہت پیاری ہو

وہ مسکرا دی ایسا لگا کہ یہ دنیا کی واقع بہت پیاری ہے خدا نے اسے بہت حسن سے نوازا تھا تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اتر گئی میں اپنا سب کچھ وہی پر چھوڑ کر واپس آ گیا تھا میرا دل اب میرا نہیں رہا تھا آج میں بہت خوش تھا گھر آیا تو میری امی نے پوچھا بیٹا بہت خوش ہو خیریت تو ہے

بس ماں آج میں بہت خوش ہوں اپنے کمرے میں جا کر اس سے کال کی جو اس نے پک کر لی میں نے کہا راحیلہ تم بہت پیاری ہو

اس نے کہا یہ تو مجھے پتہ ہے جناب جی آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے اس کی اس بات پر مجھے ہنسی آ گئی تو پھر احسن کیا سوچا ہے میرے بارے میں بتایئے گا

میں نے کہا کہ سب تو یہ ہے کہ راحیلہ جس میں نے آپ کو دیکھا تو اسی لمحے میرا سب کچھ آپ کا ہو گیا تھا

تو پھر میں ہاں سمجھوں احسن جی بتایئے۔

جی۔ پھر ہم نے بہت ساری باتیں کی مجھے اس سے بات کر کے بہت اچھا لگ رہا تھا پھر اس نے کہا کہ مجھے کام کرنے دو پھر بات کریں گے

میں نے کہا او کے بائے پھر میں نے کھانا کھایا اور پڑھنے بیٹھ گیا کیونکہ میرے میٹرک کے پیپر نزدیک تھے دو گھنٹے بعد میں سو گیا تھا صبح آنکھ کھولی تو میرے نمبر پر اس کا گڈ مارننگ کا میسج آیا ہوا تھا میں نے مسکرا دیا میں نے بھی اسے گڈ مارننگ کا میسج کیا ناشتہ کیا اور سکول چلا گیا

آج میں بہت خوش تھا جو میرے دوستوں نے بھی محسوس کیا

کیا یار بہت خوش ہو آج۔

بس یار آج مجھے میرا سب کچھ مل گیا ہے

دوستوں نے کہا احسن سنبھل کے کہیں تمہیں پیار تو نہیں ہو گیا

ہاں یار ایسا ہی سمجھ لیں

میرے دوست خوش ہوئے ایک ماہ بعد میرے پیپر تھے میں دل لگا کر پڑھائی کرتا تھا ساتھ ساتھ راحیلہ سے بھی بات ہو جاتی تھی میرے پیپر بہت اچھے طریقے سے ہو گئے اب میں فارغ تھا میں راحیلہ سے اب ملنے کا کہا تو اس نے کہا

ٹھیک ہے میں آ جاؤں گی

اس کے گھر کے نزدیک جو پارک ہے ہم وہاں ملے یہ ہماری پہلی ملاقات تھے ہم نے بہت ساری باتیں کیں ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور راحیلہ نے کہا۔

احسن اگر میں شادی کروں گی تو تم سے کروں گی ورنہ میں مر جاؤں گی

اس طرح ہم ایک دوسرے کو بائے بول کر گھر

آ گئے میرے بھائی کی شادی تھی ہیں نے شکیل کے گھر والوں کو بھی انوائٹ کیا تھا مہندی والے دن وہ لوگ آئے میری جان راحیلہ بھی ساتھ آئی تھی راحیلہ نے بلیک سوٹ پہنا ہوا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی میرا میری نظر راحیلہ پر تھی جسے شکیل نے نوٹ کرلیا مجھے سائیڈ پر لے جا کر کہا۔

دیکھ احسن مجھ پر پورا بھروسہ ہے پلیز دیکھ میرے بھروسے کو توڑنا مت اس نے اتنی سی بات میں سا سب کچھ کہہ دیا تھا جسے میں سن کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

میں نے شکیل سے کہا نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں ہے تم ایسا کیوں بول رہے ہو

اس نے کہا دعا کرو ایسا نہ ہو ورنہ میں یہ بھول جاؤں گا کہ تم میرے دوست ہو پھر وہ لوگ اپنے گھر چلے گئے بارات والے دن میری نظریں راحیلہ کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی باقی سب اس کے گھر والے آئے ہوئے تھے جن میں وہ نہیں آئی تھی مجھے بہتر پریشانی ہوئی ولیمے والے دن بھی وہ نہیں آئی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے میں نے راحیلہ کے نمبر پر کال کی تو اس کا نمبر بند تھا دوسرے دن شام کو میں راحیلہ کے گھر کے پیچھے گراؤنڈ میں گیا تو وہاں سوچا کہ شاید مجھے راحیلہ وہاں نظر آ جائے لیکن وہ نظر نہیں آئی تھی میں ناکام ہو کر واپس لوٹ آیا۔

میں روز اس کے گھر کے پیچھے چکر لگاتا تھا لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی اب تو شکیل بھی مجھے نہیں بلاتا تھا جب میں نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔تم خود سمجھدار ہو میں کیا بولوں

وہ تو چلا گیا لیکن میں وہی کا رہی بیٹھا رہ گیا میٹرک کا رزلٹ آ گیا تھا میں نے بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا میرے بابا نے کہا

بیٹا آگے پڑھنا چاہتے ہو۔

میں تم کو تمہارے چچا کے پاس فیصل آباد بھیج دیتا ہوں

میں نے کہا جیسے آپ کی مرضی اس طرح میں پڑھنے کے لیے فیصل آباد چلا گیا وہاں مجھے اچھے کالج میں ایڈمیشن مل گیا لیکن میں راحیلہ کو نہیں بھول پایا تھا

ایک دن اچانک مجھے ایک انجان نمبر سے کال آئی میں نے پک کی تو وہ راحیلہ کی کال تھی میں تو پاگل ہو گیا ایک ہی سانس میں پتہ نہیں کتنے سوال کر ڈالے کہاں تھی تم نمبر کیوں آف کیا ہوا تھا میرے بارے میں تو سوچا ہوتا تم نے تو اس نے رونا شروع کر دیا اس نے کہا۔

احسن پلیز مجھے بے وفا مت کہنا میں آج بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا پہلے کرتی تھی احسن اس رات جب ہم آپ کے گھر سے واپس آئے تو آتے ہی بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ احسن تمہاری طرف کیوں دیکھ رہا تھا کیا چکر چل رہا ہے تم دونوں میں تو میں نے بھائی کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا کہ میں اور احسن ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں جسے سن کر بھائی آگ بگولہ ہو گیا اور مجھے بہت مارا میرا موبائل بھی مجھ سے چھین لیا اس کے بعد میرا گھر سے نکلنا بند ہو گیا تھا اس دن سے لے کر آج تک میں پل پل مر رہی ہوں آج پڑوسن آئی تھی امی بازار گئیں ہیں میں نے اس سے کہا کہ خدا کے واسطے مجھے ایک کال کرنے دو تو اس نے مجھے اپنا موبائل دے دیا۔

احسن آپ ٹھیک ہیں نا بتائیں۔

میں کہاں ٹھیک ہو سکتا ہوں اپنی جان کے بنا

احسن میری شادی ہو رہی ہے اگلی بائیس تاریخ کو میرے کزن سے میں بہت پریشان ہوں کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔

پلیز راحیلہ ایسا مت کرنا ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گا تم صرف میری ہو صرف میری ہو آئی سمجھ

احسن ایسا مت کہو ہو سکتا ہے بھائی نے کہا کہ

اگر تم نے آج کے بعد احسن سے ملنے کی یا بات کرنے کی کوشش کی تو وہ تمہیں جان سے مار ڈالیں گے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کسی کی میں آرہا ہوں واپس شکیل سے بات کر کے دیکھتا ہوں میں جانتا ہوں وہ ضرور مجھے سمجھے گا ہم ضرور ایک ہو کر رہیں گے حسن تمہیں میری قسم ایسا کرنے کا سوچنا بھی نہ پلیز ہاں ہو سکے تو مجھے بھول جانا اور کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لینا پلیز یہ تم کہہ رہی ہو راحیلہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اگر ایسا کرنا تھا تو پھر مجھے جھوٹے سپنے کیوں دکھائے کیوں راستے میں چھوڑ کر خود آگے بڑھ رہی ہو میں نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ میری راحیلہ اتنی جلدی ہار مان جائے گی۔

اس نے کہا احسن مجھے اب کچھ نہیں کہنا اور ہاں اپنا خیال رکھنا

تم کون ہوتی ہو مجھے یہ سب کہنے والی تم نے تو مجھے چھوڑ دیا ہے میں چاہے جیوں یا مروں یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی تھی۔

میں تو جیسے سکتے میں آ گیا تھا میں نے تو اس کے ہزاروں سپنے دیکھے تھے جس میں ہم دونوں بہتر خوش حال زندگی گزار رہے ہیں لیکن راحیلہ نے میرے تمام سپنوں کو اپنے پاؤں تلے روندھ دیا ہے مجھے راحیلہ سے یہ امید نہ تھی بائیس تاریخ کو اس کی شادی ہو گئی وہ مجھے روتا ہوا چھوڑ کر چلی گئی میں تنہا رہ گیا تھا میں نے اپنی تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔

اب کسی پر مجھے اعتبار نہیں رہا تھا میں کسی کو بتائے بغیر کراچی چلا گیا جہاں آ کر میرے دل کو قرار ملا ہر وقت اس بے وفا کی یاد ستاتی ہے لیکن کیا کروں میں آج بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا پہلے کرتا تھا۔

راحیلہ میں آج بھی تمہارا انتظار کر رہا ہوں لوٹ آؤ پلیز تیرا احسن بہت اکیلا ہو گیا ہے بکھر گیا ہے ٹوٹ کر پلیز اسے بکھرنے سے بچالو راحیلہ پلیز لوٹ آؤ۔ قارئین یہ تھی احسن کی کہانی جو آج بھی اسی لڑکی سے پیار کرتا ہے آج بھی اس کا انتظار کر رہا ہے کبھی نہ کبھی لوٹ کر آئے گی وہ میرے سونے آنگن میں پھر سے خوشیاں لوٹ آئیں گی میں لڑکیوں سے یہی کہوں گا کہ اگر ایسے راستے میں چھوڑنا ہوتا ہے تو کسی کی زندگی برباد کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے اور دوست سے کہنا چاہوں گا کہ تم نے ایک بار اس سے بات کی ہوتی دوستی کی خاطر ہی سہی بات تو کرتا لیکن تم نے کیا کیا جب تمہارے دوست کو اپنے دوست کی زیادہ ضرورت تھی اس وقت اسے تنہا چھوڑ دیا اس کی زندگی بھی خوشیوں سے بھر جاتی۔

اب اجازت دیں اور احسن کے لیے دعا کیجئے گا کہ وہ اس بے وفا کو بھول جائے اور اپنی زندگی پھر سے شروع کرے خدا حافظ۔

کچھ تو سوچتے مجھے بھلانے سے پہلے
دل پہ ہاتھ رکھتے مجھے رولانے سے پہلے
بسایا تھا تم کو اپنے دل میں میں نے
نکالا ہوتا دل جلانے سے پہلے
کیوں توڑا میرا اپنا یقین و اعتماد
جام زہر پلاتے مجھے ٹھکرانے سے پہلے۔
ایم وقاص انجم۔126 گ ب شہروانہ

نظم۔ جھیل کنول

تجھے چاند کہوں یا جھیل کنول
تیرے پیار کا کوئی نام نہیں
بس جاؤں تیری دھڑکن میں
مجھے دنیا سے کوئی کام نہیں
تو حسن ہے چاند ستاروں کا
تو منظر ہے آبشاروں کا
تجھے رب نے بنایا فرصت سے
سب چھوڑ کے دھندے دنیا کے

تعریف کروں تو کیسے کروں
الفاظ نہیں ملتے ہیں مجھے
تو ہمدم بن کے آیا ہے
اور دل میں ایسے سمایا ہے
کہ دور اگر ہم ہو جائیں
تو تیرے بن نہ رہ پائیں
تجھے چاند کہوں کا چنچل کنول
تیرے پیار کا کوئی نام نہیں

نظم

میں تم کو بھولنا چاہوں۔ میں تم کو بھولنا چاہوں
مگر۔
ممکن نہیں۔۔۔کیوں۔۔۔یہ رشتہ جڑ گیا ایسے
جیسے۔۔ پھول کا خوشبو سے
تتلی کا بھنور سے
مچھلی کا پانی سے۔۔۔امبر کا بادل سے
بتا دے۔۔تو ہی اب مجھ کو کہ۔۔۔کیا میں
بھول سکتی ہوں۔۔
---------شازیہ گل مانسہرہ بھیڑ کنڈ

صنم میرا ایک کام کرو
چلو مجھے پیار کرو
ان وعدوں ان قسموں پہ اعتبار کرو
اب تھوڑا سا انتظار کرو منزل پاس ہے
پانے سے انکار نہ کرو
میں تمہارا ہمسفر ہوں
میں تمہارا خواب ہوں
اور تو ہی میری حقیقت ہے
تو ہی میری زندگی ہے
اور تو ہی میری خواہش ہے
صنم میرا ایک کام کرو چلو مجھ سے پیار کرو
میری چاہتوں پہ جان نثار کرو
میری نازک دھڑکنوں پہ اعتبار کرو
میرے ساتھ بے وفائی نہ کرو
اور مجھے پیار کرو بس پیار کرو
بے شک مجھے حد سے زیادہ پیار کرو
صنم میرا ایک کام کرو چلو مجھے پیار کرو
-----------------نا معلوم۔

غزل

تیری جھوٹی محبت سے اب منہ موڑ لیا میں نے
تیری اس ظالم دنیا سے تعلق توڑ لیا میں نے
سمجھتا ہے تو بن تیرے اب میں جی تو سکتی ہوں
نہیں چاہئے ایسی زندگی اب یہ سوچ لیا میں نے
خالی کاغذوں سے بھری زندگی کی یہ ڈائری ہے
لکھا نہ اظہار محبت تو نے صفحہ ہی پھاڑ لیا میں نے
نہیں ہے درد محبت کا تیرے پتھر سے سینے میں
جو تیرا نام لکھتا تھا قلم ہی توڑ دیا میں نے
آ کر نہ جگانا قبر پہ جب میٹھی نیند سو جاؤں
کرن ان آنکھوں سے تیرا سپنا دیکھنا چھوڑ دیا میں نے
کشور کرن۔ چتوکی

❀❀❀

غزل

اجڑے ہوئے گھر کو آ کر بسا دیا اس نے
برسوں سے تھا ویران مہکا دیا اس نے
دیکھیں گے کبھی خوشیاں اس کشمکش میں تھے
آ کے ساری الجھنوں کو مٹا دیا اس نے
آیا نہ کوئی بھول کر دہلیز پہ میری
ویران گھر کو جنت بنا دیا اس نے
بچھڑ گئے کبھی کسی کو موت نہیں آتی
یہ آئینہ بھی کھول کر دیکھا دیا اس نے
نہ اب جدا ہوں گے دنیا کے ڈر سے ہم
بھری محفل میں اب بول کر سنا دیا اس نے
برسوں بعد آ کر جب لپٹا گلے سے وہ
کرن خود بھی رویا اوروں کو بھی رلا دیا اس نے
کشور کرن۔ چتوکی۔

وفا کی خاطر

۔تحریر۔ شائلہ رائیس عباس۔

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
ریاض بھائی میں اپنی ایک نئی کہانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں امید ہے کہ مجھے ناامید نہیں کیا جائے گا یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے امید ہے آپ سے جلد شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے وہ ایک ایسے انسان کی کہانی ہے جس کا سب کچھ لٹ گیا دعا کریں کہ وہ اپنی اصل زندگی کی طرف لوٹ آئے ۔میں نے اس کہانی کا نام ۔وفا کی خاطر ۔رکھا ہے امید ہے قارئین کو پسند آئے اس کو لکھنے میں کہاں تک پہنچی ہوں اپنی قیمتی رائے ضرور دیجئے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

سب سے پہلے میں اپنا تعارف کروادوں میرا نام شائلہ ہے میں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے میں اپنے نانا کے گھر رہتی ہوں وہ ایک گاؤں میں رہتے ہیں میں جو کہانی آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی ہوں یہ کہانی پیار محبت کی زندہ مثال ہے اور ایک عورت کا اپنے محبوب سے کئے ہوئے وعدے کا پاس ہے کون کہتا ہے کہ عورت بے وفا ہوتی ہے وہ تو وفا کی دیوی ہے اور ظالم سماج اور وقت کے فرعونوں سے ساتھ ٹکرانے کا عزم رکھتی ہے وہ عشق کے ہر امتحان میں کامیاب ہو کر امر ہو جاتی ہے یہ ظالم سماج ہے جو پیار کی راہ میں دیواریں کھڑی کرتا ہے جب کوئی اسے تکلیف دیں تو وہ خاموش اور بے حس بن جاتی ہے ۔اپنا سب کچھ اپنے پیار پر قربان کر دیتی ہے میرے خیال میں مجھے اصل کہانی کی طرف آنا چاہئے میرے کزن کی کہانی اس کی زبانی سنئے۔
قارئین میرا نام شہزاد ہے ہم تین بھائی ہیں میں سب سے چھوٹا ہوں میرے دو بڑے بھائی ہیں جو ابھی تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں والد ایک گورنمنٹ سکول میں ٹیچر ہیں اور والدہ ہی پیار کرنے والی ماں ہے ہمارے والدین ہم سب بھائیوں سے بہت پیار کرتے ہیں میں نے میٹرک بہت اچھے نمبروں سے کیا اس کے بعد میں نے ڈگری کالج چونیاں میں داخلہ لے لیا اور خوب محنت کرنے لگا ان دنوں میرا آنا جانا میری اپنی خالہ کے گھر میں بہت زیادہ تھا میں ہر روز اپنی خالہ کے گھر جاتا تھا میری خالہ کی دو بیٹیاں تھیں جو دونوں ہی نرسیں تھیں خالہ کی بیٹی جس کا نام ثنا ملک تھا لیکن ہم سب پیار سے اس کو ثانوں باجی کہتے تھے میری ثانوں باجی سے بہت زیادہ دوستی تھی ثانوں باجی بھی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی اگر میں بھی بیمار ہو جاتا تھا وہ ہمارے گھر آ جاتی تھی۔
یہ دسمبر کی بات ہے ثانوں باجی کے گھر یہ دن کے بارہ بجے ٹائم تھا اور سردی بہت تھی جب ثانوں کے کمرے میں گیا تو دیکھا ثانوں باجی کمرے میں موجود نہ تھی لیکن اس کے کمرے میں ایک خوبصورت

لڑکی بیٹھی ہوئی تھی وہ مجھے سامنے دیکھ کر شرما سی گئی میں نے شانوں سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میری بہت اچھی سہیلی ہے اور ساتھ ہی اس کا گھر ہے اور اس کا نام مسکان ہے یہ ایک بہن ہے اس کی امی بہت ظالم ہے اور اس کا باپ بہت شریف آدمی ہے میں اس وقت مسکان کے بارے میں سوچنے لگا اور اپنے گھر واپس آ گیا اس رات سردی کی وجہ سے مجھے بہت زیادہ بخار ہو گیا تھا میں دو دن شانوں باجی کے گھر نہ جا سکا جب تیسرے دن میں شانوں باجی کے گھر گیا تو مجھے دیکھتے ہی شانوں باجی بولی شہزاد تم ہاں چلے گئے تھے ہم نے آپ کا بہت انتظار کیا میں نے کہا خیریت تو ہے جو آپ نے میرا انتظار کیا تو شانوں باجی نے کہا کہ کوئی تمہیں دیکھتے ہی اپنا سب کچھ ہار گیا ہے اپنا دل تمہیں دے بیٹھا ہے میں یہ سن کر ہنسنے لگا مجھ پاگل کو کس نے اپنا دل دینا ہے باجی نے کہا شہزاد تم بہت اچھے ہو اچھے لوگوں کو ہر کوئی پسند کرتا ہے اس دن جو لڑکی ہمارے گھر آئی تھی وہ تمہیں اپنا دل دے بیٹھی ہے جب سے مسکان نے تمہیں دیکھا ہے وہ عشق میں گرفتار ہوئی ہے وہ ہر وقت تیرے ہی بارے میں باتیں کرتی رہتی ہے مجھے شہزاد سے پیار ہو گیا ہے۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ مسکان پھر آ گئی اس نے آتے ہی مجھے کہا شہزاد تم تین دن کہاں رہے ہو میں تمہارا کتنا انتظار کرتی رہی ہوں میں نے کہا ہمارے ہمسائیوں کا گدھا چوری ہو گیا تھا ان لوگوں کے ساتھ تھا۔

وہ پریشان ہوئی اب کیا بنا میں نے کہا سب کچھ ٹھیک ہے پھر میں نے کہا آپ کو کیا کام تھا وہ گھبرا سی گئی میں نے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ نے جو بات کرنی ہے بلا تکلف کریں وہ اچانک تھوڑا سا شرمائی پھر بات کو بدل کر کہنے لگی میں نے کچھ چیزیں آپ سے منگوانی تھی میں نے کہا کیا منگوانا

ہے کہنے لگی میں آپ کو نہیں بتا سکتی میں نے کہا آپ اور شانوں باجی باہر آ جائیں میں بائیک لے کر آتا ہوں ہم چونیاں شہر چلتے ہیں میری بات سن کر وہ بھی فوراً تیار ہو گئی جب ہم بازار گئے اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کون سا رنگ پسند ہے میں نے کہا مجھے کالا پسند ہے اس نے میرے لیے ایک سوٹ لیا ایک اپنے لیے کالا سوٹ لیا باتوں باتوں میں مجھ سے میرا موبائل نمبر مانگا جو میں نے اس کو دے دیا پھر ہم شاپنگ کر کے جب گھر واپس آئے تو اس نے کہا یہ تحفہ میری طرف سے آپ قبول کریں میں نے بھی وہ سوٹ رکھ لیا اور گھر واپس آ گیا میں۔

ایک دن باجی کے گھر نہ گیا جب دوسرے دن گیا تو اس نے کہا کہ دو دن کہاں غائب تھے میں نے کہا پرسوں میری منگنی ہے آپ ضرور آنا یہ بات سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور سفید ہو گیا اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی میں نے کہا آپ کو کوئی پریشانی ہے جی وہ کہنے لگی نہیں آپ کی منگنی کہاں ہو رہی ہے اور تم نے وہ لڑکی دیکھی ہے میں نے کہا ہاں لاہور میں نے چار سال پہلے دیکھی تھی اس نے کہا پھر تم انکار کیوں نہیں کر دیتے اگر تم کہتی ہو تو انکار کر دوں گا لیکن تم دعا کرنا میرے گھر والے میری بات مان جائیں میں پھر وہاں سے گھر واپس چلا گیا دوسرے دن جب میں شانوں باجی کے گھر گیا تو اس نے دیکھتے ہی پوچھا کہ کل تم نے مسکان کو کیا کہا وہ اس کو بہت تیز بخار ہو گیا ہے شہزاد مسکان کو تم سے بہت پیار ہے وہ تم سے شدید قسم کی محبت کرتی ہے اس کا اظہار وہ میرے سامنے مجھے کئی مرتبہ کر چکی ہے اب تمہیں بھی چاہئے کہ محبت کا جواب محبت سے ہی دو میں شانوں باجی کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا اتنی دیر میں مسکان آ گئی اس نے آتے ہی سب سے پہلے میری منگنی کا پوچھا میں نے کہا میں نے گھر والوں کو روک دیا ہے ان لوگوں نے بھی میری

بات مان لی ہے تو وہ فوراً خوش ہوگئی اس کا چہرہ گلاب کے پھولوں کی مانند کھل اٹھا تھا اس دن کے بعد ہماری روزانہ ملاقات ہوتی ہم بہت ساری باتیں کرتے میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے اظہار کرنے سے شرما رہی تھی میں نے خود ہی ایک دن خط لکھ کر کیوں کہ اتنی جرت مجھ میں بھی نہ تھی میرے خط کی تحریر کچھ یوں تھی

جان سے پیاری مسکان۔

اسلام علیکم ۔میں جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے لیکن تم اقرار نہیں کر سکتی لیکن اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کیونکہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا دن رات تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہتا ہوں میری سوچوں میں میرے خیالوں میں میرے دل کی دھڑکنوں میں اور سانسوں میں صرف تم ہو تمہارا ہی نام ہے دن رات تمہاری تصویر میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے مسکان محبت میں بہت زیادہ طاقت ہوتی ہے جو ظالم سے ظالم دل انسان کو بھی موم کر دیتی ہے مسکام میری محبت تم کو خوشبو کی طرح محسوس کروتی میرے خط کا جواب جلدی دینا۔

ہم نے تجھے اک نظر دیکھنے کی سزا پائی ہے
دن کا سکون رات کی نیند گنوائی ہے

فقط تمہارا شہزاد۔

خط لکھنے کے بعد میں خالہ کے گھر گیا وہ پہلے سے وہاں موجود تھی پہلے ہم لوگوں نے ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر جب میں نے واپس گھر جانے لگا تو میں نے باجی سے آنکھ بچا کر وہ خط مسکان کے حوالے کر دیا جو اس نے پکڑ لیا اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آ گیا پھر پانچ چھ دن خالہ کے گھر نہ گیا جب چھٹے دن گیا تو وہ بہت زیادہ خوش تھی اس دن مسکان نے اپنے ہاتھوں سے مجھے چائے بنا کر پلائی تھی اور باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

جب میں جانے لگا تو میں نے مسکان سے کہا کہ میں جا رہا ہوں اس نے ایک خط میرے ہاتھوں میں دے کر میرا ہاتھ چوم لیا مجھے پتہ چل گیا کہ اس کی طرف سے محبت کا پیغام ہے میں گھر جا کر اپنے کمرے میں چلا گیا کمرے میں جا کر میں نے جب خط کھولا تو اس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

اسلام علیکم ۔میں خیرت سے ہوں آپ کی خیرت خداوند کریم سے نیک مطلوب چاہتی ہوں جان سے پیارے شہزاد جب سے میں نے آپ کو دیکھا ہے مجھے ایک پل بھی چین نہیں شاید آپ کو معلوم نہیں آپ نے جب سے میرے دل میں قدم رکھا ہے میں اس وقت سے آپ کی ہوگئی ہوں میں نے کبھی کسی لڑکے سے محبت نہیں کی لیکن آپ پہلے لڑکے ہیں جب سے میں محبت کرنے لگی ہوں میں تمہارے پیار کے قابل تو نہیں کیونکہ میں بہت چھوٹی ذات کی ہوں اور تمہارا پیار بہت بڑا ہے لیکن پھر بھی تم سے وعدہ ہے کہ اگر راہ وفا میں مجھے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑی تو میں گریز نہیں کروں گی مجھے محبت کے سفر میں کبھی اکیلی مت چھوڑنا ورنہ میں مر جاؤں گی شہزاد مجھے زندگی میں بہت سے دکھ ملے ہیں تمہاری محبت میرے زخموں پر مرہم کا کام کر رہی ہے خدا کے لیے مجھ سے بے وفائی نہ کرنا۔

محبت کی قسم تم کو وعدہ وفا کرنا
ہمیشہ کیلیے ایک ساتھ جینے کی دعا کرنا

والسلام فقط تمہاری مسکان۔

خط پڑھ کر میں نے بہت زیادہ خوش ہو گیا وہ تمام رات میں نے جاگ کر گزار دی نیند بھی نہ آنے کی قسم کھا چکی تھی جب صبح ہوئی تو میں نے ناشتہ کیا اور اسکے پاس چلا گیا وہ اس وقت اکیلی تھی ویسے بھی شانوں باجی انہیں بات کرنے کا موقع دے دیتی تھی تاکہ اپنے دل کی بات کھل کر کرلیں اس دن ہم نے خوب محبت بھری باتیں کیں ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں مسکان نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھ سے وعدہ لیا کہ ہم دونوں جدا نہیں ہوں

گے اگر دنیا والوں کی دیوار ہمارے سامنے آگئی تو ہم موت سے بھی نہیں ڈریں گے میں نے اس سے کہا کہ مسکان اگر تیرے ابو نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو پھر کیا ہوگا اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا مسکان مر تو سکتی ہے لیکن شہزاد کو نہیں چھوڑ سکتی مسکان کے دل کی ہر دھڑکن تمہارے نام ہے اب میں مر تو سکتی ہوں لیکن تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی میں نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا اگر تو مر جائے گی تو میں زندہ کیسے رہوں گا آئندہ میرے سامنے مرنے کی باتیں مت کرنا میرے لیے تم اس چڑیا کی مثال ہو جس کی موت ہوتے ہی جادوگر کی بھی موت ہو جاتی ہے۔

اس طرح دن گزرتے رہے اور ہماری محبت پروان چڑھتی گئی ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ ایک سال ہو گیا ہے اور ایک دن اس کے ملنے کے لیے خالہ کے گھر گیا تو اس کے ابو نے ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ لیا وہ آ کر مسکان کو لے گیا تھا اس ظالم فرعون نے میری مسکان کو بہت زیادہ مارا اس کے ابو نے اب یہ فیصلہ کیا کہ مسکان اب اپنی نانی کے گھر میں رہے گی جب شائوں باجی نے یہ سب بتایا تو میرے سر پر آسمان آن گرا پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مجھے ساری دنیا گھومتی ہوئی نظر آنے لگی جس دن میں نے اپنی نانی کے گھر جانا تھا میں نے اس کو نیند کی گولیاں دیں اس نے وہ گولیاں رات کو اپنے امی ابو کو چائے میں ڈال کر پلا دیں وہ رات کو مجھ سے ملنے کے لیے آگئی وہ رات ہم دونوں نے نہر کے کنارے گزاری ہم تمام رات باتیں کرتے رہے میں نے اس کو سونے کی چین تحفے میں دی جو میں نے پہلے سے ہی خریدی ہوئی تھی اور کبھی بھی ایک دوسرے کو نہ بھولنے کا وعدہ کیا جب فجر کی اذانیں ہونے لگی تو وہ اپنے گھر چلی گئی اور میں اپنے گھر چلا آیا جب صبح ہوئی تو آٹھ بجے چونیاں بس سٹاپ پر گیا اس وقت مسکان بھی اپنے نانا جان کے ساتھ بس اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تھی پر وہ لوگ ایک بس میں سوار ہو گئے جب وہ بس میں بیٹھی تو شیشے والی سائیڈ پر اس کو الوداع کہنے کے لیے آگے بڑھا میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ زاروقطار رو رہی تھی اس کو اس حال میں دیکھ کر میرا حوصلہ بھی جواب دے گیا تھا میں بھی رونے لگا اتنی دیر میں بس چل پڑی اس نے روتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ شہزاد مجھے کب ملنے آؤ گے میں نے کہا میں تمہیں بہت جلدی ملنے آؤں گا اس نے کہا جان مجھے تمہارا انتظار رہے گا اتنے میں گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی میں گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر روتا ہوا گھر واپس آ گیا۔

اس دن مجھے پتہ چلا کہ مسکان کی جدائی میرے لیے کتنی اذیت ناک ہے وقت گزرتا گیا اور میری بے چینی میں اضافہ ہوتا تھا دل کرتا تھا کہ اڑ کر اپنی مسکان کے پاس چلا جاؤں میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا میں ہر وقت خاموش ہی رہتا تھا میری اس حالت سے میرے گھر والے بھی بہت زیادہ پریشان تھے اب میں انہیں کیا بتاتا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے ایک ہفتہ میں نے بہت مشکل سے گزارہ کیا اس کے بعد دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے فون پر اس کا نمبر ڈائل کیا فون اس کی کزن نے اٹینڈ کیا میں نے اس کو کہا کہ میری مسکان سے بات کروا دیں اس نے میری مسکان سے بات کروا دی جب اس نے فون پر بات کی میں نے پہلا سوال یہی کیا کب آؤ گی اس نے کہا دل تو بہت کرتا ہے لیکن میں مجبور ہوں میرے ابو بہت سخت ہیں نانا کو کہہ کر مجھے یہاں بھجوایا ہے اس کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دینا اس لیے میں جلدی نہیں آ سکتی میں نے کہا مجھے اپنا پتہ بتاؤ میں ایک دو دن کے اندر اندر آتا ہوں میں ساتھ ہی رونے لگا میری حالت دیکھ کر اس کو مجھ پر ترس آ گیا اس لیے اس نے جلدی آنے کا وعدہ کیا پھر فون بند ہو گیا میں اس کے آنے کا شدت سے انتظار کرنے لگا اگلے دن مسکان واپس

آ گئی میں اس کو ملنے کے لیے خالہ کے گھر گیا باجی سے پوچھا مسکان آ گئی ہے اس نے کہاں ہاں میں نے کہا پھر یہاں کیوں نہیں آئی باجی نے جواب دیا اس کے ابو نے بہت زیادہ سختی کر دے اس پر ہمارے گھر آنے سے روکا ہے وہ اس لیے ہمارے گھر نہیں آئی میرے اپنے ہی رشتے دار جو میری دوسری کزن تھی جب اس کو ہمارے بارے میں پتہ چلا تو اس نے بھی بہت زیادہ غلط باتیں اس کے ابو کو بتائیں اس لیے اس کے والد نے اس شرط پر چونیاں واپس آنے کی اجازت دی ہے کہ وہ کبھی بھی ہمارے گھر نہیں آئے گی اس نے یہ تمام باتیں مجھے فون پر بتائیں اور کہا تھا کہ شانوں باجی میں تمہارے گھر ضرور آؤں گی میں وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ آ گئی ہم دونوں نے والہانہ انداز میں ایک دوسرے کو گلے لگایا بہت زیادہ خوشی ہوئی کچھ دیر بعد باجی چلی گئی ہم دونوں باتیں کرنے لگے لیکن مجھے محسوس ہوا کہ مسکان پریشان ہے میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کوئی بات نہیں جب میں نے اصرار کیا جو بات بتائی وہ میرے لیے قیامت سے کم نہ تھی اس نے کہا شہزاد ہماری محبت کا میرے ابو کو پتہ چل گیا ہے وہ سخت مزاج ہیں اس نے جب مجھے مارا تھا اس وقت میرا رشتہ میرے ماموں کے بیٹے میرے کزن سے کر دیا تھا اس لیے میں بہت پریشان ہوں جب میں نے مسکان کی طرف دیکھا میری آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکلے اس نے کہا شہزاد تم کیوں رو رہے ہو میری ابھی منگنی ہوئی ہے شادی نہیں ہوئی میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔

اس کی باتیں سن کر مجھے حوصلہ ہوا میں نے اس سے کہا تم نے آج گھر جاتے ہی منگنی توڑ دینی ہے اگر تم نے منگنی توڑنے کی کوشش نہ کی تو میں سمجھوں گا تم میرے ساتھ بے وفائی کر رہی ہو میری باتیں سن کر وہ رونے لگی اس نے کہا شہزاد تم میری مجبوری کو غلط رنگ دے رہے تھے میں اپنے آپ سے بے وفائی کا نام مٹا کر رہوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے میں نے کہا اگر تم نے منگنی نہ توڑی تو میں خودکشی کر لوں گا میری موت کی ذمہ دار تم ہو گی اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں محبت کی اس مشکل گھڑی میں ہر امتحان میں پوری اتروں گی گھر جاتے ہی منگنی توڑ دوں گی یا پھر موت کو گلے لگا لوں گی وقعہ اس نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا جب وہ گھر گئی اس نے اپنے ابو سے کہا میں ابھی منگنی نہیں کرنا چاہتی میں ابھی پڑھ رہی ہوں اس کے ابو نے اس کی ایک نہ مانی اور اپنی ضد پر ڈٹا رہا اس نے اپنے ابو سے کہا اگر آپ نے میری منگنی نہ توڑی تو میں خودکشی کر لوں گی لیکن اس کے باپ پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا وہ اپنی کسی بھی بات سے ٹس سے مس نہ ہوا آخر ظالم باپ کے ظلم ستم سے تنگ آ کر ایک دن جب اس کے گھر والے امی ابو گھر میں تھے باقی گھر والے اپنے کاموں میں مصروف تھے مسکان نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند کر دیا زہر پی کر ہمیشہ کے لیے دنیا چھوڑ گئی جب گھر والوں کو نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کوئی جواب نہ آیا آخر کار انہیں دروازہ توڑنا پڑا تھا جب وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ مسکان اندر بیڈ پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی وہ ابدی نیند سو چکی تھی وہ اپنے خالق حقیقی کو جا ملی تھی وہ وہاں چلی گئی تھی جہاں سے دنیا والوں کی کوئی پابندی نہیں تھی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

میرے خون آرزو کو وہ سمجھ رہے ہیں پانی
انہیں ہوش تک نہ آیا میری لٹ گئی جوانی

مسکان کی موت کی اطلاع مجھے اس کے مرنے کے بعد ملی جب میں مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا ایک بچے نے مسجد میں آ کر کہا مسکان فوت ہو گئی ہے اعلان کروانا ہے یہ بات سننے کی دیر تھی میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا میں مسجد کے صحن میں بے ہوش ہو گیا بے ہوشی میں فرش پر گرا جب مجھے ہوش آیا میرے

تمام گھر والے میرے اور گرد تھے میں نے ہوش میں آتے ہی اپنی امی سے کہا امی میری مسکان مجھے چھوڑ گئی ہے میری مسکان مر گئی ہے میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تمام گھر والوں نے مجھے چپ کروانے کی کوشش لیکن میری تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی وہ تمام رات میں نے روتے ہوئے گزاری تھی آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے بار بار اس کی محبت بھری باتیں یاد آ رہی تھیں مجھے اپنے آپ سے شرمندگی محسوس ہو گئی رہی میں نے کیوں اس کی منگنی توڑنے کا کہا تھا اگر میں اس سے اس طرح بات نہ کرتا تو شاید وہ آج نہ مرتی میں نے اس دن فیصلہ کر لیا تھا زندگی تھی تو مسکان کے نام کی تھی جب وہ ہی نہیں رہی مجھے بھی جینے کا کوئی حق نہیں ہے میری باتوں سے میرے گھر والوں کو شک ہو گیا تھا وہ سب مجھے رب رسول کی قسمیں دینے لگے کہتے شہزاد بیٹا خدا کے لیے آپ کچھ نہ کرنا میں نے آج تک اپنے گھر والوں سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی لیکن میرا دل دنیا سے اٹھ چکا تھا میں ہر وقت مسکان کو یاد کرتا رہتا تھا۔

زندگی ملی تو کیا ملی مل کر بے وفا ملی
اتنے میرے جرم نہ تھے جتنی مجھے سزا ملی

مسکان کے مرنے کے تین دن بعد میری باجی ہمارے گھر آئی مجھے ایک خط دیا میں نے خط کھول کر پڑھا جس پر مسکان کی تحریر تھی میں خط پڑھنے لگا۔

جان سے پیارے شہزاد خدا تمہاری لمبی عمر کرے میں تمہاری زندگی کی دعا مانگتی ہوں اور تمہاری خوشیوں کی دعا مانگتی ہوں میری جان جب تک میرا یہ خط تمہیں ملے گا میں اس وقت تم سے بہت دور جا چکی ہوں گی شہزاد میں تمہارے سامنے شرمندہ ہوں لیکن یقین کرو میں نے اپنے گھر والوں کو بہت منانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے میری ایک بات نہیں مانی شہزاد میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ مسکان مر جائے گی لیکن کسی اور کی نہیں ہو گی میں نے آج اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے میں نے ثابت کر دیا ہے کہ محبت کرنے والوں کو کوئی بھی جدا نہیں کر سکتا محبت کرنے والوں کو دنیا کی کوئی بھی طاقت جدا نہیں کر سکتی شہزاد اگرچہ میں مر رہی ہوں لیکن میری روح تمہارے ساتھ ہی رہے گی میں نے اپنی زندگی کی قربانی اس لیے دی ہے کہ بے وفا نہ کہ سکو آج تمہیں مسکان کی سچی محبت کا یقین ہو گیا ہو گا جو کام میں نے کیا ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور تمہیں معلوم تھا مجھے گھر میں پیار کرنے والا کوئی نہ تھا ماں سوتیلی تھی وہ پہلے ہی بہت زیادہ ظلم کرتی تھی شہزاد آج میں تمہیں ایک نصیحت کرتی ہوں میں نے کبھی زندگی میں کوئی بات تم سے نہیں منوائی لیکن تمہیں میری یہ بات ماننی ہو گی شہزاد مجھے پتا ہے کہ تمہارے گھر والے تم سے بہت پیار کرتے ہیں تم جذباتی ہو تم نے میری خواہشوں کا احترام کیا ہے اور تم نے اپنے گھر والوں کے ارمانوں کو پورا کرنا ہے خدا کے لیے کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے تمہارے ماں باپ کو دکھ ملے اور میری قبر پر ضرور آیا کرنا تاکہ میری روح کو سکون ملے مجھے یقین ہے کہ ہم اگلے جہاں میں ضرور ملیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ایک کر دیں گے ویسے بھی ہم جدا کب ہوئے ہیں اپنا اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھنا یہ تمہاری مسکان کا حکم ہے۔

والسلام۔ تمہاری مسکان۔

خط پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں کتنی دیر روتا رہا اتنی دیر میں شانوں باجی آ گئی اس نے مجھ کو کہا اگر تم مسکان نے تمہاری خاطر جان دے دی ہے اور تمہیں بھی اس کی ہر بات ماننی ہو گی۔

اپنے جذبوں میں سمٹ کر بہت رویا
قرب احساس میں بٹ کر بہت رویا
رات آتی ہے تو بے ساختہ پھر سے شہزاد
اس کی یادوں سے لپٹ کر بہت رویا

تو قارئین مسکان کی موت کو تین سال ہو گئے تھے لیکن اس دوران میں ایک پل بھی اپنے مسکان کو

نہیں بھول پایا گھر والے کہتے ہیں کہ مرنے والے لوٹ کر نہیں آتے ان کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا صبر کرو اور اپنی زندگی کی طرف لوٹ آؤ لیکن کیا کروں اسے بھلانا میرے بس کی بات نہیں شانوں باجی نے مجھے حوصلہ دیا اور اپنے ساتھ ہسپتال میں رکھ لیا لیکن ہسپتال میں بھی میرا دل نہیں لگتا تھا مجھے دنیا کی کوئی رونق اور شور اچھا نہیں لگتا تھا مجھے شور شرابوں سے نفرت ہو گئی تھی ہسپتال سے فارغ ہو کر میں اپنی مسکان کی قبر پر چلا جاتا تھا۔

قارئین یہ تھی میرے کزن کی کہانی میری ایسے والدین سے گزارش ہے کہ اپنے بچوں کو خیال کریں ایسی ضد کی وجہ سے اپنی اولاد سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جو بعد میں پریشانی کا سبب بنتی ہے اور میری آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ مسکان کے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ اس کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین اور شہزاد کو حوصلہ عطا فرمائے آمین۔

قارئین مجھے اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیئے گا

غزل

اے ساگر کی یہ حسرت ہے مجھے اپنی تو گہرائی دے
تیری لہروں میں بہنے نہ دینا مر جاؤں کی نہ جدائی دے
تیرے نام کی زندگی جی لوں گی تیری آنکھ سے آنسو پی لوں
اس دنیا میں مجھے تیرے سوا اب اور نہ کچھ بھی دکھائی دے
ان لبوں سے تیرا نام صنم کہیں چھین نہ لیں دینا والے
تو میرا ہے میں تیری ہوں کبھی آ کر یہ گواہی دے
مرنے سے پہلے اے جانم حسرت یہ پوری کر دینا
سینے سے لگا کر وعدہ کر تو میرا ہے سچائی دے
دنیا میں رہوں تو ساتھ رہے کبھی مجھ سے الگ نہ ہو جانا
مر جاؤں تو قبر کی تختی پر تیرا بھی نام دکھائی دے

کشور کرن۔ چوکی

جوابِ عرض ماہنامہ لاہور

یہ کوپن کاٹ کر اس پر شعر لکھ کر ہمیں ارسال کر دیں اگر آپ کا شعر تمام شعروں میں بہترین ہوا تو آپ کو ایک عدد ریڈیو (پاکٹ سائز) انعام میں دیا جائے گا۔

نام ______ شہر ______ فون نمبر ______

میرا بہترین شعر

مکمل پتہ ______

کیسا پودا کیسا پھول

۔۔تحریر۔محمد سلیم اختر۔راولپنڈی۔0336.0548882

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج پھر اپنی ایک نئی تحریر کیسا پودا کیسا پھول لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں میری یہ کہانی محبت کرنے والوں کے لیے ہے یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے کسی سے بے وفائی کرنے سے احتراز کریں گے کسی کو بیچ راہ میں نہ چھوڑیں گے کوئی آپ کو بے پناہ چاہے گا مگر ایک صورت آپ کو اس سے مخلص ہونا پڑے گا وفا کی وفا کہانی ہے اگر آپ چاہیں تو اس کہانی کو کوئی بہترین عنوان دے سکتے ہیں ورنہ یہی چلنے دیں۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔
محمد سلیم اختر راولپنڈی۔0336.0548882. 0300.9842450

زاہدہ اور میں کلاس فیلو ہی نہیں بہترین سہیلیاں بھی ہیں ہمارا ایک دوسرے کے گھروں میں آزادنہ آنا جانا ہے زاہدہ کافی عرصہ سے اصرار کر رہی تھی کہ میں کبھی اس کے ہمراہ اسکے گاؤں چلوں وہ اپنے گاؤں کی دیگر خصوصیات کے علاوہ اس کی قدرتی خوبصورتی کی بھی بہت تعریفیں کیا کرتی تھی چنانچہ اس بار موسم سرما کی چھٹیوں میں میں نے اس کے گاؤں جانے کا پروگرام ترتیب دے دیا امی ابو نے بخوشی ان کے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی میں زاہدہ اور اس کے گھر والوں کے ہمراہ ان کے گاؤں پہنچی تو وہاں کے قدرتی حسن اور خوبصورت نظاروں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی سفر کی تھکن اتر گئی۔پہاڑوں کے دامن میں واقع انکا گاؤں قدرت کا حسین شاہکار لگ رہا تھا ہریالی پھل اور پھولوں کے پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے جنہوں نے مجھے مسحور کر ڈالا۔اس رات ہم دیر تک زاہدہ کے نانا اور نانی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

اگلی صبح ذرا دیر سے آنکھ کھلی تھی ابھی ہم ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ گاؤں میں ڈھول کی آواز گونجنے لگی ڈھول والا ڈھول بجا کر کوئی اعلان کر رہا تھا میں نے اس بارے میں زاہدہ سے پوچھا تو زاہدہ کی بجائے اس کی نانی نے بتایا۔

آج گاؤں کی پنچائت نے بیٹھنا ہے یہ اعلان اسی سلسلہ میں ہو رہا ہے۔گاؤں کی چوہدرانی زری بیگم کے بیٹے منور نے کوئی جرم کیا ہے آج پنچایت فیصلہ کر کے اسے سزا دے گی اس پنچائت کی سربراہ چوہدرائن زری بیگم ہی ہیں جن کے انصاف کا شہرہ دور دور تک ہے وہ مجرم کو کبھی معاف نہیں کرتی خواہ وہ اسکا اپنا ہی کیوں نہ ہو اس لیے لوگ دور دور سے زری بیگم کا فیصلہ سننے

آتے ہیں ڈھول پیٹ کر اعلان کرنا یہاں کا ایک دستور ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ علم ہو جائے اور وہ پنچایت میں موجود رہیں آج کی پنچایت کی اہمیت کچھ زیادہ اور اہم ہے کہ مجرم زری بیگم کا بیٹا ہے بیٹی یہ جاننے کے باوجود کہ زری بیگم کا ماضی نہایت ہی بھیانک ہے ہم اس کی بہت عزت کرتے ہیں کیونکہ اسکا حال اور مستقبل نہایت ہی روشن اور شیریں ہے آج تم اور زاہدہ بھی ایسا فیصلہ سننے ضرور جانا نانی جان نے تفصیل بتادی تھی۔

میں نے کہا۔ جی نانی جان میں اور زاہدہ وہاں ضرور جائیں گی مگر وہاں جانے سے قبل میں زری بیگم کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔

نانی جان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ زری بیگم کی شخصیت اور ماضی میں بہت کچھ چھپا ہوگا۔

بیٹی یہ ایک لمبی کہانی ہے اگر تم سننا چاہتی ہو تو سنو برسوں قبل کی بات ہے چوہدری حشمت علی اسی گاؤں کا رہنے والا تھا وہ بہت ہی عظیم اور مخلص انسان تھا اسکے انصاف اور انسان دوستی کا چرچا دور دور تک تھا صرف اپنے گاؤں ہی کے نہیں بلکہ دوسرے دیہاتوں کے لوگ بھی اپنے اپنے ذاتی مسائل اور دیگر جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے چوہدری حشمت کے پاس ہی آتے تھے وہ جتنا رحم دل اور دل کا نرم تھا اتنا ہی سخت بھی تھا وہ انصاف کا دامن کبھی بھی چھوڑتا نہیں تھا اور ہمیشہ حق اور سچائی کا ساتھ دیتا تھا اگر ملزم اور مجرم اسکا کوئی عزیز اور رشتہ دار بھی ہوتا تو تب بھی انصاف ہی کرتا اور مجرم کو سزا ضرور دیتا اسکے رعب اور دبدبے کے آگے کسی کو بھی بولنے اور اعتراض کرنے کی جرات نہ تھی اسی لیے دونوں فریق حشمت علی کا کیا گیا فیصلہ قبول کرتے تھے حشمت علی کی انصاف پسندی اور غریب پروری نے اسے علاقے کی نہایت اہم شخصیت بنا دیا تھا پولیس اسٹیشن تو ان دنوں ویسے بھی گاؤں سے بہت دور تھا۔ لوگ اپنے اپنے جھگڑے نمٹانے کے لیے تھانے جانے کی بجائے حشمت علی کی حویلی کا رخ کرتے تھے۔ حشمت علی نے برادری میں ہی شادی کی تھی وہ دو بیٹوں رمضان اور مہربان کا باپ بن چکا تھا رمضان بڑا تھا جبکہ مہربان اس سے تین سال چھوٹا تھا حشمت نے بیٹوں کی پیدائش پر خوب خوشیاں منائی تھیں ان دنوں ہمارے گاؤں میں سکول اور بجلی جیسی سہولتیں موجود نہ تھیں حشمت علی خود بھی تعلیم یافتہ تھا اس لیے اس کی خواہش تھی کہ اس کے بیٹے بھی یہ روشنی ضرور حاصل کریں تاکہ انکے دماغ روشن ہوں اور وہ اچھے بھلے کی تمیز بھی کرسکیں۔

ہمارے گاؤں سے چار میل دور ایک قصبہ ہے جو جی ٹی روڈ کے کنارے واقع ہے اس گاؤں میں ان دنوں ہائی سکول تھا چوہدری نے رمضان علی کو اس ہائی سکول میں داخل کرادیا۔ رمضان کو سکول لے جانے اور واپس لانے کے لیے ایک اسپیشل تانگہ تیار کرایا گیا رمضان اسی تانگے سے سکول آتا جاتا تھا اسکے کوچوان کی صرف یہی ڈیوٹی تھی جس کی اسے معقول تنخواہ ملتی تھی۔ رمضان ان دنوں ہائی سکول میں تھا اور ہائی کلاس میں تھا کہ ہمارے گاؤں میں بھی پرائمری سکول بن گیا تھا اس لیے مہربان کو گاؤں والے سکول میں داخل کرایا گیا تھا۔ چوہدری حشمت جتنا شریف اور اصول پسند تھا بدقسمتی سے اس کے دونوں بیٹے اتنے ہی خودسر مغرور اور ضدی نکلے وہ اپنے باپ کی حیثیت اور وقار سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے وہ اپنے آپ کو گاؤں کا مالک

سمجھتے اور چاہتے کہ ہر آدمی انکی بڑائی تسلیم کرے اور انہیں اپنا چوہدری جان کر انکا ہر حکم بجالائے خاص طور پر رمضان نے تو کچھ زیادہ ہی پر پرزے نکال لیے تھے۔ حشمت علی کو اپنی اولاد کی ان حرکتوں پر دکھ اور شرمندگی محسوس ہوتی تھی کہ اس کی اولاد اسکے نقش قدم پر نہیں چل رہی پھر وہ یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتا کہ ابھی دونوں بچے ہیں بڑے ہوں گے تو انہیں عقل آجائے گی اچھے برے کی تمیز بھی جان جائیں گے۔

ہمارے گاؤں کے اور بھی کئی لڑکے اسی سکول میں پڑھنے جاتے تھے مگر وہ سب پیدل ہی آتے جاتے تھے صرف رمضان ہی تانگے پر شاہی انداز میں سکول آتا جاتا تھا ان دنوں رمضان دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ حسب معمول وہ سکول گیا ہوا تھا کہ دن کے گیارہ بجے کے قریب بارش شروع ہوگئی۔ جب کوچوان رمضان کو لینے کے لیے نکلا تو تب بھی بارش ہورہی تھی اس نے بارش میں ہی تانگہ نکالا اور روانہ ہوگیا۔ راستے میں اسے اپنے گاؤں کے ایک شخص فضلو کا بیٹا ساجد نظر آیا جو اتنی طوفانی بارش میں بھی پیدل ہی اپنے گاؤں کی طرف چلا آرہا تھا کوچوان نے یوں ساجد کو بھیگتے ہوئے دیکھا تو اسے اس پر ترس آگیا اس نے ساجد کے قریب تانگہ روکا اور اس سے اس شدید بارش میں گھر جانے کی وجہ پوچھی تو ساجد نے بتایا۔

اس کی ماں کو کل شام سے بخار ہے صبح سکول آتے وقت ماں نے اسے کچھ روپے دیئے تھے اور کہا تھا کہ یہاں سے کمپوڈر سے اس کے لیے دوا لیتا آؤں۔ میں نے ماں کی دوا لے لی ہے اگر میں بارش کے آنے کا انتظار کرتا تو دیر ہوجاتی اس عرصہ میں نجانے میری ماں کا کیا حال ہوتا اس لیے میں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا تا کہ ماں کو دوا کھلاؤں اور انکا بخار اتر جائے۔

کوچوان نے ساجد سے کہا۔ تم یہاں ہی کسی درخت کی اوٹ میں کھڑے ہوکر میرا انتظار کرو میں ابھی رمضان کو لے کر آتا ہوں اور واپسی میں تمہیں بھی تانگے پر بیٹھا کر گاؤں لے جاؤں گا۔ ساجد خوش ہوگیا اور ایک بڑے سے درخت کے نیچے اس کے تنے کے ساتھ بیٹھ کر کوچوان کا انتظار کرنے لگا جب کوچوان واپس آیا تو اس نے درخت کے قریب جا کر تانگہ روک دیا جہاں ساجد اس کا انتظار کر رہا تھا ساجد نے جوں ہی تانگہ دیکھا تو وہ بھاگتا ہوا آیا اور تانگے پر سوار ہوگیا۔ رمضان نے ایک کمی کمین کے بیٹے کو یوں اپنے تانگے پر سوار ہوتا ہوا دیکھا تو اس کا خون کھول اٹھا اس نے بغیر کوئی کیسے ایک زوردار تھپڑ ساجد کے منہ پر دے مارا اور اس کا گریبان پکڑ کر کہنے لگا

کمینے اور نیچ انسان اپنی اوقات تو دیکھو زمین کی خاک ہوکر چوہدری رمضان کے تانگے پر بیٹھتا ہے تجھے یہ جرات کیسے ہوئی۔

کوچوان بھی خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے رمضان کو بتانا چاہا۔

ساجد بے قصور ہے اسے میں نے تانگے میں بیٹھنے کو کہا تھا مگر رمضان نے اسکی ایک نہ سنی اور اس کو بھی ڈانٹ دیا۔

تم کون ہوتے ہو اسے میرے تانگہ پر بٹھانے والے کیا تانگہ تمہارے باپ کا ہے تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گا میں پہلے اسے تو مزا چکھادوں۔

اس کے بعد رمضان ساجد کو اپنے بازوؤں پر ساجد کو اٹھا کر اس قدر زور سے زمین پر پٹخا کہ اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اور زور سے چیخا ہائے میرا بازو کوچوان فوراً نیچے اترا اور ساجد کی طرف بڑھا تو رمضان نے ان دونوں کو وہاں ہی چھوڑ دیا اور

خود تانگہ بھگا کر گھر کو چلا گیا۔ساجد کا بازو ٹوٹ گیا تھا اور راستے میں پڑا درد سے کراہ رہا تھا کوچوان نے اپنی پگڑی اتاری اور اس کو ساجد کے بازو پر پٹی سے بنا کر باندھ دیا اور ساجد کو تسلیاں دینے لگا اسے رمضان کے رویہ سے بے حد دکھ ہو رہا تھا کہ بڑے لوگوں کے دل کتنے چھوٹے ہوتے ہیں اس نے ساجد کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی بجائے اسے گاؤں لانے کا ارادہ کیا تا کہ وہ چوہدری حشمت سے انصاف کی بھیک مانگ سکے وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آج چوہدری حشمت امن اور انصاف کا دامن تھامے گا یا اپنے بیٹے کی حمایت کرے گا۔کوچوان گاؤں پہنچا اس نے ساجد کے باپ فضلو کو ساتھ لیا اور چوہدری حشمت کی حویلی جا پہنچے۔

چوہدری نے کوچوان کی زبانی سارا واقعہ سنا تو اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ سی ہونے لگی وہ کسی کشمکش میں مبتلا ہو گیا پھر وہ فضلو کی طرف بڑھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

فضلو گھبراؤ نہیں۔ تمہارے ساتھ انصاف ہو گا مجھے قسم ہے اپنے پروردگار کی اگر میرا بیٹا واقعی مجرم ہے تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔

پھر اس نے رمضان کو بلایا اور اسے اس حادثے کے بارے میں پوچھا تو وہ بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔

ہاں میں نے ساجد کا بازو توڑا ہے تا کہ اس کو یہ یاد رہے کہ چوہدری کے بیٹے اور اس کمی کے بیٹے میں کیا فرق ہوتا ہے۔

رمضان باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا چوہدری کو بیٹے کا یہ رویہ بھلا نہ لگا کہ اس کا بیٹا زیادتی کرنے کے باوجود بھی نادم نہیں ہے بلکہ وہ اس پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا دکھ کی شدت سے چوہدری حشمت کی آنکھیں بھر آئیں کہ اس کا بیٹا اس کے شملے کو ہی آگ لگا رہا ہے اس کے اندر دکھوں کی برسات ہونے لگی۔اس نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور اندھا دھند رمضان کو اس سے پیٹنے لگا۔کسی کو بھی چوہدری رمضان کے نزدیک آنے کی جرات نہ تھی چوہدری حشمت کے ہاتھ اور لاٹھی اس وقت تھم گئے جب رمضان کا بھی ایک بازو ٹوٹ گیا اور وہ بھی درد سے کراہنے لگا۔رمضان کو پیٹنے اور اس کا بازو توڑ دینے کا منظر بہت سے لوگوں نے دیکھا۔امن اور انصاف کا پرچم بلند ہو گیا تھا چوہدری حشمت نے خود ہی رمضان اور ساجد کو ایک ساتھ ہسپتال میں پہنچایا اور دونوں کے بازوؤں پر پلاسٹر چڑھا کر واپس گاؤں لوٹ آیا علاقے میں چوہدری کی انصاف پروری کی دھوم مچ گئی جن نے بھی سنا اس نے چوہدری کی عظمت کو سراہا۔ہر زبان پر چوہدری زندگی اور سلامتی کی دعائیں تھیں مگر ان سب کے برعکس اس کا اپنا ہی خون اپنا ہی بیٹا رمضان اسے کوس رہا تھا۔اور اس کی موت کی دعائیں کر رہا تھا۔

دو ماہ بعد جب رمضان اور ساجد کے پلستر اتر گئے اور وہ صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے پھر سے سکول جانا شروع کر دیا۔لوگ جوں جوں چوہدری حشمت کی اصول پسندی کی تعریفیں کرتے توں توں رمضان کے سینے میں نفرت بڑھتی گئی اسے اپنے باپ سے نفرت ہو گئی اسے اپنے باپ کا کیا ہوا فیصلہ اپنی توہین محسوس ہونے لگا کہ وہ گاؤں میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا موت کا لاوا اندر ہی اندر پکنے لگا۔اگر اس کے باپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو رمضان اس سے اپنی توہین کا بدلہ لے چکا ہوتا اس نے اپنے

باپ کے سامنے تو اپنے کسی رویے کا اظہار نہ کیا تھا لیکن پھر بھی اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی اس بے عزتی اور رسوائی کا بدلہ اپنے باپ سے ضرور لے گا جلد نہ سہی دیر سے سہی اس نے یہ ظاہر تو اپنے طور طریقے اور چلن درست کرلیا مگر وہ سب ایک دھوکہ تھا وہ اپنا اعتماد جمانے کی کوشش کررہا تھا۔ رمضان نے میٹرک کا امتحان پاس نے کے بعد کالج میں داخلہ لینے کی خواہش کی چوہدری حشمت تو چاہتا تھا کہ اس کی اولاد پڑھے اور اپنے گاؤں سے جہالت دور کرے اس نے خود شہر جاکر رمضان کا کالج میں داخل کرایا اور اس کی رہائش کا بندوبست ہوسٹل میں کرایا اب تو رمضان بہت ہی خوش تھا اسے ہر طرح کی آزادی جو مل گئی تھی ہر ماہ اسے اخراجات کے لیے ضرورت سے زیادہ رقم مل جاتی تھی پہلا سال تو اس نے سادگی اور شرافت کے ساتھ گزار دیا مگر اب سیکنڈ ائیر میں آکر وہ شہر کی رنگینیوں سے واقف ہوگیا۔ اسے شہری زندگی راس آگئی اور اس نے وہاں بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیئے۔ پڑھائی کی طرف اس کا دھیان کم ہوگیا وہ سگریٹ نوشی کرنے کے علاوہ کئی اور عیاشیاں بھی کرنے لگا۔ چوہدری حشمت تو خوش تھا کہ اس کا بیٹا شہر میں رہ کر تعلیم حاصل کررہا ہے اور گاؤں والوں کو بھی سکون مل گیا ہے مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی اسے معلوم نہ تھا کہ رمضان تو اس کی عزت خاک میں ملانے پر تلا ہوا ہے رمضان جب تھرڈ ائیر میں پہنچا تو اس کی دوستی شہر کے آوارہ اور لفنگوں کے ساتھ ہوگئی وہ فلمیں دیکھنے کے ساتھ ساتھ کوٹھوں پر مجرا دیکھنے کے لیے جانے لگا اس نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے ماہانہ خرچ کی رقم بھی بڑھالی جو اب طوائفوں کی نذر ہونے لگی وہ اپنے باپ کی محنت کی کمائی کو برے اور حرام کاموں میں ضائع کرنے لگا پڑھائی کا تو صرف نام ہی رہ گیا رمضان کی زندگی دن اور راتیں کوٹھوں اور طوائفوں تک محدود ہوکر رہ گئے تھے۔

زری کو اس نے پہلی بار جمیلہ بائی کے کوٹھے پر دیکھا تو وہ اپنا آپ ہی گنوا بیٹھا۔ زری کا حسن بلاخیز اس کو گھائل کرگیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا یاد رہی تو صرف زری اب تو اس کی ہر رات زری کے لیے وقف ہوکر رہ گئی وہ اس کے عشق میں دیوانہ سا ہوگیا۔ وہ اپنے باپ کی کمائی اس پر لٹانے لگا آگ صرف رمضان کے سینے میں ہی نہ لگی تھی بلکہ زری بھی اسی آگ میں جلنے لگی اسے رمضان اچھا لگتا تھا مگر اس سے آگے وہ کچھ بھی نہ سوچ سکتی تھی کیونکہ وہ تو پہلے ہی محبت کا زہر پی رہی تھی اس لیے اس نے رمضان پر اپنی چاہت کا اظہار نہ کیا اور اس سے بے رخی برتنی شروع کردی۔ وہ ایک بار پھر اس آگ میں نہیں جلنا چاہتی تھی اس نے رمضان کی حوصلہ افزائی نہ کی مگر رمضان پر زری کی بے رخی کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ وہ یہ فیصلہ تو بہت پہلے ہی کرچکا تھا کہ وہ کسی طوائف کو چوہدری حشمت کی بہو بنا کر حویلی میں لے جائے گا تو چوہدری حشمت کے لیے یہ تازیانہ ناقابل برداشت ہوگا وہ علاقے میں رسوا ہوجائے گا لوگ اسے طعنے دیں گے کہ اس کی بہو ایک طوائف ہے یوں اس کا جاہ وجلال اور وقار سب کچھ خاک مل جائے گا۔

رمضان کا منصوبہ مکمل اور جامع تھا زری کو اس نے اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ کرلیا مگر اسے حاصل کرنا اتنا آسان نہ تھا زری تو رمضان میں ذرہ بھر بھی دلچسپی نہ لے رہی تھی اس لیے رمضان کو اپنا منصوبہ مکمل ہوتا ہوا نظر نہ آیا۔ ایک رات اسے زری سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل

گیا تو رمضان نے اسے اپنا حال دل سنا ڈالا زری خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی اور پھر بولی۔
رمضان تم جو خواب دیکھ رہے ہو ان کی تعبیر ناممکن ہے تم ایک بہت بڑے زمیندار کے بیٹے ہو اور میں گندلی نالی کا کیڑا ہوں تمہاری حویلی میرا گندا وجود برداشت نہ کر پائے گی میں تمہارے محل میں رہنے کے قابل نہیں ہوں اس لیے خواب مت دیکھو اور حقیقت کی دنیا میں لوٹ جاؤ۔
رمضان نے زری کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ زری میں جس کام کا ارادہ کر لیتا ہوں اس پر عمل بھر کرتا ہوں میں نے تمہیں چاہا ہے پوجا کرتا ہوں میں تمہاری اب تمہیں حاصل کرنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے جیلہ بائی تمہاری جو بھی قیمت لگائے گی میں ادا کروں گا اس کے علاوہ اگر کوئی میرے راستے کی دیوار بنا تو میں اسے پاؤں تلے روند ڈالونگا اور اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہیں زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا خواہ اس کے لیے مجھے آگ کا سمندر ہی کیوں نہ عبور کرنا پڑے اگر تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو تو نہ کرو میں تو تمہیں چاہتا ہوں تم اپنی نفرت کی دیواریں جتنا جی چاہے بلند کر لو تمہارے پیار کی خاطر میں سب دیواریں پھلانگ جاؤں گا زری یہ جان لو کہ تم میری پسند ہو اور تمہیں حاصل کرنا میرا خواب ہی نہیں ضد بھی ہے۔
رمضان یہ کہہ کر لوٹ آیا مگر اس نے زری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب وقتی اور جذباتی باتیں اور دعوے ہیں ان پر عمل کرنا ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ تو پہلے ہی ایک دکھوں کا صحرا عبور کر کے یہاں تک پہنچی تھی اب میں مزید دکھ سہنے کی ہمت نہ تھی۔ اس نے اپنے ماضی کو رمضان پر آشکار کرنے کا ارادہ کر لیا کہ ممکن ہے وہ اس کا بھیانک ماضی جان کر اس

سے کنارہ کشی اختیار کر لے اسے بھول جائے کیونکہ اسے اپنی مزید رسوائی منظور نہ تھی وہ اپنے ہمراہ رمضان کو بھی دکھوں کی دلدل میں نہیں دھکیلنا چاہتی تھی۔
دو دن بعد رمضان اور زری ایک پارک کے گوشے میں بیٹھے تھے رمضان اپنی محبت کے دعوے کر رہا تھا کہ وہ زری سے کتنی محبت کرتا ہے اور زری خاموشی سے اپنے قصیدے رمضان کی زبان سے سن رہی تھی جب رمضان خاموش ہوا تو زری بولی کہنے لگی۔
رمضان میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی تم میرے ماضی سے واقف ہو جاتے ہو کہ میں ایک طوائف زادی ہوں پھر بھی تم مجھ کو اپنانا چاہتے ہو میرا ماضی برے حال سے تو بھیانک نہیں ہے مگر پھر میں تمہیں اس سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں ہو سکتا ہے کہ تم یہ جان کر اپنا ارادہ بدل دو۔
رمضان کہنے لگا ہاں زری میں جاننا چاہتا ہوں کہ مگر میں پھر بھی تم پر واضح کر رہا ہوں کہ تم جیسی بھی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے اسکے ماضی حال اور مستقبل سے نہیں مگر بس پھر بھی تمہارا ماضی ضرور جاننا چاہتا ہوں
زری نے چند لمحے سوچا اور پھر اپنے ماضی کی کڑیاں ملانے لگی۔
رمضان میں ایک امیر شخص کی اکلوتی بیٹی ہوں بے شمار دولت مجھے ورثہ میں ملی مگر مجھے ماں کی گود کا لمس اور باپ کی شفقت نہیں ملی بچپن آیا کی گود میں گزرا بند ڈبوں کا دودھ پی کر بڑی ہوئی ہوں میں تمام عمر ماں اور باپ کی محبت کو ترستی رہی ہوں دولت کار اور کوٹھی تو والدین کی محبت کا بدل نہیں ہیں میرے باپ کو غیر ملکی دوروں سے فرصت نہ ملتی تھی اور ماں کو فیشن اور پارٹیوں سے

فراغت نہ تھی میں رات کے کھانے پر ماں کا انتظار کرتی رہتی مگر میرا انتظار طویل ہو کر نیند میں ڈھل جاتا ماں نہ جانے کب آتی اور اپنے کمرے میں جا کر اگلے دن دوپہر تک سوتی رہتی میری ماں نے کبھی مجھے گود میں بیٹھا کر پیار نہیں کیا میں تمام عمر ماں کی ممتا کو ترستی رہی ہوں میری ماں نے کبھی مجھے دو بول محبت کے نہیں دیئے یہی رویہ باپ کا تھا وہ جب غیر ملکی دوروں سے واپس آتے تو میں انہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی کہ ابھی میرے ابو مجھے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا لیں گے اور پھر ڈھیروں پیار کریں گے اتنا کہ میں ماضی کی تمام محرومیاں بھول جاؤں گی مگر جب وہ سامنے آتے تو ان کے منہ سے ہمیشہ میں یہی الفاظ سنتی ہیلو زری کیسی ہو میں کوئی جواب نہ دیتی مگر وہ اس چیز کو اہمیت بھی نہ دیتے اور اٹیچی کیس سے کھلونے اور دیگر تحفے میرے آگے ڈھیر کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ جاتے دکھ کی شدت سے میری آنکھیں بھر آتیں اور میں ان کھلونوں اور کھلونوں کو ادھر ادھر پھینک دیتی۔

یوں ہی روتے سسکتے ہوئے میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو تب بھی ان دونوں کے اطوار میں کوئی فرق نہ آیا ان کا رویہ اب بھی ویسا ہی رہا۔ دونوں اپنی اپنی دنیا میں گم رہے بیٹیاں جوان ہو جائیں تو ماں باپ کی آنکھوں میں کانٹے اگ آتے ہیں جن کی چبھن ان کو سونے نہیں دیتی۔ لیکن وہ کیسے ماں باپ تھے جو رات دیر گئے بے حیائی کی محفلوں اور پارٹیوں سے واپس آ کر دوپہر تک سوئے رہتے تھے انہیں اتنی بھی شرم نہ آتی تھی کہ انکی اکلوتی بیٹی رات بھر ان کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ میں ان کے جاگنے سے قبل کالج چلی جاتی اور جب کالج سے واپس آتی تو وہ دونوں کہیں نہیں کہیں جا چکے ہوتے میں آیا خانساماں اور مالی بابا سے باتیں کر کے اپنا دل بہلانے کی کوشش کرتی مگر کب تک وہ مجھے ماں اور باپ کا پیار تو نہیں دے سکتے تھے میرا کوئی بھائی نہیں نہ تھے جن کی کمی میں شدت سے محسوس کرتی تھی میری ماں کی خوبصورتی میں میری پیدائش کے بعد شاید کوئی کمی واقع ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے آپریشن کر کے بچے پیدا کرنے والے جھنجٹ سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی تھی جس کا دکھ تو صرف مجھے تھا کہ اب میرا کوئی بہن بھائی اس دنیا میں نہیں آئے گا۔ ماں باپ کی بے رخی اور کسی غمگسار کا وجود نہ ہونے کے باعث میں احساس کمتری کا شکا ہو گئی تھی کوئی بھی تو نہ تھا جس سے میں اپنے دکھ اور درد بانٹ سکوں۔

کالج میں کئی لڑکے میری محبت کا دم بھرتے تھے مگر مجھے ایسی محبت سے نفرت تھی میں اسے فضول شے سمجھتی تھی میرے من میں کوئی امنگ کوئی آرزو نہ تھی زندگی یوں ہی پھیکی اور بے مقصد گزر رہی تھی کسی کو چاہنے کا مجھے کوئی چاہ نہ تھا نہ ہی میں نے کسی کے سپنے دیکھے تھے۔

عاشق بھی ایک امیر شخص کا بیٹا تھا انکے ساتھ ہمارے گھریلو تعلقات تو نہیں تھے البتہ امی ابو کے ان سے کاروباری تعلقات تھے میں جانتی تھی کہ عاشق مجھ میں دلچسپی لیتا ہے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس دولت سے پیار کرتا تھا جس کی میں اکلوتی وارث تھی مجھے اس کے چھچھورے پن سے نفرت تھی میں اسے ناپسند کرتی تھی مگر اس کے برعکس وہ میرے ماں باپ کو بہت عزیز تھا اسی لیے انہوں نے میری شادی عاشق کے ساتھ طے کر دی میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی امی اور ابو کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ شادی کی تیاریاں یعنی خریداری وغیرہ شروع ہو گئی تو میں نے امی اور ابو سے صاف کہہ

دیا۔

میرے لیے شادی کا صرف ایک ہی جوڑا خریدا جائے میں اسی جوڑے میں سسرال جاؤں گی اور کوئی چیز جہیز کے طور پر ساتھ نہیں لے کر جاؤں گی کیونکہ عاشق مجھے چاہتا ہے وہ میری محبت کا دعویدار ہے اس کی ضرورت صرف میں ہوں اور میں تو اسے مل ہی جاؤں گی۔

امی اور ابو کو میری یہ بات بہت ہی بری لگی اور کہنے لگے۔

کیا تم ہماری ناک کٹوانے کا ارادہ رکھتی ہو۔ مگر میں نے ان کی کوئی بات نہ مانی تو ابا جان نے اپنی چیک بک نکال لی۔ اور ایک چیک پر دستخط کر کے وہ چیک مجھے دیتے ہوئے کہا کہ اس پر جتنی رقم چاہو لکھ لینا کیونکہ یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ میں نے چیک اور قلم پکڑا اور اس پر لکھا۔

i need love of parents

اور چیک ابا جان کو تھما دیا انہوں نے اس پر لکھی ہوئی تحریر پڑھی تو کہنے لگے۔

زری تمہیں کیا ہو گیا ہے تم تو ہماری واحد اولاد ہو۔ اور ہمیں جان سے بھی زیادہ عزیز ہو ہمارا سب کچھ اور ہماری ساری محبتیں تمہارے لیے ہیں۔

میں جانتی ہوں سب کچھ میں یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر اوندھے منہ گر کر سسکنے لگی۔ اس امید پر کہ شاید امی اور ابو مجھے پیار کرنے یا دلاسہ دینے آ جائیں مگر وہ نہ آئے تو اس دن پہلی بار میرے دل میں ان کے خلاف نفرت کا لاوا ابل پڑا۔ مجھے ان کی بے حسی پر دکھ ہی نہیں رونا بھی آ رہا تھا میں نے تمام رات پریشانی کے عالم میں ہی گزار دی اگلے روز انہوں نے مجھے پھر منانے کی کوشش کی مگر میں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

اگر آپ نے اب مجھے زیادہ مجبور کیا تو میں کوئی ایسا قدم اٹھالوں گی جو آپ کے لیے زندگی بھر کا پچھتاوا بن جائیگا۔

انہوں نے اس سلسلہ میں عاشق سے بھی بات کی اور اسے یقین دلایا کہ ہم پچاس لاکھ کا چیک زری کو دے کر اسے رخصت کریں گے اس کے ساتھ ایک کوٹھی کے کاغذات بھی ہوں گے جو زری کے نام ہوگی۔

سہاگ رات تو ارمانوں اور آرزوؤں کی رات ہوتی ہے ایک نئی زندگی کا نقطہ آغاز ہوتا ہے رات دیر گئے عاشق کمرہ عروسی میں آیا۔ تو اس نے پیار محبت کی تو کوئی بات ہی نہیں کی ادھر ادھر کی بے تکی باتیں کرتے کرتے وہ اپنے مطلب کی بات پر آ گیا۔ اس کی نظریں پچاس لاکھ والے چیک پر تھیں میں نے اس کی باتوں اور حرکتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے میری ذات سے کوئی غرض نہیں ہے اسے مجھ سے پیار نہیں ہے بلکہ اسے صرف اور صرف میری دولت سے پیار ہے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ میرا خریدار ہے اور میرے ماں باپ نے مجھے اس کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ امنگوں والی رات حسرت بن کر گزر گئی۔

اگلے روز عاشق مجھ سے پچاس لاکھ والا چیک مانگا مگر میں نے اسے چیک دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے وہ چیک اور کوٹھی کے کاغذات پھاڑ کر پرزہ پرزہ کر دیئے۔ عاشق کو مجھ سے ایسے عمل کی امید نہ تھی اسے غصہ آ گیا اس کی گردن کی رگیں تن گئیں۔

زری یہ تم نے بہت ہی برا کیا ہے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا حسارے میں تم ہی ہو گی۔ سن لو اور یاد بھی رکھو کہ تمہارا باپ ہمارا

مقروض ہے اس قرض کو چکانے کے لیے اس نے تمہیں میرے حوالے کیا ہے میں جانتا ہوں تم مجھے ناپسند کرتی ہو کیونکہ میں لالچی انسان ہوں مگر تم فکر نہ کرو میں زیادہ عرصہ تمہیں اپنے پاس نہیں رکھوں گا اور وہ کچھ کروں گا جو میں اور تمہارا باپ مل کر عرصہ سے کرتے چلے آرہے ہیں یہ کہہ کر عاشق کا ہاتھ اٹھ گیا اور اس نے مجھے روئی کی طرح دھنک ڈالا اور پھر اگلے ہی دن اس نے مجھے طلاق دے ڈالی۔

میں اس روز بہت روئی تھی اور اپنے ماں باپ کو کوسا تھا کہ انہوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور ظلم کیا ہے۔ انہوں نے میری زندگی اجیرن کر دی تھی میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی عاشق نے مجھے ایک کمرہ میں بند کر کے میری نگرانی شروع کر دی تھی پھر ایک رات اس نے میرا سودا کر دیا۔ اور میں لٹنے کے لیے اس کوٹھے پر آ گئی۔ عاشق نے مجھے آخری بار صرف یہ کہا تھا۔

زری انسان جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹتا ہے میں اور تمہارا باپ مل کر یہی کاروبار کرتے ہیں۔ شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی اپنی بیٹی کا بھی تو سودا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کے حالات کے تو تم کو معلوم ہی ہیں۔

زری خاموش ہو گئی اور پھر سسکنے لگی تو رمضان نے سے تسلی دی اور کہا۔ تم ماضی کو بھلا دو میں تمہارے تمام دکھ درد سمیٹ لوں گا اور تم سے شادی کروں گا۔

پھر رمضان نے زری کی ایک نہ سنی اور اپنے چند دوستوں کی موجودگی میں زری سے شادی کر لی جمیلہ بائی کے عتاب سے بچنے کے لیے اسی رات انہوں نے شہر چھوڑ دیا۔ رمضان نے زری کو اپنے گاؤں اور خاندان کے بارے میں بتا دیا تھا اور یہ کہ میرا باپ ایک اچھا انسان نہیں ہے مگر پھر بھی تم صبر سے کام لینا وہ تمہیں اس طرح میرے ہمراہ دیکھ کر بھڑک اٹھیں گے اور پھر میں تمہاری حقیقت ان کو وقت سے پہلے ہی بتا دوں گا کہ تم ایک طوائف زادی ہو کیونکہ بعد میں اگر کسی کو اس کو علم ہو گیا تو بہت برا ہوگا۔

رمضان میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے میں تمہاری خاطر سب دکھ سہہ لوں گی میری اب تم سے صرف ایک التجا ہے کہ اب مجھے چھوڑ نہ دینا۔ ورنہ میں زندہ نہ رہ پاؤں گی مجھ میں اب مزید دکھ اٹھانے کی سکت نہیں ہے زری نے رمضان کی منت کرتے ہوئے کہا۔

رمضان نے زری کو تسلی دی کہ وہ بے فکر ہو جائے وہ سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز رکھے گا رمضان دل ہی دل میں بہت ہی مسرور تھا کہ باپ سے بدلہ لینے کا وقت قریب آ گیا ہے زری کو حویلی میں لانے کا مقصد بھی یہی تھا وہ زری کے ساتھ گاؤں پہنچا۔ اور اسے اپنے ایک دوست کے گھر ٹھہرا دیا۔ اور خود حویلی چلا گیا۔

رمضان کے دوست نے زری کو چوہدری حشمت کے کردار کے بارے میں بتایا تو وہ دھنک رہ گئی۔ اس لیے کہ رمضان نے تو اپنے باپ کے بارے میں اسے کچھ اور ہی بتایا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی چوہدری حشمت کے اعلیٰ کردار کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد زری کو یقین ہو گیا کہ چوہدری حشمت تمام تر برائیوں کے باوجود اسے معاف کر دے گا۔ اس کے ذہن میں جو خدشات اور وسوسے تھے وہ ختم ہو گئے اور وہ مستقبل کے حسین خیالوں میں کھو گئی۔

رمضان کو حویلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس کے

بھائی مہربان نے گاؤں کی ایک لڑکی کو بے آبرو کر ڈالا ہے جس وجہ سے اس کا باپ غصہ میں بھرا بیٹھا ہے۔ اس نے سوچا کہ لوہا گرم ہے اسی وقت چوٹ لگا دی جائے۔ وہ واپس گیا اور زری کو ساتھ لے کر حویلی میں آ گیا جہاں کچھ اور معزز لوگ بھی چوہدری حشمت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے رمضان نے ان سب کے سامنے زری کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

زری ایک طوائف ہے میں اسکو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی بھی کر چکا ہوں اب یہ اس حویلی کی بہو عزت ہے اور اب یہ اس حویلی میں ہی رہے گی۔

یہ کہہ کر وہ خود تو باہر نکل گیا مگر زری مجسم سوال بنی چوہدری حشمت کے سامنے کھڑی تھی چوہدری حشمت کو اپنے بیٹے سے اس قسم کی حرکت اور فیصلہ کی توقع نہ تھی اس لیے وہ کچھ دیر کے لیے تو حواس باختہ ہو گیا اسے رمضان کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا کیونکہ یہ بات جلد ہی گاؤں میں اور ارد گرد کے دیہاتوں میں بھی پھیل جانی تھی کہ چوہدری حشمت کی بہو ایک طوائف ہے وہ کوئی نہ کر پارہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کون سا قدم اٹھائے گاؤں کے لوگ جا چکے تھے اس نے زری کو بھی کمرے میں تنہا چھوڑا اور باہر نکل گیا۔

رات ہو چکی تھی حویلی میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا حویلی میں رہنے اور کام کرنے والا ہر شخص حیران اور پریشان تھا جیسے ان سب کو سانپ سونگھ گیا ہو سارے ماحول میں تناؤ اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی چوہدری حشمت تمام دکھوں کی صلیب پر لٹکا رہا صبح ہونے تک وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا اس نے اس روز بھی انصاف کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا وہ یہ تو جان گیا تھا کہ اس کا اپنا خون ہی اسے رسوا کرنے پر تلا ہوا ہے مگر اس نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا مہربان تو اسے پہلے ہی چھوڑ کر جا چکا تھا کہ اس کے باپ کو اولاد سے بڑھ کر اپنے اصول عزیز ہیں وہ ہمیشہ کے لیے چلا گیا تھا اور اب رمضان نے طوائف کو حویلی میں لا کر اس کی عزت خاک میں ملا دی تھی مگر چوہدری نے رمضان کے منصوبے کو ناکام بنا دیا صبح سویرے چوہدری حشمت نے زری کو اپنے کمرے میں بلایا اور اس سے پوچھا۔

یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا۔

زری نے تمام داستان روتے ہوئے سسکتے ہوئے سنا ڈالی اور کہا میں تو ماں اور باپ کے پیار کی بھوکی ہوں آنسو انسانی کے سچے احساسات اور جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں ان آنسوؤں کے پیچھے چوہدری حشمت کو زری کا حقیقی چہرہ نظر آیا وہ سوچے سمجھے فیصلہ کے مطابق اپنی کرسی سے اٹھا اور آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ زری کے سر پر رکھ دیئے۔

زری نے چوہدری حشمت کا یہ فرشتوں والا روپ دیکھا تو شدت جذبات میں زور زور سے رونے لگی چوہدری حشمت کی آنکھیں بھی برسنے لگیں اور وہ کہنے لگا۔

زری بیٹی جو کچھ رمضان نے سوچا اور چاہا تھا وہ نہیں ہوگا بلکہ جو کچھ میں نے سوچا اور چاہا ہے اب وہ ہوگا مجھے تمہاری باتوں پر یقین ہے تم بے قصور ہو بیٹی میری نظروں میں تمہارے لیے احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے آج کے بعد تم اس حویلی کی بہو ہی نہیں ہو بلکہ میری بیٹی بھی ہو میں تمام محرومیاں ختم کر دونگا اور تمہیں باپ کا اتنا پیار دوں گا کہ تم تمام دکھ درد بھول جاؤ گی آج کے بعد تم سمجھنا کہ تم کسی تناور درخت کی چھاؤں میں کھڑی ہو کسی مضبوط قلعے میں محفوظ ہو جہاں سرد اور گرم ہواؤں کا گزر نہیں ہوتا۔ تم

طوائف تھی تو کیا ہوا تم ایک عورت بھی تو ہو ایک انسان بھی تو ہو یہی جان کر میں نے تم پر اعتماد کیا ہے میرے اس اعتماد کا بھرم رکھنا بیٹی۔

چوہدری صاحب۔

زری کچھ کہنے لگی تو چوہدری حشمت نے اسے روک دیا اور کہا۔

چوہدری نہیں باپ کہو۔

زری بولی۔ بابا جانی۔ آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ میں مر کر بھی نہیں بھولوں گی آپ ایک عظیم انسان ہیں میں آپ کی اس عظمت کے نشان! ان کے بعد بھی میرے سینے میں نقش رہیں گے زری کا سر اس عظیم انسان کے آگے جھک گیا تھا۔

زری نے جب رمضان کو بتایا کہ چوہدری حشمت نے مجھے اس گھر کی بہو تسلیم کر لیا ہے تو پہلی بار رمضان کے ضمیر نے اسے ملامت کی اور وہ اپنے آپ سے نادم ہو گیا اس روز اسے احساس ہوا کہ اس کا باپ اس کا دشمن نہیں ہے دوست ہے اور اس دنیا کا عظیم انسان ہے وہ اپنے باپ کے قدموں میں گر گیا اور اس سے اپنی سابقہ غلطیوں اور نادانیوں کی معافی مانگی چوہدری حشمت نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا یوں سب دکھ اور غم ڈھل گئے اور حویلی میں رونقیں لوٹ آئیں۔

دو دن بعد رمضان اور زری کی شادی کے سلسلہ میں دعوت ولیمہ کا انعقاد کیا گیا ہزاروں لوگ موجود تھے لوگ دور دراز کے دیہاتوں سے بھی آئے تھے وہ سب کے سب حیران تھے کہ انہیں تو رمضان کی شادی کی خبر ہی نہ تھی ہی بارات کہیں گئی نہ کہیں سے ڈولی اٹھی تو پھر دعوت ولیمہ کیسی۔ چوہدری نے خود ہی ان لوگوں کے سوالات کا جواب دے دیا اور انہیں رمضان کے بھٹک جانے

زری کی حقیقت اور اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا تمام لوگ چوہدری حشمت کے اس فیصلہ کو فراخدلی اور انسان دوستی پر دنگ رہ گئے۔ اسی موقع پر چوہدری حشمت نے ایک اور فیصلہ کا اعلان کیا کہ جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار اس کا بیٹا ہے اس نے برائی پھیلانا چاہی مگر یں نے اس کو بھلائی میں بدل دیا اب وہ اپنے کرتوتوں پر نادم ہے اور آئندہ کے لیے اچھی سوچ اور کردار ادا کرنے کا عہد کر چکا ہے لیکن پھر بھی میں اس کو اس کے جرم کی سزا ضرور دوں گا اور اسے اس سزا کو قبول کرنا ہوگا۔ میرا یہ فیصلہ اور حکم ہے کہ میرے اس دنیا سے جانے کے بعد میری جگہ رمضان نہیں بلکہ زری لے گی اور مجھے امید ہے کہ وہ میرے نقش قدم کی پیروی کرے گی کسی نے بھی چوہدری کے اس فیصلہ سے اختلاف نہیں کیا لیکن بعد میں لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے کچھ لوگ تو چوہدری کے اس فیصلہ کی تائید کر رہے تھے اور کئی تنقید کر رہے تھے مگر چوہدری کے سامنے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ تھی ادھر زری بہت ہی مسرور تھی کہ اس نے ماضی میں جتنے دکھ اٹھائے تھے آج اس کو ان سے بڑھ کر خوشیاں مل رہی تھیں چوہدری حشمت نے جو فیصلہ کیا تھا جو ذمہ داری اس پر ڈالی تھی وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی مگر پھر بھی اس نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ چوہدری کی آن اور شان میں کمی نہیں آنے دے گی۔

وقت اپنی چال چلتا رہا کئی سال گزر گئے مہربان کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہے زندہ ہے یا مر گیا ہے مگر رمضان راہ راست پر آ گیا تھا اور حویلی کے اندر امن اور خلوص کی فراوانی تھی رمضان کی والدہ تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھی اور پھر ایک دن چوہدری حشمت بھی اس دنیا سے چل بسا

جس روز چوہدری حشمت کا انتقال ہوا اس روز پورے علاقے میں صف ماتم بچھ گئی تھی ہر آنکھ اشک بار تھی لوگ کہتے تھے کہ آج چوہدری حشمت کو موت نہیں آئی بلکہ امن سکھ سکون اور انصاف کی موت واقع ہوئی ہے۔لوگوں کی نظریں اب حویلی پر لگی تھیں کہ اب کیا ہوگا کیا زری چوہدری حشمت کی جگہ لے سکے گی کیونکہ اب اس نے ہی حویلی کا نظام سنبھالنا تھا کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ زری ایک عورت ہے اور اس کا ماضی بھی داغدار ہے اس لیے وہ بہت جلد ہمت ہار جائے گی اور وہ کوئی بھی پائیدار فیصلہ نہ کرسکے گی انصاف کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔مگر ایسا نہ ہوا زری گاؤں کی چوہدرائن بن گئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس پر بڑی بھاری ذمہ داریاں آن پڑی ہیں اسے چوہدری حشمت کی موت کا بے حد دکھ تھا کیونکہ اس کو انکا بہت آسرا تھا۔اب وہ ہر معاملہ میں سنجیدہ ہوگئی تھی اور اب وہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں بھی بن چکی تھی انکی ذمہ داریاں بھی اس نے ہی نبھانی تھیں۔اس کی سب سے بڑی آرزو چوہدری کے نقش قدم پر چلنا تھا اس کی بھی بھی خواہش ہوتی تھی وہ چاہتی تھی کہ وہ ہر ذمہ داری رمضان کو سونپ کر صرف حویلی کی ہو کر رہ جائے مگر وہ چوہدری حشمت کو قول دے چکی تھی اس لیے وہ اس کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے ہمت کی اور اپنے پروردگار کو حاضر ناظر جان کر یہ قسم کھائی کہ وہ چوہدری حشمت کا بنایا ہوا عظمت کا بت پاش پاش نہیں ہونے دے گی۔اور وہ مجرم ہونے کی صورت میں اپنے خون کو بھی معاف نہیں کرے گی۔

وقت گزرتا گیا اور زری چوہدرائن بن کر وقت کے ساتھ ساتھ چلتی رہی اس نے وہی کچھ کیا جس کی تربیت اسے چوہدری حشمت نے دی تھی اس نے چوہدری کا نام زندہ رکھا اور کسی حق اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا لوگوں نے اسے تسلیم کیا کہ زری نے عورت ہو کر بھی وہ کام کیا ہے کہ اگر اس کی جگہ اس کا شوہر رمضان ہوتا تو وہ ایسا نہ کر پاتا۔

دس سال قبل رمضان کا بھی انتقال ہوگیا تھا انکی بیٹی آمنہ کی شادی انکی زندگی میں ہوگئی تھی انکا بیٹا منور صرف میٹرک تک ہی پڑھ سکا تھا اور اپنی جائیداد اور دیگر امور کی دیکھ بھال کرنے لگا برسوں قبل ہمارا گاؤں اتنا ترقی یافتہ نہ تھا مگر جب یہاں بجلی اور پانی کی سہولتیں میسر ہیں لڑکیوں کا ہائی سکول اور ڈاکخانہ بھی ہے بجلی آنے کی وجہ سے اب گھر گھر ٹی وی ہے ورنہ اس دور میں تو کسی کو ریڈیو بھی نصیب نہ ہوتا تھا اس لیے ہمارے بچے سادہ اور شریفانہ زندگی گزارا کرتے تھے مگر اب وی سی آر اور ٹی وی نے کسر پوری کردی ہے جس سے ہماری نوجوان نسل میں برائیاں جنم لے رہی ہیں ٹی وی۔وی سی آر اور بھارتی فلموں نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا ہے اب جدید دور ہے ہم خوش ہیں کہ ہم اپنے دور گاؤں میں رہ کر بھی جدید دور کی زندگی گزار رہے ہیں مگر یہ وہ ایک دھوکہ ہے جو ہم اپنے آپ کو دے رہے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں پرانے لوگ تو اب بھی پرانی روایات کو سینے سے لگائے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں مگر نئی نسل پرانی قدروں کو فراموش کر چکی ہے زری بھی پرانی اور اچھی روایات کی پاسدار رہی ہے اور اب بھی ہے مگر اس کا بیٹا نئی نسل کا نمائندہ ہے جو بے راہ روی کی منزل پر گامزن ہے۔

منور کچھ عرصہ تو شرافت کی زندگی گزارتا رہا ہے پھر دھیرے دھیرے وہ بھی ان راہوں پر چل

پڑا جن پر اس کا باپ چلتا رہا تھا۔ زری کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو اس نے اسے بری طرح ڈانٹا۔ اور بے عزتی بھی کی منور کا جوان خون ایسی باتیں برداشت نہ کر سکا اور جب اسکے چاہنے والوں کو علم ہوا کہ ماں اور بیٹے میں کچھ رنجش ہوگئی ہے تو انہوں نے اس اختلاف کو اور بھی ہوا دی اور ماں اور بیٹے میں دوریاں پیدا کر دیں۔

منور گاؤں کے سکول میں پڑھانے والی ایک استانی بشریٰ کو بری نگاہوں سے دیکھتا تھا بشریٰ ایک نہایت ہی شریف لڑکی تھی عزت دار تھی اس لیے اس نے ایک بار منور کو جھڑک دیا اور اس کو خوب سنائیں منور کو اپنی بے عزتی کا بہت ہی دکھ ہوا اس نے قسم کھائی کہ وہ بشریٰ کا غرور خاک میں ملا کر دم لے گا۔ گذشتہ روز منور اپنے مکروہ مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے اس نے بشریٰ کو اغوا کر لیا ہے اور اس کا دامن داغدار کر ڈالا ہے بشریٰ نے چوہدرانی زری سے انصاف مانگا ہے آج اسی سلسلہ میں اعلان ہو رہا ہے آج پنچائت بیٹھے گی اور زری اپنا فیصلہ سنائے گی آج کا دن زری کے لیے امتحان کا دن ہے منور کا جرم تو ثابت ہو ہی چکا ہے اور ہر کوئی اسے ملامت کر رہا ہے اب دیکھتے ہیں زری اس امتحان میں کامیاب ہوتی ہے یا نہیں گاؤں والوں کی نگاہیں اب حویلی کی طرف اٹھی ہوئی ہیں حویلی میں عورتوں کے لیے علیحدہ جگہ مخصوص ہے تم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہو تو زاہدہ کے ساتھ حویلی چلی جانا۔ نانی جان نے پوری کہانی سنانے کے بعد کہا۔

میں زاہدہ کے ساتھ حویلی پہنچ گئی۔ میں نے بیگم زری کو دیکھا تو ایسے لگا جیسے اس کے چہرے پر نور برس رہا ہو اسکی عمر کافی ہو چکی تھی مگر اس کی صحت بہت ہی اچھی تھی پنچائیت نے اپنی کاروائی کا آغاز کیا منور کا جرم تو پہلے ہی ثابت ہو چکا تھا اور یہ بات منور نے بھی تسلیم کی تھی مگر اقرار جرم کے ساتھ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ اس کو کوئی سزا نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اسکی ماں اسے کوئی سزا سنائے گی۔ تمام حاضرین زری بیگم کے فیصلے کے منتظر تھے پھر زری نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ کہ وہ بشریٰ کو اپنی بہو بنائے گی اور نکاح کی رسم آج اور ابھی ہوگی۔

منور نے ماں کا فیصلہ تو تڑپ اٹھا اور کہا۔

ایسا نہیں ہو سکتا۔

مگر زری کا فیصلہ پتھر پر لکیر تھا منور کو بالآخر اپنی ماں کا ہی نہیں بلکہ چوہدرائن کا حکم بھی ماننا پڑا اور پھر بھری پنچائیت میں منور اور بشریٰ کا نکاح پڑھایا گیا زری نے اپنی شال اتاری اور بشریٰ کے اوپر ڈال دی اور اسے اپنی بہو بنا کر اس کے کمرے میں چھوڑ آئی۔ میں ہی نہیں سب حاضرین نے زری کے اس فیصلہ کو سراہا۔ اور کہا۔

زری بیگم آفرین ہے تم پر۔ ہر کوئی خوش تھا اور زری بیگم کی انصاف پروری کی تعریفیں کر رہا تھا میں جتنے دن وہاں رہی زری کے اس فیصلہ کی گونج سنتی رہی برسوں بیت گئے ہیں زری بیگم اب اس دنیا میں نہیں ہے مگر اس کے اس فیصلہ کی گونج مجھے اب بھی سنائی دیتی ہے کہ بشریٰ کو میں حویلی کی بہو بناؤں گی۔

کیسی لگی میری یہ کہانی اپنی رائے سے ضرور نوازئیے گا۔

وہ میرے ظاہر کو دیکھتے رہے بڑے غور سے
کوئی اندر سے جل گیا اور اسے خبر بھی نہ ہوئی
☆ .... محمد یٰسین نذر۔ راولپنڈی

عذاب محبت

تحریر۔ معاویہ عنبر۔ وٹو۔ آخری حصہ۔ 0345.8393210

شہزادہ بھائی۔ السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
قارئین میں نے بھی جواب عرض میں حاضری کے لیے اپنی ایک کہانی جس کا نام میں نے۔ عذاب محبت ۔رکھا ہے امید ہے سب قارئین کو پسند آئے گی یہ کہانی قسط وار ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے نوازئے گا میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ کہانی ایک سچے پیار کی بنا پر لکھی گئی ہے مجھے امید ہے کہ آپ سب قارئین اسے سراہے بغیر نہیں رہ سکیں گے اپنی دعاں میں یاد رکھنا۔ میں جواب عرض والوں کا بے حد مشکور رہوں گا کہ وہ میری حوصلہ افزائی کریں گے ادارہ جواب عرض سے گزارش ہے کہ وہ اس کہانی کو جلد ہی کسی قریب شمارے میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھ سے انگیج ہے اور اس کی ماں کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں ہی اس کی بیوی بنوں۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے الفاظ پر عنبرین کے لبوں پر ہمہ وقت رقص کرنے والی مسکراہٹ معدوم ہوگئی تھی بھی ایک لمحے کو رک کر وہ پھر گویا ہوئی تھی۔ میں جانتی ہوں عورت کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہو اس کا سب سے بڑا مسئلہ محبت کے معاملے میں کسی دوسری عورت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔

میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔

جی بالکل ٹھیک کہا۔

عنبرین اس کا مفہوم سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر پھر بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ تو کیا۔ میں تم سے بھیک لے سکتی ہوں۔ بڑا اچانک وار کیا تھا اس نے عنبرین ہکا بکا سی اس کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

وہاٹ۔۔

جی عنبرین میں تم سے کامران جیلانی کی بھیک مانگ رہی ہوں سنا ہے تم بہت سخی ہو کبھی کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ مگر میں بہت تکلیف میں ہوں تم دولت سے اس جیسے پچاس کامران جیلانی خرید سکتی ہو مگر میرے پاس تو اذیت ناک سوچوں کے عذاب سے چھٹکارے کا کوئی حل نہیں۔

وہ میری تو زندگی بھر کی پونجی ہے تم اس سے دستبردار ہو کر ہزار چیزوں سے دل بہلا سکتی ہو میں جانتی ہوں تم کوئی عام لڑکی نہیں ہو اسی لیے بجائے تمہیں اس شخص سے بدگمان کرنے میں اس کی محبت کا واسطہ دے کر تم سے اس کو بھیک میں مانگ رہی ہوں عنبرین میری خالہ مر جائیں گی اگر اس نے تمہیں پانے کی ضد نہ چھوڑی تو کیا اتنے سارے لوگوں کی تمناؤں پر چھری چلا کر تم اس شخص کے ساتھ بھی رہ سکو گی جو تم سے پہلے صرف اور صرف مجھ سے محبت کا دعوی دار تھا۔

قیامت کی گھڑی کیا ہوتی ہے کوئی اس وقت عنبرین سے پوچھتا عام سی لڑکی نہ ہونے کے جرم میں اس کے دل کو صلیب دی جا رہی تھی اور کتنے مزے کی بات تھی کہ اس نیے لیے استعمال بھی اسی کے ہاتھوں کو کیا جا رہا تھا۔

مہرین جیلانی اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی اور اندر سینے میں اس کا دل مچل مچل کو دہائی دے رہا تھا نہیں عنبرین عنبر مت آؤ اس لڑکی کی باتوں میں محبت ہر موسم میں دل پر دستک نہیں دیتی زندگی میں ملنے والا ہر شخص محبوب نہیں ہوتا کہ وہ اس کو کہ تم اس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو مگر اس نے دل کی آواز کو دبا دیا کوئی اس سے محبت۔ بھیک میں مانگ رہا تھا اور آج تک اس نے کبھی کسی سائل کو اپنے گھر کی دہلیز سے خالی ہاتھ رخصت نہیں کیا تھا صرا کامران جیلانی کی محبت کے سہارے وہ اپنے لیے آسودہ زندگی کا محل تعمیر نہیں کر سکتی تھی لہذہ اپنے سامنے بیٹھی اس لڑکی کے آنسوؤں سے ہار گئی تھی۔

انس او کے۔ جاؤ دے دیا تمہیں اپنا کامران جیلانی اور کچھ۔

کانچ کی سی آنکھوں میں فور کرب کا سمندر چھلک آیا تھا مہرین جیلنی اس کی سخاوت پر نم آنکھوں سے اس کی طرف آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلا تھا اس کا پلان فیل نہیں ہوا تھا لہذہ وہ اس کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی وہاں سے چلی گئی تھی اسے پورا یقین تھا کہ عنبرین اپنے کہے کی لاج رکھے گی اتنا تو جان ہی گئی تھی وہ اسے اور بالآخر ایسا ہی ہوا تھا اس نے مہرین جیلانی سے کہا کہ اپنا وعدہ ایفاء کر دیا تھا مگر اس کی زندگی سے نکل کر بھی صرف وہ ہی وہ تھی اس کی زندگی میں قدرت نے اس کا نصیب کامران جیلانی لکھ دیا تھا مگر اس ساتھ نے اسے کوئی خوشی نہیں دی تھی وہ سمجھتی تھی کہ مرد کی محبت صابن کا جھاگ ہوتی ہے ادھر ہی اور ادھر ختم ہو گئی مگر کامران جیلانی کے معاملے میں اس کی یہ سوچ غلط ثابت ہوئی تھی وہ شخص اسے کھو کر بھی اسی کے حصار میں جئے جا رہا تھا۔

عنبرین عنبر کا گفٹ کیا ٹیڈی بیئر اب بھی اس سے اپنی جان سے لگا کر رکھا ہوا تھا اس کی یادوں میں اب بھی عنبرین عنبر کی یادوں کے جگنوں رقص کرتے تھے اب بھی اس کی خوبصورت آنکھوں میں اسی کی شبیہ تھی کتنی کوشش کی تھی اس نے عنبرین عنبر کو اپنے اور کامران جیلانی کے درمیان سے نکالنے کی مگر تمام تر کوشش کے باوجود وہ خود ختم ہو گئی مگر اس زندگی جیسی لڑکی کو اس کے مقام سے ایک انچ بھی نہ ہلا پائی۔

اس روز برف بار خوب ہوئی تھی اس تصور تو گیا گمان بھی نہیں تھا کہ اتنے خرام موسم میں وہ ایک مرتبہ پھر عنبرین عنبر سے ٹکرا جائے گی کامران جیلانی بھی اس کے ساتھ ہی تھا دونوں اپنے بزنس کولیگ فاروق اقبال کی برتھ ڈے پارٹی سے واپس آ رہے تھے جب اچانک کامران جیلانی کی نگاہ سڑک کے اس پار اپنی گاڑی کے قریب کھڑی عنبرین عنبر پر جا پڑی تھی

ایک مدت بعد اسے اپنے سینے میں دل کے ہونے کا احساس ہوا تھا۔

گاڑی کا رخ کب اور کیسے اس کی طرف مڑ گیا شاید اسے خبر ہی نہ ہو سکی اپنی ہی الجھن میں گم عنبرین عنبر کی نگاہیں بھی اتنے سالوں کے بعد انہیں دیکھ کر تحیر سے پھیل گئی تھی کامران جیلنی اس سے کچھ ہی فاصلے پر گاڑی روک کر فوراً باہر آ گیا تھا۔

عنبرین تم یہاں۔۔

اس کے لہجے کی مسرت اور اشتیاق نے اسے پھر حیران کیا تھا۔

وہ مسکرانے کی کوشش میں محض لب پھیلا کر رہ گئی تھی۔

جی ابھی دو روز قبل آئی تھی تم دونوں یہاں کیسے

گھر چلیں پھر بات کرتے ہیں وہ ایک مرتبہ پھر مہرین جیلانی کو یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔اور یہ کتنی بڑی تکلیف تھی۔

نہیں نہیں کامران میری گاڑی یہاں برف میں پھنسی ہوئی شاید پنچر بھی ہوگئی ہے اب ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی۔وہ دامن بچا رہی تھی کامران جیلانی سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

او کے چلو پھر سہی آؤ ڈراپ کر دیتا ہوں تمہیں۔

بارہ سال پہلے کی طرح جمائی تھی اس پر پھر زور زبردستی سے کام نہیں لیا تھا اور وہ ایک مرتبہ پھر دکھ سے کٹ کر رہ گئی تھی راستے میں اس کے مطلوبہ شاپ پر اسے ڈراپ کرنے سے پہلے اس سے اس کا ایڈریس اور نمبر لینا نہیں بھولا تھا۔

اگلی صبح خاصی روشنی تھی مہرین کامران جیلانی کو بتائے بغیر ہی عنبرین کا ایڈریس ذہن نشین کر کے سرکاری گاڑی کے تھرو اس کے مقام تک پہنچ گئی محلوں میں رہنے والی شہزادی کی وہ جائے پناہ کتنی سادہ اور ویران تھی۔دستک پر ہی وہ بستر سے نکلی تھی۔

اسلام علیکم۔اسے حیرانی سے اپنی طرف تکتا پا کر سلام جھاڑتے ہوئے شاید اس نے خود کو چانے کی کوشش کی تھی۔

وعلیکم اسلام۔آؤ۔ایک مرتبہ پھر اسے تنہا اپنی دہلیز پر دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

کیسی ہو تم عنبرین اپنی نشست سنبھالنے کے بعد بہت نارمل لہجے میں اس نے پوچھا تھا جب وہ گویا ہوئی۔مالک کا احسان ہے مجھ پر تم سناؤ آج پھر کیسے آنا ہوا اب تو میرے پاس دان کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا اب کیا مانگنا چاہتی ہو تم۔

وہ واقعی سراپا پیر بدل گئی تھی مہرین جیلانی کو گہرے ملال نے گھیر لیا تھا۔

تم سے معافی مانگنے آئی ہوں عنبرین مجھے معاف کرسکو گی اس کے لہجے میں آزردگی تھی مہرین جیلانی نے جیلانی نے سر جھکا لیا اپنی بیوقوفی کی معافی میں کم ظرف تھی عنبرین مجھے قدرت کے اس فیصلے پر صبر کرنا موت کے مترادف لگتا تھا کہ کامران جیلانی کی زندگی تم سے منسوب ہوگئی میں اسے صرف خود پر مہربان دیکھنا چاہتی تھی مگر میری تقدیر نے مجھے زہر دیا وہ شخص جس سے مجھے بے پناہ محبت کو دعویٰ تھا وہ شخص کل بھی تمہارا تھا آج بھی تمہارا ہے اس کی زندگی سے نکل کر بھی اس کے ایک ایک پل میں موجود ہو عنبرین اور یہ میرے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ آج تمہیں غلط سمجھتا ہے کیونکہ میں نے تمہاری طرف سے اس کا دل خراب کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا تھا مگر تم سچائی جانتی ہو عنبرین بولتے بولتے اس کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر آئی تھیں عنبرین اس کے سامنے بیٹھی یک ٹک اسے دیکھی جا رہی تھی۔

بارہ سال قبل میں تمہارے پاس جس محبت کو بھیک میں مانگنے کے لیے آئی تھی آج اسی محبت کو واپس لوٹانے آئی ہوں عنبرین کیونکہ میں جان گئی ہوں محبت کبھی بھیک میں نہیں ملتی۔

پچھلے بارہ سال سے وہ خود غرضی کے لیے جس عذاب کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اس لمحے بالآخر وہ بوجھ اتار پھینکا تھا اب اسے ہر حال میں اپنی معافی کے ساتھ ساتھ عنبرین اور کامران جیلانی کی زندگی کا مکمل پن بھی مطلوب تھا اور پھر اس کی ضد اور واسطوں نے ایم مرتبہ عنبرین عنبر کو بے بس کر دیا تھا دسمبر کی وہ آخری شام تھی کامران تھکا ماندہ آفس سے گھر لوٹا تھا تو اسے سالوں بعد بہت محبت سے بنا ٹھنا دیکھ کر ٹھٹک گیا خیر تو ہے کہیں جانے کا موڈ ہے کیا۔ہاں کل نئے سال کی پہلی صبح ہے لہٰذا آج کی رات ہماری زندگی کی کتاب میں ایک نیا سال رقم کرے گی۔

ہر شوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی وہ قریب چلی آئی تھی تم بہت اچھے ہو کامران تم نے مجھے

سب کچھ دیا ہے جو میرے لیے تمہارے پاس تھا مگر میں نے۔۔۔ میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا کوئی ایک خوشی بھی تو نہیں دی عجیب دکھ بھرے لہجے میں وہ بولتی ہوئی کامران جیلانی کے گلے میں اپنی باہیں حمائل کر دی تھیں مجھے معاف کر دو کامران میں نے آج تک کبھی تمہیں نہیں بتایا کہ عنبرین اور میرے بیچ کیا بات ہوئی تھی جتنا پیار تم اس سے کرتے ہو اس سے زیادہ وہ تم سے کرتی ہے اسی لیے جب میں نے رو کر اس سے تمہارا ساتھ بھیک میں مانگا تو اس نے خود کو قربان کر دیا مگر آج تک کسی اور کے نام سے منسوب نہیں ہوئی اس سے منسلک تمام کہانی میرے اپنے دماغ کا کارنامہ تھا مگر اب میں تھک گئی ہوں نادانستگی میں شاید تمہارے ساتھ ساتھ میں نے اپنے اور عنبرین کے ساتھ بھی بہت ظلم کیا ہے کیا تم اس کے لیے مجھے معاف کر سکتے ہو کامران کیسی کسک تھی اس کے لہجے میں وہ لمحوں میں آسمان سے زمین پر آ گرا تھا اور وہ اب سکون سے اپنا سر اس کے سینے پر ٹکائے ہوئے پلکیں موند رہی تھی۔

میرا جرم بہت بڑا ہے مگر جو تحفہ میں تمہیں آج رات دینے والی ہوں وہ میرے جرم سے بہت بڑا ہے پھر تو معاف کر دو گے ناں تم مجھ کو۔۔۔

ایک اور جھٹکا آج وہ لڑکی اس کا دماغ پوری طرح گھمانے کا تہیہ کر چکی تھی۔

گفٹ مگر کون سا۔

اسے خود سے الگ کر کے خاصے شکستہ لہجے میں اس نے پوچھا تھا جواب میں وہ نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے اور کامران کے مشترکہ بیڈ روم کی طرف لے آئی تھی مگر اس سے قبل کہ کامران جیلانی اس سے پوچھتا۔

اس نے آہستہ سے بیڈ روم کا دروازہ وا کر دیا اندر زندگی عنبرین عنبرا اپنے روپ میں تمام تر دلکش رنگوں کے ساتھ اس کی منتظر تھی جاؤ کامران یہی سرمی طرف سے تمہارے لیے نئی زندگی کا نئے سال کا آغاز پر تحفہ ہے۔

کس ضبط سے کہتی ہوا سے کمرے میں پہنچا کر اس سے اپنا ہاتھ چھڑا چکی تھی۔

بارہ سال قبل کسی نے اپنے خواب میرے سپرد کر کے بڑا احسان کیا تھا مجھ پر آج میں اسی احسان کا بدلہ چکا رہی ہوں اس سوچ سے بے نیاز ہو کر تم تقسیم ہو جاؤ گے تو تکلیف ہو گی کچھ لوگوں کی قسمت میں محبت شاید ایسے ہی عذاب لکھ دیتی ہے۔

اس نے دل میں سوچا ضرور تھا مگر کامران جیلانی سے کہا نہیں تھا اور پھر بے حد حیرانی و شش و پنج میں الجھے ہوئے کامرانی جیلانی نے یونہی دہلیز کو چھوڑا اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازہ باہر سے بند کر دیا کہ آج اسے اپنے حصے کے آنسوؤں سے نفع نقصان کا ایک نیا باب رقم کرنا تھا۔

بارش کی بوندیں برف کے گالے
شبنم کے قطرے تمہارے لیے ہیں
میری جان میری سانسیں
میری دھڑکن میرے ذہن کی زرخیزیاں
میرے لہو میں موجود روشنیاں
تمہارے لیے ہیں
مگر تمہاری کوئی چیز میری نہیں ہے
اسی لیے میں تمہیں دیکھ تو سکتا ہوں
مگر چھو نہیں سکتا۔

امن کی تلاش
فاختہ بھی تھی ناداں پاگل تھی
موسموں کی سازشی باتوں میں
فریب کھا بیٹھی تھی
شکاری کی راہ گزر میں گھونسلہ بنا بیٹھی تھی

معاویہ عنبر۔ وٹو

محبت کا دوزخ

تحریر۔ سراج اللہ۔ خٹک۔ 0313.9802103

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
قارئین میں نے بھی جواب عرض میں حاضری کے لیے اپنی ایک کہانی جس کا نام میں نے۔ محبت کا دوزخ رکھا ہے امید ہے سب قارئین کو پسند آئے گی یہ کہانی قسط وار ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے نوازئے گا میں اس کو لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ کہانی ایک سچے پیار کی بنا پر لکھی گئی ہے مجھے امید ہے کہ آپ سب قارئین اسے سراہے بغیر نہیں رہ سکیں گے اپنی دعاں میں یاد رکھنا۔ میں جواب عرض والوں کا بے حد مشکور رہوں گا کہ وہ میری حوصلہ افزائی کریں گے ادارہ جواب عرض سے گزارش ہے کہ وہ اس کہانی کو جلد ہی کسی قریب شمارے میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کردیے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

سراج اینڈ زیبا۔
کردار ابی انکل پر اس ناچیز کو بھولنا مت۔ بابا بیٹا میرا گلہ خراب ہے زیادہ بول نہیں سکتا۔ خدا خیر کرے ہم سب آپ کے لیے دعا کریں گے کہ اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے، ہاں بیٹا دعاؤں میں یاد رکھنا۔ ضرور انکل جی اللہ حافظ۔
قارئین یہ تھی میری اور انکل شہزادہ عالمگیر کی بات جو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا کئی دفع بات ہوئی لیکن یہ آخری بات تھی۔
سٹوری کی طرف واپس آتے ہیں میں پتھروں پر بیٹھا ہوا آنسو بہا رہا تھا کہ زیبا کی پھر سے کال آ گئی کیوں کا ٹا ہے سراج اب جب ہو گیا ہے وہ ختم تو نہیں ہو سکتا میرے منہ میں پورے جہاں کی باتیں تھی پر صرف اتنا کہہ پایا تھا کہ ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ اور کال کٹ گئی۔
آج مجھے ایسا لگا کہ یار زندگی میں کچھ پایا ہے ایسی چیزیں دور تک نہیں تھی پھر آج صرف اس نے ایک سم بند کر دی دل بھی بند ھا جا رہا تھا مجھے الٹیاں آرہی تھی دل بھرا بھرا سا تھا کہ خالی ہو جائے اور دل کا بوجھ تھوڑا سا ہلکا ہو جائے کوئی میٹھی چیز بھی نہیں تھی کہ کھا کر دل بھرتا بھرتا اور الٹیاں تو آنا بند ہوتی پیارے میں ایک بات بتانا بھول گیا تھا کہ جب میں زیبا سے رات کو باتیں کی تھی وہ باتیں امی نے بھی سن لی تھی حالانکہ اردو تو اسے کچھ نہیں آتی لیکن وہ رونا دھونا تو سن لیا تھا دو پہر کے وقت امی نے کہا کہ کیوں بھائی دن کو تا ئم نہیں ہوتا کہ اب رات کو دو بجے تک بات کرتے ہو زندگی میں امی کی یہ باتیں کچھ اس انداز سے امی کہہ رہی تھی جس کا مطلب رونا دھونا تو امی نے سب کچھ سن لیا تھا۔
میرا تو دل ہی بیٹھنے لگا لیکن چہرے کو سپاٹ ہی رکھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائے الٹا تیز دم ہو گیا کہ تو کیوں جب گرل فرینڈ رات کو کال کرتی ہے تو بات

نہیں کرتے کیا ویسے ہی لڑکیوں کے ساتھ رات کو ہی لوٹ باتیں کرتے ہیں وہ ہنسنے لگی کہا کہ اگر ابو نے سن لیا تو کیا ہوتا ویسے بھی رات کو لائٹ نہیں ہوتی۔ کیوں امی یار اسے بھی تو پتہ چلنا چاہئے کہ میرا بیٹا بھی پیار کر سکتا ہے میں زور زور سے ہنسا امی بھی ہنسنے لگی ساتھ کھڑے بڑے بھائی نے چپل ماری بے شرم شرم نہیں آتی بڑا بھائی سامنے کھڑا ہوا ہے اور تو ایسی باتیں کر رہا ہے۔ ارے چپ تجھے کیوں نہیں آتی رات کو موبائل لوٹ آف کر کے رکھتے ہیں تیرا تو تھا تیرے ہی موبائل سے بات کی تھی اگر تیرا موبائل نہ ہوتا تو مسئلہ ہی نہ ہوتا میرے موبائل کی تو چارجنگ ختم تھی ہاہاہا۔ وہ میرے پیچھے بھاگا اور باہر کی طرف بھاگ گیا تھا ویسے میں سب بھائیوں میں سے اس بھائی سے تو کچھ زیادہ ہی فری تھا۔

فکس ہیں مارچ کو زیبا کی کال تھی دوستوں کے ساتھ کام جا رہا تھا دوستوں کو سائیڈ پر ہونا پڑا ہاں زیبو میری جان بولو کیا ہوا ہے شادی مبارک سہاگ رات مبارک خیر مبارک میری جان آپ کیسے ہو میری چھوڑو ہم تو ٹھہرے اجنبی آپ بتاؤ کیسے گئی سہاگ رات ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ دن دیکھنے کی آپ کی تو پوری ہوگئی کیا گفٹ ملا۔

واہ گفٹ تو کوئی نہیں مگر موٹا ملا۔ ہاہاہا میں زور زور سے ہنسا۔

سراج آپ کو مذاق لگ رہا ہے وہ سیریس ہو کے بولی ارے یار مذاق نہیں مذاق ترین لگ رہا ہے خود ہی بولا آپ نے میں نے موٹو کے بارے میں تھوڑا پوچھا ہے خیر چھوڑو گھر آ گئی ہو۔

ہاں یار آ گئی ہوں تبھی تو کال کی ہے امی کی آئی ہے شادی کیسی رہی ہنسنے لگی اللہ معاف کرے میں تو کہتی ہوں کہ کوئی بھی لڑکی شادی نہ کرے کیوں کہ بس ہے تقریبا آدھا گھنٹہ بات ہوئی پھر کال کٹ گئی آج تک مجھے زیبا پر مکمل بھروسہ تھا۔ اور ہونا بھی چاہئے تھا

کیونکہ میں دل سے اسے چاہتا تھا پتہ نہیں آگے ہونے والا کیا تھا کچھ پتہ نہیں یہ سوچکر آگے چل دیا اور دوستوں کے ساتھ مل گیا۔

قارئین شاید آپ کو یاد ہو کہ پاکستان اور انڈیا کا میچ تھا ایشیا کپ کا انیس فروری غالبا یہی ہوا زیبو کے امی کے نمبر سے کال آئی وہ اتنی اونچی آواز میں رو رہی تھی کہ میرا تو دن ہی نکل گیا تھا اتنی ہی اونچی آواز میں رو کر کہنے لگی سراج میرے میاں فوت ہو گئے ہیں سلیم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے رو کر بات ساری میری کوئی سنے بغیر ہی کال کاٹ دی۔

پھر کئی دفع ٹرائی کی مگر نمبر بزی پھر میں نے بھی چھوڑ دیا میرا دل پہلے والی پوزیشن پر آ گیا تھا اف خدایا میں کیا کروں اس کے پاس جاؤں جاؤں بھی تو جا کر کیا کروں گا کیا میرے ساتھ ہو گیا ہے پہلے پیار ٹوٹ کر چاہا مطلب گردن تو ڑ پیار جس کو کہتے ہیں پھر اس کی شادی۔ دل ٹوٹ گیا پھر اس کے میاں کا مرنا مطلب مجھ پر ہی آنے والی تھی مجھے ایسا لگ رہا تھا پھر دل توڑ کر دل کا ڈوبنا۔

صبح امی کو بتایا کہ اس سے زیبو کی میاں کی دو تھ ہو گئی ہے ایک مہینہ پہلے شادی ہوئی تھی امی کی تو آنکھوں سے آنسو آ گئے کہ ابھی تو مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں ہوا ہو گا اف اللہ ہائے سراج ایسا دن کسی کو نہ دکھائے۔

قارئین میں نے ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے مگر وہ اس کا اونچی آواز میں رونا اور پیچھے سے شور کچھ تو گڑ بڑ ہے اس کے بعد زیبا کا اتا پتا سب غائب کچھ بھی پتا نہیں کہاں ہے ایک ماہ بعد ایک انجانے نمبر سے کال آئی لائف تو ہوئی ہی بزی تھی پھر ایسی بزی لائف میں زیبا کی مجھے کال کرنے کا یقین نہ تھا کال اٹینڈ کی ہیلو۔ اسلام علیکم۔ جی وا علیکم اسلام سراج میری جان کیا حال ہے۔

میں ٹھیک ہوں زیبو آپ ہاں میں کیسے ہو سراج

میری جان۔ قارئین تقریباً آج تک یعنی تین سال کی ریلیشن میں میں نے زیبو کو اتنا بے حس محسوس نہیں کیا تھا جتنا آج بالکل ٹوٹ کر پھوٹ کر بول رہی تھی میں تو ہر دم اس کے لیے تیار تھا پھر وہ ہی نہیں مان رہی تھی۔

ہاں زیبو بولو یہ کس کا نمبر ہے بھائی کا ان سے کہا کہ اپنی دوست کو کال کرنی ہے زیبا آپ بند کرو میں کرتا ہوں میں نے بیک کال کی تو بیلنس ہی نہ تھا او شٹ کیونکہ ہم کرکٹ کے میچ کی طرف جا رہے تھے اس لیے دوست اور کزن ساتھ ساتھ تھے کزن سے موبائل لیا اسے کال کی تو ہاں زیبو میں سراج آج زیبو اتنے دن بعد کیسے یاد کیا وہ ایک دم رونے لگی سراج میری جان کتنے دنوں سال ہو گئے آپ سے بات نہیں کی سراج میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اچھا زیبو گل میری گلاب جان بات سنو ابھی پلیز رونے کے موڈ میں نہیں ہوں سارے دوست اور کزن دیکھ رہے ہیں دیکھ کیا ساتھ ہی چل رہے ہیں کچھ ایسا نہ بولنا کہ مجھے روکنا مشکل ہو جائے کیونکہ آپ کو پتا ہے کہ آپ کی تھوڑی سی تکلیف بڑے سے بڑے سراج کو ختم کر دیتی ہے تو پلیز ریلیکس ہو کر بات کرو سراج ایک دن میں بھی انگلش سیکھ کر آپ سے بات کیا کروں گی اچھا یہ ہوئی ناں بات تھوڑا مائنڈ چینج کرو خود کو ریلیکس کرواس طرح ہوتی رہی میرے دل کو تھوڑا سا حوصلہ ہوا کہ زیبا نے کم سے کم یاد تو رکھا ہے چلو اسی بہانے اس کے گھر کے سارے نمبر بھی میرے پاس آ گئے تھے جو آج آیا تھا یہ بھی میرے پاس سیو ہو گیا تھا۔ پیارے قارئین جدائی کے دن بڑھ گئے تھے روٹین کی باتیں اگر لکھنا شروع کر دوں تو کہانی لکھنا مشکل ہو جائے گی اسلیے خاص خاص ہی لکھیں پھر جو کچھ ہوا ہے وہ ہی بیان کروں گا۔

قارئین یہ بات میں بار بار لکھ رہا ہوں کہ کہانی لکھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا بالکل سچی کہانی ہے ورنہ مجھے تو خوش ہو جانا چاہیے تھا کہ اپنے ڈائجسٹ کے لیے کچھ تو لکھ رہا ہوں میں تو بس اپنا وعدہ پورا کر ہوں جو زیبا سے کیا تھا کہ زیبو اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنی اور آپ کی سٹوری لکھوں جواب عرض میں اس نے کہا ہاں ضرور لکھنا پھر میں نے کہا ٹائم نہیں ہے اس نے کہا کہ دوسروں کے لیے ٹائم ہے اور جب اپنی باری آئی تو ٹائم ہی نہیں ہے۔

میں نے کہا نہیں نہیں جانوں ایسی بات نہیں ہے سٹوری تو میں لکھ کر ہی رہوں گا میری جان کے ساتھ اپنی گزری ہوئی تمام یادیں اپنے جواب عرض کے دوستوں کے ساتھ شیئر کروں گا اور ایسی باتیں لکھوں گا کہ آپ کو یقین ہو جائے گا اچھا ایسی ہی کیا باتیں ہے جو مجھے نہیں پتا چھوڑو زیبو کہانی پڑھو گے تو پتہ چلے گا۔

قارئین میں بتا دوں کہ زیبا سے میری آخری بار بات چھبیس دسمبر کو ہوئی تھی اس کے بعد آج تک مجھے پتا نہیں وہ کہاں ہے کیا ہے اور کیا ہو گیا ہے کہانی پڑھ کر آپ کو میری باتیں سمجھ میں آ جائیں گی اب مجھے فکس ڈیٹ نہیں معلوم دو ہزار بارہ میں رمضان کا مہینہ تھا زیبا کبھی کبھار ایک دو جاز کے نمبر سے چپکے سے فون کرتی تھی تو رمضان کے مہینے میں اس نمبر سے مجھے بار بار مسڈ کالز آتی تھی میں فون کرتا تو کوئی بولتا ہی نہیں تھا مجھے کچھ شک پڑا کہ زیبا کی کزن ہو گی شاہجو ایک رات کے وقت زیبا کے ساتھ ایک زیبا نے مجھے کال کی تھی رات کا ٹائم تھا میں نے بیک کال کی زیبا سے باتیں ہوئی ایسی کہ اچانک اس نے کہا مجھ سے نہیں کسی اور سے ہاں مل گئی میں نے کہا کون ہے اس نے کہا کہ کزن اور اس سے کیا بات ہوئی میں نے ہاں کل مل گئی مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا کہ زیبا آج لگا کہ آپ نے کہا شاہ میری بڑی دشمن ہے میری امی ابو بھی کہتے ہیں کہ یہ لڑکی ہماری بیٹی کو خراب کر دے گی اور آج زیبا اس کے سامنے بات کر رہی تھی کچھ غلط فیل ہوا مجھے میں نے کہا کہ اگر اس نے کسی کو بتا دیا تو

نہیں بتائے گی کیونکہ وہ بھی تو ہزاروں لڑکوں سے بات کرتی ہے ان سے لوڈ مانگتی ہے چلو چھوڑو لیکن آج لگا زیبا نے مجھ سے کچھ بھی نہیں مانگا جسٹ باتیں تو کرتی ہے خیر باتیں ہوتی رہی زندگی میں پہلی بار میں نے زیبا سے کہا کہ آپ کی آواز کی طرح نہیں اچھا میری آواز تھی لیکن زیبا لگتا ہے کہ تم ہو لیکن آواز تمہاری نہیں۔ ہاہاہا۔ وہ ہنسنے لگی کہ چلو اتنا تو یقین ہوا ہے کہ میری جان کو تو زیبا ہے ہاں یہ یقین ہے میں نے کہا زیبا بیلنس رکھتا نہیں بات نہیں ہوسکتی صرف دو منٹ بات ہوسکتی ہے اس نے کہا ٹھیک دو منٹ ہی سہی پر گزارہ ہو جائے گا لیکن پھر تھوڑا غلط فیل ہوا کہ اگر وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتی ہے تو وہ بیک کال کرتی قارئین سٹوری مجھ سے اور نہیں لکھی جا رہی اینڈ کر رہا ہوں اینڈ کرنے کے لیے فلش بیک میں جانا پڑے گا وہ ایسے کہ زیبا کے شادی کے کچھ دن بعد زیبا نے مجھے ایک نئے نمبر سے جاز سے مسڈ کال کی میں نے بنا سوچے سمجھے بیک کال کی آگے سے زیبا ہی تھی میں جھوٹ موٹ کہا کہ کون اس نے کہا اب ہمیں پہچاننے سے انکار کر رہے ہو کیا میں نے کہا پتہ ہو تو کہوں گا ناں اچھا زیبا ہوں۔

او ہو میں نے جھوٹ موٹ کہا کہ زیبا تم اور کیسے مجھے کال کی چلو چھوڑو کہاں ہو۔

اسلام آباد آئی ہوں اچھا اسلام آباد آئی ہو اور مجھے بتایا بھی نہیں کہ میں آجاتا آپ سے ملنے یار مجھے کیا پتا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور آپ کون سی جگہ پر آنا ہے خیر چھوڑو کل صبح ہم نو بجے واپس جائیں گے اچھا خیر تو تھی کیوں آئی تھی کسی فون کے لیے آئی تھی جانو۔

اوہو مائی ڈیئر ہنی مون کے لیے سلیم کدھر ہے وہ ساتھ نہیں آیا صرف خالہ اور آنٹی ہیں اور بے تیری یہ کیا ہنی مون ہے جس میں خالہ کے ساتھ اور مونو سلیم کا کچھ پتا نہیں ہاہاہا دل میں ہی ہنس دیا پھر کچھ دیر بعد کال اینڈ ہوئی دل میں افسوس ہوا کہ وہ اسلام آباد تک آئی ہے اور میں مل نہیں پایا خیر چھوڑو زیبا کا پکڑا گیا ہنی مون وہ بھی خالہ کے ساتھ ہاہاہا میں ایک بار پھر ہنسا۔

قارئین آپ کو میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ پہلے والی جاز سم ابھی بھی میرے پاس ہے تو ایک دن اس کے شوہر سلیم نے یوفون نمبر سے کال کی کہ میں سرگودھا سے بول رہا ہوں سلیم میرا نام ہے اور یہ میری سم ہے آپ کے پاس کیسے آئی کس نے دی یا کسی دکان سے لی میں نے کہا بھائی میں پشاور سے بات کر رہا ہوں آپ کو عقل ہے کہ نہیں ایک دفعہ بولا نہ کہ شاپ سے لی تھی اچھا اس نے فون کاٹ دیا۔

اب اس بہانے سے میرے پاس مزید دو نمبر مطلب ایک یوفون کا بھی جاز کا بھی ہر نیٹ ورک کے نمبر میرے پاس آگئے اسلام آباد سے جس نمبر سے اس نے کال کی تھی جاز نمبر میرے پاس کافی کام آسکتا تھا سوچا یہ تھا کہ اس نمبر والی لڑکی سے دوستی کروں گا تو زیبا تک پہنچنے میں کافی آسانی ہو جائے گی مطلب اس کی تصویر ہی مل جائے بڑی بات ہے کیونکہ جس لڑکی کے لیے میں آج تک ذلیل ہوا اسے آج تک دیکھا بھی نہیں تھا۔

قارئین کیسی لگی میری اپنی آپ بیتی مجھے آپ کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا امید ہے سب کو پسند آئے اور سب میری حوصلہ افزائی کریں گے اس میں سب نام مقامات فرضی ہیں اور یہ میری اپنی کہانی ہے میں نے جس سے پیار کیا اس کو دیکھا نہیں دعا ہے کہ ایک بار اپنی زیبا کو دیکھ لوں اور دل کو سکون ہو جائے گا کہ میں بھی کسی لڑکی سے پیار کرتا تھا کرتا ہوں اور اسی سے کرتا رہوں گا وہ مجھے ملے نہ ملے میرا پہلا پیار اور آخری پیار وہی ہے وہ جہاں بھی ہو جیسے بھی ہو میری محبت ہے میری چاہت ہے میرا پیار ہے میری ساری دعائیں اس کے لیے ہیں زیبا اگر کہانی پڑھ رہی ہو تو رابطہ ضرور کرنا کہ کیسی ہو کہاں ہو کس حال میں ہو۔

پردیسی محبت

تحریر۔ پرنس مظفر شاہ۔ پشاور۔ 0301.8897403

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں ایک نئی کہانی آپ بیتی لے کر حاضر ہوا ہوں امید ہے آپ بندہ ناچیز کی کہانی کو کسی قریبی اشاعت میں جگہ دیں گے کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پرانے رائٹر ہیں اور پورے سال میں ایک آدھ کہانی لکھتے ہیں تو دوستو ایک سال میں صرف ایک کہانی لکھ سکتا ہوں زیادہ نہیں کیوں کہ میں بہت مصروف رہتا ہوں البتہ ہر ماہ شمارے میں حاضری دیتا ہوں اور سب کی کہانیوں پر تبصرہ کرتا ہوں امید ہے آپ ناراض نہیں ہوں گے اور یہ بھی امید ہے کہ میری کہانی سب کو پسند آئے گی میں نے اس کہانی کا نام پردیسی محبت رکھا ہے کیسی لگی یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیئے گا۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کردیئے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

میری چھٹی ختم ہو گئی تھی اور میں واپس بذریعہ ٹرین پشاور سے کوئٹہ جا رہا تھا وقت اس وقت اباسین ایکسپریس پشاور کوئٹہ جاتی تھی میں نے پشاور سے اپنے لیے برتھ اور ایک سیٹ بک کروائی اور ضروری سامان صابن تولیہ سرانہ بمعہ کپڑے اور کھانے پینے کے اشیاء اپنے ساتھ رکھ لیے اور جواب عرض کا شمارہ بھی میرے پاس تھا جو کہ میں اس لیے سفر میں میرا ساتھی تھا۔
شام چھ بجے ٹرین چل پڑی اور گھنٹہ ڈیڑھ میں نوشہرہ پہنچی وہاں دیکھا تو بہت زیادہ رش تھا چونکہ عید گزر گئی تھی لوگوں نے اپنے کاروبار اور نوکریوں پر جانا تھا میں بھی عید کی چھٹی آیا ہوا تھا اور واپس جا رہا تھا اس لیے رش زیادہ تھا پلک جھپکنے میں ہمارا ڈبہ بھر گیا تھا اور کہیں بھی جگہ نہیں رہی تھی۔
اس رش میں ایک بابا جس کی عمر پچاس سال ہو گی اس کے ساتھ ایک عورت دو بچے تھے سیٹوں کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے لیکن ان کو سیٹیں نہیں مل رہی تھیں چونکہ میں برتھ پر بیٹھا ہوا تھا اور میری سیٹ خالی تھی بابا نے خالی سیٹ دیکھی تو فوراً اس نے عورت کو خالی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود دوسری سیٹ تلاش میں دائیں بائیں دیکھنے لگا میں نے جب اس کی پریشانی دیکھی تو میں نے کہہ دیا کہ یہ سیٹ میری ہے آپ پریشان نہ ہوں آپ دونوں اسی ایک سیٹ پر گزارہ کریں اور بچے میرے ساتھ برتھ پر بٹھا دیں بابا میری بات سن کو کچھ مطمئن ہو گیا اور دونوں بچوں کو میرے ساتھ برتھ پر بٹھا دیا اس میں ایک لڑکی جس کی عمر دس سال اور ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً چھ سال ہو گی بابا نے دعائیں دیں اور ساتھ یہ کہہ کر عورت کے ساتھ بیٹھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جوانی نصیب کرے آپ نے ہماری مدد کی ہے جب ٹرین چلی تو میں نے

کلہاڑی سے بری طرح زخمی کر دیا چچا زمین پر گر گیا گھیے بستی کے لوگوں نے بچا کر ہسپتال پہنچا دیا تھا بعض لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ نہیں بچ سکتا مر جائے گا ڈر کی وجہ سے ابو کہیں چھپ گئے تھے جب کہ چچا کی بیوی لفٹی آنٹی کے تین بھائی ہمارے گھر میں گھس گئے ہمیں مارا پیٹا اور ابو کو ڈھونڈنے لگے کہہ رہے تھے کہ ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے کب تک چھپتا رہے گا۔

سردی کا موسم تھا میں بڑی بہن اور چھوٹا بھائی پوری رات روتے رہے تھے امی بھی روتی رہی تھی رات تقریباً چار بجے ابو آ گئے چار پانچ بکریاں تھی وہ کھول کر لے گئے تا کہ کسی کے حوالے کر دیں اور ہمیں بتایا کہ تیاری کر لو ادھر نہیں رہنا جانا ہے۔

آدھے گھنٹے تک ابو واپس آئے ہم نے سامان پیک کیا تھا ہم رات کو گھر سے نکل آئے تھے اور سیدھا نوشہرہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تھے وہاں سے ٹرین میں بیٹھ گئے ٹرین کراچی جا رہی تھی سندھ کے شہر سکھر میں ابو کا کوئی جاننے والا تھا ابو نے سکھر کے ٹکٹ لیے اور یوں ہم اگلے دن سکھر پہنچ گئے ادھر ہم اپنا ٹینٹ لگا کر اپنا گزر بسر شروع کیا تھا۔

ابو بہت محنتی تھے چند مہینوں میں ابو نے دوبارہ بکریاں لے لیں جو کہ میں چراتی تھی اور باقی زندگی کے ایام بھی معمول کے مطابق گزر رہے تھے اور یوں میں کئی سال کی ہو گئی تھی ہم ادھر رہ رہے تھے بڑی بہن جوانی میں قدم رکھ چکی تھی جبکہ میں بھی بارہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور بھائی کی عمر بھی دس سال تھی تو جس کی زمین میں ہم نے ٹینٹ لگایا تھا وہ زمین کسی سائیں کی تھی جو کہ میرا شوہر ہے۔

بخش سائیں کا لکڑیوں کا ٹال تھا اور وہ کبھی کبھی ابو کے ساتھ ہمارے ٹینٹ میں آ جاتا تھا ابو کی مالی مدد کرتے کرتے حتیٰ کہ ہمارا ہر طرح کا دھیان رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ہم سب نے کھانا کھایا تو ابو نے امی سے پوچھا۔

بیگم آج آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں وہ بخش سائیں ہے نا ٹال والے اس کی پہلی بیوی مر گئی ہے اور دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اس دن وہ ادھر ہی رہا تھا اس نے شازی کو دیکھا اور اس کو پسند کر لیا شازی میری بڑی بہن تھی وہ شازی سے شادی کرنا چاہتا تھا اس کے بدلے میں ہمارا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم ٹینٹ سے ایک اچھے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے اور ہم شہر والی جو کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے اس کے ٹال پر کام کریں گے۔

کافی سوچ بچار کے بعد امی ابو اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم یہ رشتہ دیں گے کیوں کہ ہمارا وہاں کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا اور امی ابو ٹینٹ کی زندگی سے بھی عاجز آ گئے تھے مزید یہ کہ اس وقت شازی کی عمر سولہ سال کی تھی اس رشتے سے اتنا فائدہ ضرور ہوا تھا کہ ابو اور بھائی کو روزگار مل گیا اور ہم کو ایک اچھا گھر آخر وہ دن بھی آیا جب شازی اور بخش سائیں کی شادی ہو گئی۔

بخش سائیں بہت اچھے انسان تھے شازی اس کے ساتھ بہت خوش اور ہماری خوشی بھی اس کی خوشی میں تھی کہ شازی ہمیں گھر سے ضروریات کی تمام چیزیں دیا کرتی تھی ہمیں کسی چیز کی فکر نہ تھی دن گزرتے رہے اور میں بھی جوان ہو گئی ابھی مجھے ہر چیز کی سمجھ آ گئی تھی اچھے برے انسان کی تمیز آ گئی تھی اور ہر چیز سے واقف ہو گئی تھی۔

ہمارے پڑوس میں زبیر نام کا ایک لڑکا تھا جو کہ کالج کو سٹوڈنٹ تھا شازی کے گھر جاتے ہوئے وہ مجھے اکثر راستے میں ملتا تھا مجھے دیکھ کر مسکراتا تھا مجھے بھی زبیر اچھا لگتا تھا اور زبیر تھا بھی بہت ہی خوبصورت ایک دن موقع پا کر اس نے مجھ سے پوچھ لیا کہ پلوشہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ سے شادی بھی کرنا چاہتا ہوں۔

میں بھی چاہتی تھی کہ زبیر سے میری شادی ہو

جائے کبھی کبھی میری زبیر سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی اور ہر ملاقات پر زبیر مجھے کہتا تھا کہ جلدی میرے گھر والے آپ کے مانگنے کے لیے آجائیں گے میں دل میں بہت خوش ہوتی تھی کہ مجھے میرے خوابوں کا شہزادہ ملنے والا ہے۔

انہیں دنوں میں شازی امید سے تھی ہمیں خوشی تھی کہ شازی اور بخش سائیں کے ہاں بچے ہوں لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ایک دن والدہ شازی کے گھر گئیں پتہ چلا کہ شازی ماں بننے والی ہے تقریبا رات بارہ بجے والدہ آئی رونا شروع کر دیا کہنے لگی۔

شازی اللہ کو پیاری ہو گئی ہے دوران زچگی اور اس کی بچی زندہ ہے۔

ہم سارے شازی کے گھر چلے گئے سائیں صاحب کا برا حال تھا ابو اور بھائی بھی اور ہم تھے اور محلے والے اور سائیں کے رشتہ دار سارے اکھٹے ہو گئے تھے ہر آنکھ نم تھی شازی کی موت پر اشکبار تھی صبح شازی بہن ادھر چلی گئی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا زندگی کے دن گزرتے رہے اور ہم تقریبا شازی کو بھول گئے تھے۔

میں بدستور زبیر سے ملتی رہی اور ہمارا پیار دن بدن بڑھتا رہا تھا میں زبیر کے پیار میں بالکل ہی پاگل ہو چکی تھی جب زبیر سے نہ ملتی تو مجھے کچھ ہو جاتا تھا زبیر کی بھی حالت میری طرح ہی تھی۔۔۔

ملے محسن ہم تو اتنا اسے کہہ دینا
بنا تیری محبت کے وہ بندہ جی نہیں سکتا

ایک دن میں زبیر سے مل کر واپس آرہی تھی کہ ماں نے بتایا کہ زبیدہ ہم نے تیرا رشتہ سائیں کو دے دیا ہے ابھی آپ گھر سے باہر نہیں جاؤ گی میں نے روتے ہوئے ماں سے کہا۔

ماں سائیں میرے والد کی عمر کا ہے میں ہرگز نہیں شادی کروں گی اس سے میں زبیر کو پسند کرتی ہوں۔

والدہ نے تفصیل سے بات کی۔ تیری بھانجی اس گھر میں ہے اور سائیں کی جائداد بھی ہے گھر بھی ہے تیرے بھائی اور باپ کا کاروبار بھی سائیں کی وجہ سے ہی چل رہا ہے اگر سائیں نے کسی جگہ شادی کی تو ہمارا کیا ہوگا

یہ ساری باتیں سن کر میں خاموش ہو گئی تھی۔اس شام زبیر کی امی آئی میرا رشتہ لینے جب اس کو معلوم ہوا کہ میں سائیں بخش کے نام ہو گئی ہوں تو وہ واپس چلی گئی اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر میری شادی ہو گئی زبیر کو جب پتہ چلا تو وہ دبئی چلا گیا اپنے چاچا کے ساتھ اور آج تک اس نے شادی نہیں کی ایک دفعہ پاکستان آیا تھا چھٹی گزار کر پھر واپس چلا گیا ابھی یہ بچے میرا ہے اور وہ بچی میری بھانجی ہے مزید سائیں بیمار ہیں کسی کام کاج کے نہیں اور گھر پر ہی رہتے ہیں۔

اسی اثناء میں ٹرین نے ہارن بجایا اور راولپنڈی اسٹیشن پر رکی بابا بھی اٹھا اور بچے بھی اٹھ گئے تھے باقی لوگ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے تھے میں نے بیگ سے پراٹھے نکالے کیوں کہ میں ساتھ گھر سے لیکر آیا تھا اور سب نے مل کر کھایا اس کے بعد چائے پی اور پھر سارے گپ شپ میں مصروف ہو گئے تقریبا ایک گھنٹہ بعد ٹرین پھر چل پڑی تھی۔

رات کا ٹائم تھا لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر سونے لگے جبکہ پلوشہ ایک بار پھر برتھ پر میرے سامنے آکر بیٹھ گئی تھی اور بچے اور بابا سو گئے تھے پلوشہ نے مجھ سے طرح طرح کے سوال کر ڈالے تھے اور میں بھی ہاں اوں ناں میں جواب دیتا گیا آخر کار پلوشہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

آپ تو بالکل ہی سادھے ہو آپ کو پتہ ہی نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔

میں بھی انجان ہی بن گیا تھا میں نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتی ہو۔

پلوشہ نے جواب دیا۔۔ پیار اور وہ بھی تیرے

جیسے مرد کا پیار جو مجھے تحفظ دے اور میرا ساتھ نبھائے میں سائیں بابا کو چھوڑ دوں گی۔ میں نے پلوشہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا جو کافی دیر سے اس نے پکڑا ہوا تھا اور کہا۔

ایسا نہیں ہو سکتا میں شادی شدہ ہوں اور آپ بھی شادی شدہ ہو ہم دونوں کا جوڑ نہیں ہے پلیز میں ایسا بندہ نہیں ہوں آپ میرے بارے میں اس طرح مت سوچیں۔

پلوشہ کہنے لگی۔ زبیر کے بعد آپ مجھے اچھے لگے ہو زبیر تو نہیں ملا لیکن میری جوانی یہ ترس گئی ہے سائیں بیچارہ بیمار ہے میں یہ جوانی کیسے گزاروں گی آپ خود ہی فیصلہ کریں میں کیا کروں۔

وہ ضد کرتی رہی اور میں انکار کرتا رہا تھا آخر کار ٹرین گوجرانوالہ سٹیشن پر رک گئی مجھے بھی موقع مل گیا تھا تمام لوگ اٹھ گئے تھے صبح کا ٹائم تھا میں نے نماز پڑھی پھر ناشتہ کیا اور سیدھا جا کر برتھ پر لیٹ گیا جبکہ سائیں بابا پلوشہ اور بچے بھی ناشتہ کرنے کے لیے ٹرین سے اتر گئے تھے۔ میں برتھ پر لیٹا ہوا سو گیا کیونکہ پوری رات سویا نہیں تھا جب اٹھا تو دن کے بارہ بج چکے تھے اور ٹرین اکاڑہ اور ساہیوال کے لگ بھگ جا رہی تھی میں کیا دیکھتا ہوں کہ ٹرین کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں تھی سائیں بابا اور پلوشہ اکٹھے بیٹھے تھے جبکہ بچے کھڑے تھے سائیں نے مجھے دیکھا تو خوش ہو گیا کہنے لگے۔

بھائی صاحب آپ اٹھ گئے ہیں ہم تو بہت تکلیف میں بیٹھے ہوئے تھے۔

میں فوراً برتھ پر سے نیچے اتر آیا اور ان چاروں کو کہا۔

آپ برتھ پر بیٹھ جائیں

وہ چاروں برتھ پر بیٹھ گئے میں بھی ساتھ بیٹھ گیا تھا اور باتوں باتوں میں پوچھا۔

کدھر سے آ رہے ہیں آپ۔

سائیں بابا نے بتایا جی پلوشہ کا تایا شہر میں رہتا تھا وہ فوت ہو گیا تھا ہم دونوں اور پلوشہ کے والدین ہم سارے سکھر سے آئے ہیں پانچ چھ دن ہو گئے تھے وہ دونوں ادھر ہی رہ گئے ہیں اور ہم واپس جا رہے ہیں وہ بھی دو چار دنوں بعد آ جائیں گے۔

مزید پلوشہ کہنے لگی۔ میں آپ کو بتانا ہی بھول گئی تھی کہ ہم تایا کی وفات پر ادھر آئے تھے جب ہم سکھر میں گئے تو کچھ عرصہ بعد والد صاحب نے رابطہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ چچا ٹھیک ہو گیا ہے اور شہر میں اپنے بیٹے کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں مزید پی ٹی سی ایل پر رابطہ ہوتا تھا لیکن آنا جانا نہیں تھا۔

ہم بہت دور تھے مختصر کہ ٹرین ملتان خانیوال اور بہاولپور سے ہوتے ہوئے رات بارہ بجے سکھر پہنچ گئی۔ سائیں اور بچوں کے ہوتے ہوئے بھی پلوشہ نے مجھے کئی بار چھیڑا لیکن میرا رویہ مثبت رہا اسٹیشن پر بچے ٹرین سے پہلے ہی اتر گئے تھے پھر سائیں بابا اتر گیا جبکہ پلوشہ ابھی بھی ڈبے میں تھی کہ پلوشہ نے اپنی بانہوں میں مجھے سمیٹا ان بانہوں کے حصار میں اپنے آپ کو پا کر کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا تھا پہاڑی حسن کی ملکہ مضبوط جسم خوبصورت جوانی سرشار پلوشہ کی بانہوں میں پل بھر کے لیے سب کچھ بھول گیا تھا۔

جی چاہتا تھا کہ پلوشہ مجھے اسی طرح ہی سینے سے لگائے رکھے اور یہ وقت ادھر ہی تھم جائے۔

اف کیا بس اس کے آگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا اور جیسے پلوشہ بھی کہتی ہے کہ۔

آج تمہاری نفرت پر بھی لٹا دی زندگی ہم نے
افسوس کہ اگر تم محبت کرتے تو سوچو ہم کیا کرتے۔۔۔۔

فوراً میرے ذہن میں یہ آیا کہ پرنس یہ کیا کر رہے ہو یہ تو شرعی لحاظ سے بھی جائز نہیں ہے ہم دونوں تو شادی شدہ ہیں اور غیر مرد اور عورت ہیں میں نے فوراً خود کو پلوشہ کی ان کے بانہوں کے حصار سے

آ ز ا د و گیا او ر ڈ بے سے اتر آیا پلوشہ بھی میرے پیچھے ہی اتر گئی۔ بابا نے میری بڑی منت سماجت کی کہا۔

آج رات ہمارے ہاں ٹھہر جاؤ

لیکن میں نے انکار کر دیا اور اپنی مجبوری بتا دی سائیں بابا نے مجھ سے پی ٹی سی ایل کا نمبر لیا اور میرا ماتھا چوما دعائیں دیں اور چل پڑا پلوشہ جو کہ ساتھ کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ نہ کہہ پائی تھی جاتے جاتے بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی جب وہ چلے گئے تو میں بھی بوجھل قدموں سے برتھ پر جا کر لیٹ گیا تھا اور سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ مجھے نیند آ گئی تھی جب آنکھ کھلی تو ٹرین سبی کراس کر کے کوئٹہ کی حدود میں داخل ہو گئی تھی اور گھنٹہ دو میں ٹرین کوئٹہ پہنچ گئی اور میں اپنی منزل مقصود پر پہنچا اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔

تین چار دنوں بعد گھر میں فون کیا تو گھر والوں نے بتایا کہ پلوشہ نامی عورت نے کئی بار فون کیا ہے آپ کا پوچھ رہی تھی ہم نے بتایا کہ وہ کوئٹہ اپنی نوکری پر چلا گیا ہے۔

میں نے دل میں سوچا کہ واقعی پلوشہ مجھ سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ مجھے نہیں بھول پائی چلو اسی طرح ہو گا وادی کوئٹہ میں اور اپنی نوکری میں کچھ اس طرح کھو گیا کہ کسی چیز کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تقریباً تین ماہ بعد جب گھر گیا تو ایک دن فون کے سی ایل آئی پر پلوشہ کا نمبر ڈھونڈا اور کال کی سائیں نے ریسیو کی تو کافی ساری باتوں کے بعد میں نے پلوشہ کا پوچھا سائیں نے بتایا۔

صاحب پلوشہ نے مجھ سے طلاق لے لی ہے اور چلی گئی ہے بچے بھی ساتھ لے گئی ہے اور زبیر نامی ایک لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے جو حال ہی میں دبئی سے آیا ہے

اور پھر بابا سائیں کی کھانسی اس قدر ہوتی گئی کہ کال کٹ گئی میں نے دوبارہ کال نہیں کی کچھ سوچنے لگا کہ جو لوگ لالچ کی خاطر اپنی جوان بیٹیوں اور بہنوں کی شادیاں بوڑھے سے کراتے ہیں اسکا نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے۔

آنسو

نسی حروف پر مشتمل یہ لفظ نمکین پانی کے چند قطرے جن کو وہ لوگ آنسو کہتے ہیں اپنے اندر غم اور خوشی دونوں سمیٹے ہوئے ہیں غم کے موقعہ پر آنسو نکلنا اک عام سی بات ہے کیوں کہ آنسوؤں کے نکلنے سے غم بھی کم ہوتا ہے جی بھی ہلکان ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ خوشی ملنے پر بھی آنسو نکل پڑتے ہیں وہ آنسو خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ آنسو بھی پھولوں کی مانند ہیں جو غم اور خوشی دونوں میں ہی انسان کا ساتھ دیتے ہیں یہ مختلف انداز میں آنکھوں سے بہتے ہیں کسی سے بچھڑنے پر کسی کی جدائی یا کسی کے اچانک مل جانے پر یہ آنسو موتیوں کی طرح ہماری آنکھوں سے بہتے ہیں اور ان دو دھاروں میں ہماری زندگی بہتی چلی جاتی ہے۔

عبدالجبار رومی۔ چوہنگ لاہور

غزل

ستارہ ہماری قسمت کا اس سے ملا ہی نہیں
وہ کیسے ہوتا ہمارا جو کبھی ہوا ہی نہیں
ہم نے اپنی ہر خوشی دوسروں میں بانٹ دی
کسی نے ہمیں کیا دیا یہ کبھی سوچا ہی نہیں
باتوں باتوں میں محبت اس قدر بڑھ گئی
تم کو اب بھول جاؤں کیسے اتنا حوصلہ ہی نہیں
ہر کسی نے بھی مطلب تک پیار کیا
کوئی ہم سفر بن کر ساتھ چلا ہی نہیں
پرنس عبدالرحمٰن گجر۔ نین رانجھا

زندگی کا پیار مل گیا

--تحریر۔نزاکت علی۔رسول پورہ۔

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج پھر اپنی ایک نئی تحریر محبت کے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں میری یہ کہانی محبت کرنے والوں کے لیے ہے یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے کسی سے بے وفائی کرنے سے احتراز کریں گے کسی کو بیچ راہ میں نہ چھوڑیں گے کوئی آپ کو بے پناہ چاہے گا مگر ایک صورت آپ کو اس سے مخلص ہونا پڑے گا وفا کی وفا کہانی ہے اگر آپ چاہیں تو اس کہانی کو کوئی بہتر عنوان دے سکتے ہیں ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

یہ کاغذ کا ٹکڑا کیا سنائے گا داستاں میری
مزہ تو تب ہے کہ اسے لگ جائے زباں میری

محمد عباس ہے جب میں نے ہوش سنبھالا میرا تو اپنے آپ کو درمیان ریلجہ میں پایا میرے والد صاحب کی لوہے کی دوکان تھی جس میں درانتیاں اور رنبے وغیرہ بناتا تھا اور ہمارے گھر کے اخراجات اس پر پورے ہوتے تھے مگر انسان سوچتا ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ روپیہ ہو پتہ نہیں انسان کیا کیا سوچتا ہے اس لیے میرے والد نے دوکان چھوڑ دی پھر کسی گاؤں میں کام کرنے لگے تھوڑے ہی دنوں میں ہمیں ایک گاؤں میں کام مل گیا کیونکہ وہاں جو پہلے سے کام کرتا تھا لوہار وہ کسی وجہ سے کام چھوڑ کر گاؤں گے جا چکا تھا اور ہم سب وہاں چلے گئے میں نے پرائمری نزدیکی سکول میں پاس کی اور چھٹی جماعت میں داخلہ لے لیا ہم سب وہاں بہت خوش تھے میں نے چھٹی جماعت پاس کر کے ساتویں بھی پاس کر لی اور جھٹ میں نے آٹھویں جماعت میں داخلہ لے لیا پھر میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا میں نے سکول چھوڑ دیا تھا۔

والدین نے لاکھ کہا کہ پر میں نے سکول جانا پسند نہ کیا میں یہ بتاتا چلوں کے میری ایک بہن جو مجھ سے بڑی تھی دوسرا نمبر میرا ہے اور مجھ سے دو بھائی چھوٹے ہیں اور دو بہنیں چھوٹی ہیں سکول چھوڑ کر میں نے کوئی کام نہ کیا تھا اور سارا دن گلیوں میں آوارہ پھرتا رہتا تھا کئی دن گزرے کے میں نے سوچا کہ کوئی کام وغیرہ ہی کر لو تو میں نے چوک میں ٹائروں کی دوکان پر کام کرنا شروع کر دیا وہ دوکان میرے بہنوئی کی تھی تھی سارا دن دوکان پر کام کرتا اور شام کو سائیکل پر اپنے گھر واپس آتا تھا گھر سے دوکان کا فاصلہ دس کلو میٹر تھا جو میں روزانہ صبح جاتا اور شام کو واپس آتا تھا وہاں پر میری دوسری بہن کی شادی بھی ہوئی ایک ہی گاؤں میں میری دو بہنوں کی شادی ہوئی تھی ہوا یوں کہ ایک دن میرے استاد نے کہا کہ تمہارا بہنوئی بہت بیمار رہتا ہے تو آپ ایسا کرو کہ اس کو میں ڈاکٹر کہ پا

لے کے جاتا ہوں تم شام کو گھر جانے کے
بجائے وہاں اپنی بہن کے پاس رک جانا وہاں ہی سو
جانا جب بہن کے گھر شام کے وقت میں آیا تو سب
لوگ میرے بہنوئی کو ہسپتال لے کر جا چکے تھے تو
وہاں میری چچا کی ایک بیٹی آئی ہوئی تھی وہ مجھے پہلی
ہی نظر میں میرے دل کو بھا گئی۔

کیسے کریں کے تم میری چاہت کا اندازہ نزاکت
میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے گہرا ہے

خیر رات ہوئی صبح میں نے کام پر بھی جانا تھا
جلدی جلدی ناشتہ کیا اور چلا گیا میرا سارا دن کام پہ
بھی نہ لگا سارا دن میں اسی کے بارے میں سوچتا رہا
طرح طرح کے خیالات آتے شام کو میں نے اپنے
استاد سے ... کا بہانہ بنایا اور چھٹی لے کر ایک گھنٹہ
پہلے گھر آ گیا جب میں واپس آیا تو وہ بہت خوش ہوئی
تھی رات کو ہم نے ایک ہی جگہ چار پائیاں بچھائی
تھیں تو میں نے موقع پر کر اظہار محبت کر دیا تو اس نے
بھی کہا کہ میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔

عشق کرو تو ساتھ جیو گے ساتھ مرو گے نزاکت
ہمیں دنیا میں دھوکہ نہ دے جانا ہم تیرے بغیر
نہیں جی سکتے۔

ہم نے ساری رات جاگ کر گزار دی بہت
وعدے کیے میں نے پورا ہفتہ وہاں جاتا رہا اس کے
بعد میری کزن وہ واپس اپنے گھر چلی گئی اور میں پھر
اپنے گھر واپس آ گیا تھا وقت گزرتا رہا اور میں نے چار
سال دوکان پر کام کیا کہ اب اپنا کاروبار شروع کر
سکوں میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ مجھے بیس
ہزار روپے دو میں نے اپنا کام شروع کرنا ہے ابو نے
کہ کہ ابھی اتنے پیسے میرے پاس نہیں ہیں تم کوئی اور
کام کر لو میں نے اپنے چچا کے پاس گیا جو کہ شہری میں
اپنی ڈاکٹری کی دوکان چلاتے تھے تو ان سے کہا کہ
بالکل فارغ ہوں کوئی اور کام وغیرہ دلوا دو انہوں نے
کہا وین کی کنڈیکٹری کو لو گے میں نے کہا ٹھیک ہے

کر لوں گا تو اس نے ایک گاڑی پر بطور کنڈیکٹر رکھوا
دیا میں چھ ماہ مکمل ڈرائیور بن گیا۔ مجھے چلانے کے
لیے ایک اچھی گاڑی دے دی گئی میں سارا دن گاڑی
چلاتا اور شام کو گاڑی پٹرول پمپ کے کھڑی کر کے
مالک کو حساب دیتا اور وہاں سو جاتا میرے گھر میں
شادی کی باتیں ہونے لگی تھی۔

میں نے صاف کہہ دیا کہ شادی کروں گا تو
شریفاں سے ورنہ نہیں کروں گا ان دنوں ہمارے اور
میرے چچا کے درمیان اختلافات تھے جس کی وجہ
سے ہمارا آنا جانا نہیں تھا مگر میں بھی اپنی ضد پہ قائم تھا
ایک دن میرے والد صاحب میرا رشتہ کی بات کرنے
کے لیے ان کے گھر گئے اور انہوں نے صاف انکار کر
دیا میرے والد اپنے بھائی کی بہت منتیں کیں مگر اس
نے ایک نہ سنی اور جواب دے دیا اس کے بعد کئی دفعہ
ان کو دوبارہ بھیجا مگر سوال جواب کے علاوہ کوئی بات
نہ بنی۔ تب ایک دفعہ میں اپنے گھر گاڑی لے کر گیا اور
اپنی ماں اور اپنے والد صاحب کو کہا کہ آپ آخری بار
جاؤ اگر اب بھی جواب دیا تو میں دوبارہ کبھی بھی نہیں
کہوں گا میری والدہ نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے۔

میری ماں نے قرآن کا واسطہ دیا مگر میرے چچا
نے کہا سوچ کر بتاؤں گا ہم جس گاؤں میں تھے یعنی
میرا والد جس گاؤں میں کام کرتا تھا ہم بھی وہاں چلے
گئے تھے یعنی وہ گاؤں چھوڑ کر اس گاؤں کے ساتھ اڈا
نوشہ موڑ تھا ہم نے وہاں اپنی جگہ لے لی وہاں پر
مکان وغیرہ بنائے اب کسی کے غلام نہیں تھے جس
گاؤں کے نے چھوڑا تھا وہاں پر میرا اور چچا آ کر کام
کرنے لگے اسی دوران مجھے اتفاق سے پتہ چلا کہ
میری کزن شریفاں وہاں چچا کے ہاں آئی ہوئی تھی تو
میں نے شام کو ایک گھنٹہ پہلے گاڑی سے چھٹی کر لی
بلکہ گاڑی پر ہی اپنے گھر آ گیا گاڑی گھر میں کھڑی کی
دی اور سائیکل پر ان کے گھر کا چکر لگایا ایک دو چکر پر
اس کی چھوٹی بہن کو پتہ چلا گیا کہ عباس آیا ہے جس

وقت شریفاں باہر مجھے دیکھنے لگی اسی دوران باہر سے
میرا چچا آ گیا کیونکہ اس نے ہمیں باتیں کرتے ہوئے
دیکھ لیا تھا آتے ہی اس نے گالیاں دینا شروع کر دیں
بلکہ مارنے لگ گیا تھا اور میں وہاں سے چلا گیا اسی
دوران وہاں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا میں گھر آ گیا
اور گاڑی اسٹارٹ کی اور شہر آ گیا بہت زیادہ پریشان
تھا کہ اب کیا ہو گا۔

وقت گزرتا گیا اور میں گاڑی چلاتا رہا تقریباً
دو سال گزر گئے اور ان کے ساتھ شریفاں اور محمد عباس
آپس میں خط و کتابت بھی کرتے رہے اس کے بعد
میں نے گاڑی چھوڑ کر اس اڈے پر اپنی ٹائیروں کی
دوکان بنالی تھی ایک آدمی میرے والد کے پاس آیا اور
کہا کہ میں تم دونوں بھائیوں کو ملاتا ہوں تو ایک ہو جاؤ
تو میرے والد نے ہاں کہہ کر ٹھیک ہے اس نے پتہ
نہیں میرے چچا کو کیا کہا کہ وہ رشتہ دینے پر راضی
ہو گیا چند دنوں بعد ہمارا شادی سے نکاح ہو گیا
سب خوش تھے۔ چلو منزل مل گئی ہے نئی خوشی کے دن
گزر رہے تھے تو میرے چچا نے کہا کہ اب شادی بھی
کر لو میرے والد نے کہا کہ بھائی میں نے تیری مرضی
چھ ماہ بعد ہی ہماری شادی ہوئی ہم بہت خوش تھے۔

زندگی جب بھی کسی چیز کی طلب کرتی ہے
ہونٹوں پہ تیرا نام مچل جاتا ہے

ہماری شادی ہوئی ہم بہت خوش تھے ہماری
خوشیوں کو خدا نظر بد سے بچائے روڈ کے اوپر میری
دوکان عباس ٹائیر سروس سینٹر کی دوکان ہے روڈ کے
ذرا دور میرا سامنے گھر ہے اب میں سارا دن دوکان
کرتا ہوں اور شام ڈھلے گھر جاتا ہوں ویسے تو تین
چار چکر لگا لیتا ہوں اپنی بیوی کی ہر خوشی پوری کرتا ہوں
اب ماشاءاللہ میرے دو بچے ہیں بیٹی دس سال کی ہے
کرن عباس اور بیٹا آٹھ سال کا ہے مدثر عباس۔ اب
ہم بھی خوشی زندگی گزر رہے ہیں بچے صبح سکول میں
جاتے ہیں میں دوکان پر چلا گیا میری بیوی کی تعلیم
میٹرک ہے وہ گھر میں کپڑے سینے کا کاروبار کرتی ہے
اور میں دوکان چلاتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کا شکر
ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی
فوت ہو گئے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ سب کو اپنی
منزل تک پہنچائے۔ آمین۔

یہ بات بتا دوں کی مستری عباس نے مجھے کال
کر کے کہا تھا کہ بھائی میری بھی ایک ٹوٹی پھوٹی سے
کہانی ہے اور میری داستان کو کوئی پڑھے گا تو میں
نے کہا یار تیری کہانی کو پانچ کروڑ عوام پڑھے گی۔

اپنے ہاتھوں سے کہیں میرا نام لکھ دینا
تم دعا مت مانگنا صرف دعا لکھ دینا
اس قدر زمانے نے کر دیا بدنام مجھ کو
زندہ رہوں تو جینے کی سزا لکھ دینا
میں روٹھے ہوئے دوست کو مناؤں کیسے
روٹھنے والے یہ میری خطا لکھ دینا
جدا ہو کے تجھ سے جی لیں گے
ان مخملی ہاتھوں سے اپنی وفا لکھ دینا
تم کہتے تھے تیرے بن جی نہ سکیں گے
اکیلے کیسے جی رہے ہو اتنا ضرور لکھ دینا

☆.....علی نواز مزاری۔ گھوٹکی

غزل

پوچھا کسی نے حال کسی کا تو رو دیے
پانی میں عکس چاند کا دیکھا تو رو دیے
نغمہ کسی نے ساز پہ چھیڑا تو نہیں دیا
غنچہ کسی نے شاخ سے توڑا تو رو دیے
اڑتا ہوا غبار سر راہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیے
بادل فضا میں آپ کی تصویر بن گئے
سایہ کوئی خیال سے گزرا تو رو دیے
رنگ شفق سے آگ شگوفوں میں لگ گئی
ساغر ہمارے ساتھ چھلکا تو رو دیے

☆.....نعیم شہزاد سلیم خان

کہاں ہیں اپنے

۔۔تحریر۔ حسنین شاکر ڈھڈیاں شریف۔ 0300,6573669

شہزادہ بھائی۔ السلام وعلیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میرا نام حسنین شاکر ہے اور میں خود بھی شاعری کرتا ہوں اور میں اپنی ایک کہانی لے کر حاضر ہوا ہوں امید ہے سب کو پسند آئے گی یہ کہانی ایک فیملی سٹوری ہے اور دو بھائیوں کی ہے کسی کو غربت میں رہ کر عزت مل جاتی ہے اور کسی کو دولت اندھا کر دیتی ہے اور ذلت ان کے حصے آتی ہے صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے کیوں کہ صبر کرنے سے ہی ہیرے ملتے ہیں۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں

اپنے لیے تو جیتے ہیں سبھی اس جہاں میں
زندگی کا مقصد ہے اوروں کے کام آنا

دوستو ہم جانتے ہیں کہ ہم سب اس دنیا فانی میں مہمان ہیں ایک نہ ایک دن ہمیں یہ سب چھوڑ کر چلا جانا ہوگا اور ہمارے ہی کتنے دوست یہ دنیا چھوڑ کر جا چکے ہیں۔
زندگی بہت چھوٹی ہے کوشش کرنی چاہئے کہ زندگی میں ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے لوگوں کو نقصان پہنچے یا کسی کا دل ٹوٹ جائے اور اللہ میاں ہم سے ناراض ہو جائیں دوسروں کی مدد اور غریبوں کا خیال کرنا چاہئے۔
دین محمد اور جان محمد دونوں بھائی تھے جان محمد بڑا تھا اور پڑھا لکھا تھا اور اپنی نوکری کرتا تھا دین محمد غریب اور ان پڑھ تھا سارا دن محنت مزدوری کرتا تھا جان محمد کے دو بیٹے تھے بڑے بیٹے کا نام علی اور چھوٹے کا نام عباس تھا اور ایک بیٹی تھی۔
دین محمد کی دو ہی بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی کا نام کلثوم اور چھوٹی کا نام عائشہ جان محمد کے پاس دولت تو کافی تھی پر اس کو غرور تھا چھوٹا بھائی دین محمد غریب اور ان پڑھ تھا بھائی نے اپنے بھائی کا ساتھ نہ دیا اور جان محمد اپنے بیوی بچوں کو لے کر اپنے غریب بھائی دین محمد کو تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ اور کسی دوسرے شہر جا بسا۔
دین محمد کو اس بات کا بڑا دکھ ہوا لیکن وہ بے بس تھا اب وہ سارا دن مزدوری کرتا اور شام کو واپس آتا اس کی بیوی زیتون گھر کے کام کرتی اور اپنی بیٹیوں کا خیال کرتی آہستہ آہستہ کلثوم اور عائشہ جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھنے لگی دین محمد اور زیتون بوڑھاپے کی دہلیز پر چڑھنے لگے جان محمد بھی کبھی اپنے غریب بھائی کے گھر آتا تھا دین محمد اور زیتون بڑا بھائی سمجھ کر جان محمد کی بڑی عزت اور خدمت کرتے تھے۔
دین محمد کی دونوں بیٹیاں عائشہ اور کلثوم بہت خوبصورت اور بڑی شرم و حیا والی تھیں ایک دن دین محمد نے اپنی بیوی زیتون سے مشورہ کیا کہ اب ہماری کلثوم بیٹی ماشاءاللہ بڑی اور سمجھدار ہو گئی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اب اس کی شادی کا کچھ سوچنا چاہیے اگر بھائی جان محمد اپنے بیٹے کے لیے کلثوم کا رشتہ لے لیتا بہت ہی اچھا ہو جائے۔

زیتون نے کہا آج تک بھائی جان محمد نے ہمارا ساتھ نہیں دیا تو کیا پتہ وہ ہماری بیٹی کا رشتہ نہ لے دین محمد نے کہا ایسی باتیں نہیں کرتے وہ ہمارا بھائی ہے اور ان کے سوا ہمارا اس دنیا میں اور کوئی بھی نہیں ہے میں تو کہتا ہوں کہ تم صبح ہی ان کے گھر چلی جاؤ اور ان سے بات کرو ہو سکتا ہے ان کے دل میں رحم آ جائے اور وہ ہمارا ہاتھ تھام لیں۔

یہ بات کہہ کر دین محمد نے ٹھنڈا سانس لیکر یہ کہتا ہوا اٹھا کہ اللہ میاں سب کی بچیوں کے نصیب اچھے کرے زیتون اس وجہ سے سن کو چپ ہو گئی کہ یہ دونوں آپس میں بھائی ہیں اور اگر میں نے جانے سے انکار کر دیا تو ہو سکتا دین محمد کو بہت دکھ ہو صبح سویرے ہی زیتون اپنے جیٹھ جان محمد کے گھر روانہ ہو گئی وہاں پہنچی تو ان لوگوں نے مہمان سمجھ کر چائے پانی کا پوچھ لیا۔

زیتون نے کہا بھائی صاحب میں تو اس لیے آئی تھی کہ کلثوم بیٹی اب بڑی ہو گئی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ کلثوم اور علی کی اب شادی کر دیں گھر کے بچے ہیں اگر گھر میں لگ جائیں تو اچھا ہو گا۔

زیتون کی یہ بات سن کر جان محمد نے کہا دیکھو بھائی میرا بیٹا علی ایک پڑھا لکھا شہری ماحول رکھنے والا لڑکا ہے اور آپ کی کلثوم ایک انپڑھ اور گاؤں کی لڑکی ہے اگر میں اپنے بیٹے کو انپڑھ بیوی لے دوں گا تو ساری زندگی میرا بیٹا مجھے کیا کہے گا اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا زیتون کو اس بات کا بہت دکھ ہوا بہت افسوس ہوا وہ سارا دن دھکے کھا کر شام کو گھر واپس آ گئی اتنی دیر میں دین محمد بھی آ گیا۔

دین محمد نے اپنی بیوی زیتون سے پوچھا کہ کیا کہا بھائی جان نے تو زیتون نے ساری بات بتا دی انہوں نے کہا ہے کہ تمہاری بیٹی انپڑھ اور پینڈو ہے اور میری اولاد پڑھی لکھی ہے اور شہری ہے اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر دین محمد کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اسے بڑا دکھ ہوا۔

میری غربت نے اڑایا کہ میرے فن کا مذاق
تیری امیری نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

کلثوم کو اس بات کا پتہ چلا تو اس کو بھی اپنے تایا پر بڑا افسوس ہوا کلثوم سوچتی تھی کہ پہلے بھائی کی کمی کا بوجھ ہمارے سر سے نہیں جاتا پھر تایا نے بھی ہم سے منہ پھیر لیا کلثوم سیدھی سادھی اور گھریلو لڑکی تھی جان محمد کے انکار کے بعد زیتون کافی پریشان اور بیمار رہنے لگی پریشان تو دین محمد بھی تھا مگر وہ اپنے دکھ کو سناتا کس کو جو اس کی پریشانی کو حل کرتا اس لیے چپ رہنا ہی بہتر تھا وہ اپنے غموں کو اپنے ہی اندر دفن کر کے خاموشی سے وقت گزار رہا تھا۔

ایک دن دین محمد صبح اپنے کام پہ گیا ہوا تھا اور زیتون کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی گھر میں مرد نہ ہونے کی وجہ سے کلثوم کو مجبوراً ڈاکٹر کے پاس دوائی لینے جانا پڑا دوائی شہر سے لینی تھی اور شہر جانے کے لوکل بس میں سفر کرنا پڑتا تھا کلثوم اپنی ماں کو لے کر چلی گئی بس چڑھے تو بیٹھنے کے لیے سیٹ خالی نہ تھی کلثوم اپنی ماں کا سہارا بن کر کھڑی ہو گئی۔

سامنے سیٹ پر دو لڑکوں نے آپس میں کوئی بات کی اور دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے ایک لڑکے نے کلثوم سے کہا باجی آپ سیٹ پر بیٹھ جاؤ ہم کھڑے ہو جائیں گے کوئی بات نہیں۔

باجی کا لفظ سن کر کلثوم کا دل بھر گیا آج زندگی میں پہلی بار کسی نے کلثوم کو باجی کہا تھا باجی کہنے والا کلثوم کو بہت اچھا لگ رہا تھا وہ بار بار اس کو دیکھتی تھی بس اپنی تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی لیکن کلثوم کے دل میں یہ حسرت بڑھ

رہی تھی کہ باجی کہنے والا لڑکا پھر مجھ سے کوئی بات کرے اور مجھے باجی کہے اور میں اس کو اپنا بھائی کہوں اتنے میں بس شہر پہنچ گئی۔

سب مسافر اترنے لگے کلثوم بھی اپنی ماں کو پکڑ کر اتارنے کی کوشش کر رہی تھی اس لڑکے نے ایک بار پھر کلثوم کی مدد کی کلثوم کی امی زیتون کو بس سے اتار لیے نیچے اتر کر کلثوم نے کہا شکریہ بھائی یہ میری امی ہیں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے مجھے تو کسی خاص ڈاکٹر کا پتہ نہیں ہے۔

دراصل کلثوم کو وہ لڑکا ایک بھائی کے روپ میں اچھا لگ رہا تھا اس لیے وہ بات کو بڑھا رہی تھی اور وہ لڑکا کلثوم اور اس کی امی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا زیتون نے اس لڑکے کو ڈھیر ساری دعائیں دیں اور پوچھا بیٹا آپ کون ہو اور کہاں رہتے ہو کلثوم بھی پاس ہی بیٹھی تھی لڑکے نے بتایا خالہ میرا نام عابد ہے میں اپنے ماں باپ کا ایک ہی بیٹا ہوں اور مجھ سے چھوٹی ایک بہن ہے دراصل ہم بھی ایک گاؤں میں رہنے والے ہیں ہماری گاؤں میں اپنی زمینیں ہیں۔

میرے ابو ایک سرکاری ملازم ہیں اور ہماری پڑھائی اور اپنی نوکری کے لیے ابو نے ہمیں یہاں شہر میں رکھا ہوا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ آئیں گھر چلتے ہیں آپ تھوڑا آرام بھی کر لیں گے اور کھانا بھی کھا کر چلے جانا۔

کلثوم نے بات کی بھائی عابد میرا نام کلثوم ہے اور ہم دو ہی بہنیں ہیں اور ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتے ہیں آپ نے مجھے باجی کہا تو مجھے بہت اچھا لگا کہ کسی نے مجھے بہن کہا ہے مجھے بھائی کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

عابد نے کہا ایسی کوئی بات نہیں انشاء اللہ آپ میری بہن ہو اور میں آپ کا بھائی ہوں اور رہونگا بھی زیتون نے کہا بیٹا اللہ آپ کی لمبی زندگی کرے اب ہمیں جانے دو دوائی لے کر زیتون اور کلثوم اور زیتون

گھر واپس آگئیں کلثوم بہت خوش تھی اس نے اپنے ابو اور چھوٹی بہن عائشہ کو بھی خوشی سے بتایا ہے کہ آج مجھے ایک بھائی ملا ہے جو بہت ہی خوبصورت اور اچھا ہے کافی دیر تک کلثوم اور عائشہ باتیں کرتے رہے وقت اپنی رفتار سے چل رہا تھا۔

عابد اکثر بیٹا اور بھائی بن کر دین محمد کے گھر آتا تھا سب بہت خوش ہوتے زیتون اور دین محمد عابد کی اچھائی پہ بہت خوش تھے اور وہ بھی کلثوم اور عائشہ کو اپنی بہنیں سمجھتا تھا یا ایک منہ بولا رشتہ اور تعلق تھا۔

اور دوسری طرف جو حقیقی بھائی تھا جان محمد وہ تو غیروں سے بھی غیر نکلا دو تل نیا س کو اندھا کر دیا تھا اور وہ سب رشتے جاطے توڑ چکا تھا۔

چلو اچھا ہوا اپنوں میں کوئی غیر تو نکلا
اگر ہوتے سبھی اپنے تو بیگانے کہاں جاتے

ایک دن عائشہ اور کلثوم دونوں بہنیں گھر پہ تھیں اور دروازے پر دستک ہوئی عائشہ نے دروازہ کھولا تو سامنے اس کے تایا جان محمد کا بیٹا علی کھڑا تھا۔

علی اندر آیا لیکن عائشہ اور کلثوم نے کوئی خاص توجہ نہ دی علی گاؤں چھوڑنے کے بعد آج پہلی بار اپنے چاچو دین محمد کے گھر آیا تھا عائشہ نے چائے پانی کا پوچھا تو علی نے انکار کر دیا لیکن پھر بھی عائشہ نے چائے بنائی علی کلثوم کی خوبصورتی اور سادگی دیکھ کر بے ایمان ہو چکا تھا لیکن کلثوم نے علی کو گھاس تک نہ ڈالا کیونکہ ان لوگوں نے پہلے خود ہی وہ رشتہ اور محبت ختم کر دی تھی ان کو تو بس دولت کی ہوس تھی رشتوں کی نہیں علی بار بار کلثوم کو دیکھتا لیکن کلثوم نے ایک بار نہیں دیکھا دیکھنے کی ضرورت بھی کیا تھی آخر علی نہ رہ سکا اس نے کلثوم سے کہا۔

کیا آپ ہم سے ناراض ہو کلثوم غصے میں آ کر بولی نہیں نہیں میں آپ سے ناراض تو نہیں ہوں بلکہ میں تو ہواؤں میں اڑ رہی ہوں۔ کہ میرے تایا جان نے ہمارے لیے میری امی کے ہاتھ پھول اور میڈل

بھیجے ہیں۔ ہمیں ان پڑھ جاہل اور پنڈو کا لقب دیا گیا اور ہماری امی کو رسوا کیا گیا اگر وہ سوچتے تو ہم ان کی بھی بیٹیاں ہی تھیں لیکن انہوں نے نہیں سوچا ان کے لیے تو سب کچھ دولت ہی ہے وہ تو دولت سے سب کچھ خرید سکتے ہیں۔

کاش میرے ابو کے پاس بھی دولت ہوتی اور وہ آج کسی کی باتیں نہ سنتے اور نہ ہی اس عمر میں مزدوریاں کرتے کلثوم نے کہا علی ہمارا کیا ہے لڑکیاں تو ماں باپ کے گھر میں مہمان ہوتی ہیں کسی نہ کسی دن انہیں وہ گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور ہمیں اپنے ماں باپ کی عزت بہت پیاری ہے وہ ہمیں کسی کے ساتھ بیاہ دیں گے تو ہم اپنا نصیب سمجھ کر چپ چاپ رخصت ہو جائیں گی دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہمارے اپنوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔

اتنی بات کر کے کلثوم رونے لگی اور دوڑ کر اندر چلی گئی عائشہ بھی اپنی بہن کے رونے کی آواز سن کر اندر چلی گئی دونوں بہنیں رونے لگیں سچ تو یہ ہے دوستو کہ اپنوں پر دکھ تو ہوتا ہے علی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے پاس کوئی جواب ہوتا تو وہ دیتا وہ بالکل خاموش رہا کلثوم ہی بھر کے روئی۔

اتنے میں دروازے پر دستک کی آواز آئی عائشہ دوڑ کر دروازے پر گئی تو سامنے ان کا منہ بولا پیارا سا بھائی عابد اندر داخل ہوا تو سامنے ایک اجنبی لڑکا بیٹھا ہوا تھا سلام دعا ہوئی کلثوم اور عائشہ دونوں اپنے بھائی عابد کو خوش ہو کر ملیں اور خیریت پوچھی عابد نے کہا ہم سب تو ٹھیک ہیں آپ کی آنکھیں لال کیوں ہیں لگتا ہے روئی ہو۔

کلثوم نے ٹال دیا نہیں بھائی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے عابد نے کہا اچھا تو چاچو اور خالہ سے کام تھا خالہ کدھر ہیں۔

عائشہ نے کہا امی ابھی آجاتی ہیں آپ بیٹھیں یہ ماحول دیکھ کر علی پریشان ہو رہا تھا اور سب باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زیتون بھی آگئی زیتون خوش ہو کر عابد کو ملی اور علی کو بھی ہاتھ پھیرا دونوں سے خیریت معلوم کی اور عابد نے کہا خالہ مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے میں حد کی میں زیتون اٹھ کر اندر چلی گئی۔

پہلے تو عابد نے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے کسی نے اس کا تعارف نہیں کروایا۔

زیتون نے بتایا کہ یہ دین... بھائی جان محمد کا بیٹا ہے یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے کلثوم کا رشتہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

اب پتہ نہیں یہ کیوں آیا ہے خیر چھوڑو تم اپنی بات کرو بیٹا خیر تو ہے کیا بات ہے خالہ جان سوچ رہا ہوں کہ آپ سے بات کروں نہیں میری بات سن کر آپ ناراض تو نہیں ہو جائیں گی میں عائشہ اور کلثوم کا بھائی بن کر آپ سے بات کرنے آیا ہوں۔

زیتون نے کہا بیٹا کہو بھی بیٹا میں جانتی ہوں آپ ہمارے بیٹے ہو عائشہ اور کلثوم کے بھائی ہو اور آپ جو بات بھی کرو گے مجھے بری نہیں لگے گی بولو کیا بات ہے۔

عابد نے بتایا کہ خالہ جان بات دراصل یہ ہے کہ ہماری اپنی برادری میں ایک لڑکا ہے جو اکیلا ہے لیکن بہت ہی اچھا انسان ہے اس کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں پرائیویٹ ملازمت کرتا ہے اپنا گھر بنانے کے لیے اس نے وہاں شہر میں پلاٹ بھی خرید رکھا ہے اور یہ بات میں اپنے ماں باپ کے مشورے سے کر رہا ہوں اگر ہم کلثوم باجی کا رشتہ اس کو دیں تو میرے خیال سے وہ ٹھیک رہے گا داماد کے روپ میں آپ کو بیٹا بھی مل جائے گا اور اس بے سہارا کو سہارا بھی مل جائے گا اور پھر ہماری کلثوم زندگی بھر خوش رہے گی۔

یہ سن کر زیتون بہت خوش ہوئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا دیکھو بیٹا آپکے ماں باپ بہت اچھے ہیں وہ ہماری بہت عزت کرتے ہیں اور آپ پر بھی ہمارا پورا بھروسہ ہے آپ نے بات بہت

اچھی کی ہے اور مجھے پسند بھی آئی ہے شام کو دین محمد آتے ہیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔

زیتون اور عابد جب کمرے سے باہر آئے تو کلثوم اور عائشہ نے بتایا کہ علی تو چلا گیا ہے۔

زیتون حیران و پریشان ہو گئی کہ وہ بتائے بغیر ہی کیوں چلا گیا اور ملا بھی نہیں عابد بھی چلا گیا شام کو دین محمد گھر آیا تو پہلے تو سب نے علی کا بتایا اور وہ بھی بہت پریشان ہوا کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے بتائے بغیر ہی چلا گیا۔

پھر زیتون نے عابد والی بات بتائی پھر دین محمد بہت خوش ہوا کہ میرا خیال ہے ہمیں یہ رشتہ کر لینا چاہئے عابد کے گھر والے بہت اچھے ہیں وہ ہمارا بھلا ہی سوچیں گے اپنوں نے تو ہمیں غیر سمجھا ہے اور اگر کوئی غیر ہمیں اپنا بنا رہا ہے تو ہمیں انکار نہیں کرنا چاہئے ہو سکتا ہے اللہ ہمارے لئے بہتر کر رہا ہوں۔

ادھر کلثوم کے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں ادھر علی نے اپنے گھر والوں کو بھڑکایا کہ مجھے تو کچھ اور ہی لگتا ہے پتہ نہیں وہ لڑکا کون ہے دونوں بہنیں بڑی ہنس ہنس کے اس سے باتیں کر رہی تھیں مجھے تو کسی نے ٹھیک طرح سے بلایا بھی نہیں ہے اور پتہ نہیں ہو آنٹی زیتون کو کیا کہہ رہا تھا۔

آنٹی زیتون اور اس کو اندر کمرے میں بیٹھے بیٹھے دو گھنٹے گزر گئے میں تو تنگ آ کر وہاں سے نکل آیا ہوں بیٹے علی کی باتیں سن کر جان محمد کو بڑا غصہ آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا۔

پھر علی نے بتایا کہ وہ تو ابو جی کلثوم کی بڑی لمبی زبان ہے اس نے تو میرے منہ پر میری بے عزتی کر دی اور آپ کو بھی برا بھلا کہہ رہی تھی۔

ادھر دین محمد اور زیتون بہت خوش تھے کلثوم کا رشتہ ایک اچھی لڑکے سے طے کر دیا گیا۔

جس کا نام انور تھا ماں باپ نہ ہونے کی وجہ سے زمانے کی ٹھوکریں کھا کھا کر حالات نے اسے بہت سمجھدار کر دیا تھا اور وہ سلجھا ہوا لڑکا تھا۔

اس کو اچھے برے کی پہچان بھی تھی وہ رشتہ داری کے حساب سے زیادہ تر عابد کے گھر ہی آتا جاتا تھا اور اس کی عابد سے ہی دوستی بھی تھی انور اور عابد دونوں بہت اچھے دوست بھی تھے اس لیے عابد کو انور کی اگلی زندگی کی فکر تھی۔

عابد کے ابو نے فیصلہ کیا کہ لمبا چوڑا کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے بس چار پانچ دن میں تیاریاں مکمل کر کے بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں پھر بیٹی کلثوم کی مرضی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہمارے گھر رہ سکتی ہے پھر کچھ دنوں میں انور اپنا گھر بنا لے گا تو اپنے گھر چلے جائیں گے۔

اس پر سب نے ہاں کر دی عابد اور عابد کے ماں باپ کلثوم کو اپنی بیٹی سمجھ کر شادی کی شاپنگ بھی خود ہی کر رہے تھے دین محمد نے کہا زیتون میں تو کہتا ہوں کہ ایک بار ہم دونوں صبح بھائی جان محمد کے گھر جاتے ہیں ان کو شادی کی دعوت دیتے ہیں ہو سکتا ہے وہ لوگ آ جائیں اور ہماری عزت رہ جائے۔

دین محمد کا دل بھائی کے لیے پھر تڑپ رہا تھا اور وہ بھائی دولت میں اندھا ہو کر بار بار اپنے بھائی کو ٹھکرا رہا تھا زیتون اپنے شوہر کا دل رکھنے کے لیے ایک بار پھر جان محمد کے گھر قسمت آزمانے چلی گئی۔

دین محمد اور زیتون جب اپنے بھائی کے گھر گئے تو اس نے منہ پھیر لیا دین محمد نے کہا بھائی میں اپنی بیٹی کلثوم کی شادی کر رہا ہوں اور آپ کو لینے آیا ہوں آپ تیار کر ہمارے ساتھ چلیں۔

جان محمد نے کہا ہم کس منہ سے اپنے آپ کو اس گھر میں لے جائیں گے اگلے دن میرا بیٹا آپ کے گھر گیا کیا سلوک کیا آپ لوگوں نے اس کے ساتھ اور میری ایک بات سن لو دین محمد آپ کو پتہ ہے جس گھر میں آپ لوگ رہ رہے ہو وہ ہم دونوں کا ہے میں اپنا آدھا حصہ بیچنا چاہتا ہوں اگر آپ لوگ خریدنا

چاہتے ہو تو مجھے اس کے پیسے دے دو اگر تم خرید نہیں سکتے تو میں وہ کسی اور کو بیچ دیتا ہوں۔

یہ بات سن کر حیرانگی کی انتہا نہ رہی دین محمد اور زیتون ایک بار پھر روتے ہوئے گھر واپس چلے آئے بھائی نے ایک بار پھر دل کرچی کرچی کر دیا۔

دین محمد اور زیتون سوچوں کی گہری کھائی میں گر گئے تھے کلثوم کی شادی قریب آ گئی دین محمد نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو منع کیا کہ یہ بات عابد کو نہ بتائیں کہ ہمارے بھائی نے آدھا گھر لینے کا کہا ہے۔

دین محمد ایک شریف انسان تھا اس نے یہ بات اس لیے چھپائی کہ کہیں عابد اور انور کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ دین محمد اپنی بیٹی کے رشتے کے بدلے ہم سے کچھ مانگ رہا ہے لیکن دین محمد کے گھر کے جو حالات تھے عابد اور انور کو سب بتایا ہوا تھا۔

بڑی سادگی کے ساتھ کلثوم کا نکاح انور کے ساتھ کر دیا گیا محلے کی چند لڑکیوں اور عورتوں نے کلثوم کو دلہن بنایا آج دین محمد اپنی بیٹی کو گلے لگا کر بہت رویا اور بیٹی کلثوم کو رخصت کر دیا۔

رخصت ہو کر کلثوم عابد کے گھر ہی گئی وہاں عابد اور اس کے گھر والوں نے اس کو بہت عزت دی عابد کے ابو نے کہا انور بیٹا کلثوم میرے عابد بیٹے کی بہن ہے اور تم یوں سمجھو کہ میری بیٹی تیرے گھر میں ہے۔

مجھے کبھی بھی زندگی میں کسی شکایت کا موقع نہ دینا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری اور میرے بیٹے کی عزت پر لوگ انگلیاں اٹھائیں۔

کلثوم سے کہا بیٹی یہ تمہارے بھائی کا گھر ہے اس گھر کے دروازے آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

کلثوم کو بار بار اپنوں کا خیال آ رہا تھا کہ جو ہمارے اپنے ہیں ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا اور جو غیر تھے انہوں نے میری زندگی بدل کر رکھ دی کتنا پیار دیا انہوں نے مجھے میرے اپنوں نے تو مجھے

دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا جب کلثوم ادھر اُدھر دیکھتی تو کوئی بھی اس کو اپنا خونی رشتہ نظر نہ آتا اور وہ پھر سوچوں میں ڈوب جاتی تھی آنکھوں میں نمی لے کر وہ اپنی دل ہی دل میں کہتی کہاں ہیں اپنے۔

جب کلثوم نے انور کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی انور کافی خوبصورت اور سلجھا ہوا لڑکا تھا انور نے کلثوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کا ساتھ لکھ دیا ہے میں ایک لاوارث لڑکا تھا عابد بھائی نے جو مجھ پر احسان کیے ہیں وہ میں ساری زندگی بھی نہیں بھول سکتا اور ہمیشہ وفادار ہونے کی کوشش کروں گا۔

عابد نے کہا کہ میرے پاس پیسے ہیں ہم بہت جلد اپنا گھر بنالیں گے اس وقت تک تمہاری اپنی خوشی کی بات ہے تم اپنے ماں باپ کے گھر رہو یا بھائی عابد کے کلثوم انور کی باتیں سن کر بہت خوش ہو گئی دو دن بھائی انور کے گھر رہنے کے بعد عابد اور انور کلثوم کو لے کر دین محمد کے گھر آئے۔

گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں دین محمد اپنی بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور عابد کو ڈھیروں ساری دعائیں دے رہا تھا اوپر سے جان محمد اور اس کا بیٹا علی آ گئے کلثوم تو دیکھتے ہی اندر چلی گئی انہوں نے پانی پینا بھی گوارہ نہ سمجھا اور نہ ہی بھائی سے خیریت پوچھی اور نہ کلثوم کو ملا اور جان محمد نے اپنے بھائی سے کہا کہ دین محمد میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میں اپنی جگہ کا حصہ بیچنا چاہتا ہوں لیکن تم نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا اگر تم نے نہیں لینی تو میں کسی اور سے کہہ کر بیچ دیتا ہوں۔

اتنی بات سن کر انور بولا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں بات کروں۔

جان محمد بڑے غور سے انور کی طرف دیکھا انور کو سب بات کا پتہ چل چکا تھا انور نے کہا تایا جان جگہ آپ کی ہے آپ بیچیں گے لیکن جگہ کی قیمت نہ آپ بتائیں گے نہ چاچو دین محمد بلکہ کسی ترفین آدمی کو

بلا کر جگہ کی قیمت لگوالیں وہ جو قیمت بتائے گا ہمیں منظور ہے اور آپ کی یہ جگہ آپ کی بھتیجی کلثوم خریدے گی یہ بات سن کر تمام کے تمام حیران رہ گیے دوسرے دن کا ٹائم رکھا گیا جان محمد غصے میں نت پت اٹھ کر چلا گیا سب کے سامنے انور نے کلثوم سے کہا یہ جگہ تم خریدو گی اور پیسے میں دونگا اگر کسی اور نے خریدی تو چاچو کی عزت خاک میں مل جائے گی لوگ کہیں گے کہ دین محمد نے گھر بیچ کر بیٹی کی شادی کر دی ہے اور یہ میں نہیں چاہتا۔

گلے دن لوگ جمع ہو گیے عابد اور عابد کے ابو بھی شامل تھے لوگوں نے پورے گھر کا ناپ تول کیا پھر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا قیمت بتائی گئی کلثوم باہر آئی انور کی دی ہوئی رقم تایا کی گود میں رکھ دی تایا جان محمد بے شرم ہو کر پیسے گننے لگا۔

کلثوم اور انور نے جگہ دین محمد کے نام کر دی انور نے شہر والا گھر بیچ دیا اور اسی گھر میں اضافی کمرے میں خوبصورت سا گھر بنا کر رہنے لگا کلثوم بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی اور انور ڈیوٹی پر جاتا سب گھر والے بہت خوش تھے لیکن اپنوں کے دیئے ہوئے زخم بڑی مشکل بھرتے ہیں ہمیشہ دوسروں کا خیال رکھا کریں۔

آپ کی دعاؤں کا طلب گار۔ حسنین شاکر

فریاد

اۓ عشق سن فریاد میری کبھی دنیا تھی آباد میری
میں پریم نگر کا باسی تھا اور پیار کا اتنا عادی تھا
سانس بھی پیار سے چلتی تھی دھڑکن بھی گیت سناتی تھی
نہ کھانا پینا عشق ہوا نہ جینا مرنا عشق ہوا
جب انہوں نے دل توڑا ہے اپنا کے ہم کو چھوڑا ہے
کیا کسی سے ہم فریاد کریں دن رات اسے ہی یاد کریں
اب ایسا بنا حال ہوا کہ جینا بھی دشوار ہو
اۓ عشق سن فریاد میری کبھی دنیا تھی آباد میری

غزل

زندگی کی راہوں میں کوئی راستہ نہیں دیتا
زمیں واقف نہیں بنتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دکھ کے سب موسم اپنے اپنے ہوتے ہیں
کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا
اداسی جس کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھوں کا کوئی سپنا نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ہوا جسم اپنا جاوید
کب تک سانس چلتی ہے کوئی کاندھا نہیں دیتا

اب لوٹ آؤ نا

چلو اب جان جاؤ تم
بہت انمول سی گہرائیاں
بہت نایاب سے لمحے
مگر وقت کے پنجے میں آ کر
کھو گیے ہم سے
بہت ضدی اگر ہو تم تو
ہم بھی ہیں بہت خود سر
مگر اک بات بتلاؤ
بچھڑ کے ہم نے کیا پایا
تیری خوشیاں جدا ہم سے
میرے سپنے خفا مجھ سے
تیری راہیں بھی صدیوں سی
میرے بھی دن نہیں کٹتے
چلو اک پل کو سوچیں اب
کہ ان سب باتوں سے آخر کیا ملا ہم کو
چلو اب مان جاؤ تم واپس چلے آؤ

غلام فرید جاوید حجرہ شاہ مقیم

شعر

وہ ملا بھی تو خدا کے دربار میں غالب
اب تم بتاؤ عبادت کرتے یا محبت

الطاف حسین گوپانگ خنڈو۔ سندھ

انوکھے روگ محبت کے

تحریر۔انتظار حسین ساقی۔0300.6012594

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج پھر اپنی ایک نئی تحریر انوکھے روگ محبت کے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں میری یہ کہانی محبت کرنے والوں کے لیے ہے یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے کسی سے بے وفائی کرنے سے احتراز کریں گے کسی کو بیچ راہ میں نہ چھوڑیں گے کوئی آپ کو بے پناہ چاہے گا مگر ایک صورت آپ کو اس سے مخلص ہونا پڑے گا وفا کی وفا کہانی ہے اگر آپ چاہیں تو اس کہانی کو کوئی بہترین عنوان دے سکتے ہیں ورنہ یہی چلنے دیں۔
اس نے مجھ سے طلاق لے لی۔بعد میں پتہ چلا کہ شمیم نے تو لاہور میں کسی سے شادی کر لی ہے وہ کوئی اور نہیں اس کا عاشق تھا جس سے وہ فون پر باتیں کرتی تھی جس کی وجہ سے اس نے دو گھروں کو تباہ برباد کر دیا۔طلاق لینے کے بعد اس نے مجھ سے میری بیٹی کو چھیننے کی کوششیں شروع کر دیں۔کیا ماں ایسی ہوتی ہے وہ تو ماں کے نام پر بھی ایک گالی تھی اتنا گر جائے گی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔جب بچی کو ماں کی ضرورت تھی تب تو میں اس کے لیے ماں تھا کیونکہ میں ہی اس کو اپنے پاس سلاتا تھا اس کے کپڑے بھی تبدیل میں کرتا تھا اس کو پیشاب بھی میں ہی کرواتا تھا تب کہاں تھی اسکی ممتا تب کہاں گئی اس کی محبت اس نے مجھ سے طلاق لیتے وقت مجھے چھوڑتے وقت ایک لمحہ بھی کے لیے بھی نہ سوچا تھا کہ میری ایک چھوٹی سی بیٹی ہے اس کا کیا بنے گا یہ تو ابھی کتنی چھوٹی ہے مگر جب انسان اپنے پیاروں سے بغاوت کرتا ہے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔میں نے بھی ارادہ کر لیا تھا کہ چاہے جو بھی ہو جائے میں اپنی بیٹی اس کو کسی بھی قیمت پر نہیں دوں گا۔جس نے اس کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنی ایک نئی دنیا بسالی تھی۔
ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے یہ تو آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

کردار۔محمد شہباز زخمی۔شمیم۔منزہ۔عائشہ۔عمران
رائٹر۔انتظار حسین ساقی۔تاندلیانوالہ۔

ملا تھا ہجر کے راستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
وہ مجھ میں زندہ ہے میری ذات ہونے تک

زندگی کتنی مشکل ہوگئی۔کوئی جینے ہی نہیں دیتا۔ہر گلی پر ہر بازار میں موت ہی موت نظر آتی ہے کوئی بھی جگہ تو محفوظ نہیں ہے چاہے وہ گھر ہو آفس ہو پارک۔اتنے ڈرے ہوئے انسانوں کے چہرے ہیں کہ سانس بھی لیتے ہیں تو کسی کو سنائی نہیں دیتا کیونکہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ گھر سے جانے کے بعد واپس بھی خیریت سے آنا ہے کہ نہیں۔دنیا

میں جس انسان کو بھی پوچھ لو اس کو کوئی نہ کوئی دکھ درد ضرور ہوگا کچھ درد اور دکھ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو ہر وقت یاد آتے رہتے ہیں بلکہ ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے ہیں کبھی ختم نہیں ہوتے انسان لاکھ کوشش بھی کرے تو ان کو بھول نہیں سکتا اور وہ دکھ انسان کی جان چھوڑتے ہیں کچھ زندگی میں حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کی آنکھوں سے بھی اوجھل نہیں ہوتے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روگ بن جاتے ہیں سوگ بن جاتے ہیں وہ دکھ جو انسان کو محبت عشق میں ملتے ہیں وہ روگ بھی انوکھے ہوتے ہیں اور وہ سوگ بھی انوکھے ہوتے ہیں محبت کے رنگ بھی انوکھے محبت کے روپ بھی انوکھے محبت کی دنیا الگ ہوتی ہے جیسے محبت کرنے والوں کی خوشیوں کو الگ مقام حاصل ہوتا ہے ایسے ہی محبت کے عشق کے غم بھی الگ درد بھی الگ سوگ بھی الگ۔ اور محبت کے روگ بھی الگ اور انوکھے ہوتے ہیں۔

میرے اندر کا انسان تو ابھی زندہ ہے
جھوٹ بولوں گا تو سولی پر چڑھ جاوے گا

سب سے پہلے تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے کسی کو کوئی بیماری نہ دے اگر زندگی کی اصل قیمت جاننی ہو تو معاشرے میں معذور لوگوں کو دیکھا کرو معذور لوگوں سے پوچھا کرو کہ زندگی کیا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے پھر زندگی کیا چیز ہے ان لوگوں سے پوچھا کرو جو ہسپتالوں میں زیر علاج ہوتے ہیں زندگی کا پتہ ہی انسان کو ہسپتالوں سے چلتا ہے دعا ہے مولا کسی کو ہسپتال نہ لائے۔ آمین۔

گرمیوں کا موسم تھا جون کا مہینہ تھا گرم اپنے پورے جوبن پر تھی گرمی اور حبس کا یہ حال تھا کہ صبح صبح جب سورج آنکھیں کھولتا تھا تو ساتھ ہی آگ برسانا شروع کر دیتا تھا قارئین میں گھر سے نکلا مجھے آج لاہور جانا تھا وہاں ایک ہسپتال میں میرا ایک دوست زیر علاج تھا مجھے اس کی خیریت دریافت کرنے جانا تھا گرم آج بھی ویسی تھی جیسے روز ہوتی تھی گرم ہوا کے جھونکے گرمی اتنی تھی کہ دل نہیں کرتا تھا کہ گھر سے اپنے کمرے سے باہر نکلا جائے مگر انسانیت بھی ضروری تھی کسی کا پتہ لینا کسی کی تیمارداری کرنا بھی ثواب ہے میں گرمی کو اپنے جسم پر سجا کر دوپہر کو لاہور پہنچا میں ہسپتال گیا جہاں میری دوست زیر علاج تھی۔ وہ ایک سرکاری ہسپتال تھا میں جیسے ہی ہسپتال پہنچا تو مریضوں کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی ایک گرمی دوسرے دھوپ کی شدت اور پھر لوگ قطار میں لگے ایک پرچی لینے کے لیے نجانے کب سے کھڑے تھے مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ کتنی گرمی ہے اور اوپر سے کتنی دھوپ ہے اور لوگ قطاروں میں کتنے پریشان ہیں۔ اور پھر گرمی تو تھی ہی مگر مگر جہاں مریضوں کی قطار لگی ہوئی تھی وہاں تو چھاؤں نام کی کوئی چیز نہیں تھی وہ تو کھلا آسمان تھا اس سے پہلے کہ میں اپنے دوست کا پتہ لیتا وہاں پر مجھے ایک منظر نے روک لیا میرے قدم اپنے آپ ہی رک گئے۔ میں آگے ایک قدم بھی نہ چل سکا۔ میں نے اس مریضوں کی قطار میں ایک ایسا شخص دیکھا جس کو دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو برسات کی صورت اترنے لگے وہ شخص نوجوان تھا خوبصورت تھا تندرست تھا مگر اس کی آنکھیں اور اس کے چہرے پر نجانے کیوں اداسی چھائی ہوئی تھی اس کی شکل وصورت سے صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بہت ہی پریشان ہے اس نوجوان کی جس چیز نے مجھے اس کی طرف گامزن کیا اس نوجوان کا ایک بازو تھا دوسرا ہاتھ اور بازو نہیں تھا۔ یعنی اس کا ایک ہاتھ تھا اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت سی بچی تھی بچی کی عمر تقریباً دو سال تھی اس شخص نے بڑی مشکل

سے اس بچی کو اپنے ایک ہاتھ سے اٹھایا ہوا تھا اور اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا وہ کتنا مجبور تھا اس کا ایک ہی ہاتھ تھا اور اس نے اسی ایک ہاتھ کی مدد سے بچی کو بھی سنبھالا ہوا تھا اس کی حالت دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا کہ ایک تو یہ انسان ایک ہاتھ سے معذور ہے اور دوسرا اتنی گرمی میں کھڑا ہے ایک خوبصورت پھول کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے ہے میرے ذہن میں بہت سارے سوالوں نے جنم لیا کہ یہ کون ہے کہاں رہتا ہے اس کا بازو ایک کیوں ہے کیا ہوا کوئی حادثہ ہوا کہ شروع سے اس کا ہاتھ ایسا تھا اور اس کے ساتھ یہ بچی کون ہے اس سے اس کا کیا رشتہ ہے اگر اس کی بیٹی ہے تو اس کی ماں کہاں ہے میں چلتا ہوا قطار میں اس شخص کے پاس چلا گیا میں نے اس کو سلام کیا سلام کا جواب کے بعد میں نے اس سے کہا بھائی جان آپ اپنی بچی مجھے دے دیں آپ بہت مشکل سے کھڑے ہیں میں کافی دیر سے آپ کی حالت کو دیکھ رہا ہوں اس نے بچی مجھے دے دی میں نے اس ننھی سی پری کو خوبصورت پھول کو اٹھا لیا۔ میں چھاؤں میں بیٹھ گیا اس کی نظروں کے سامنے اس نے بڑی مشکل سے اپنی باری آنے پر پرچی لی جس سے اس نے دوائی لینی تھی وہ پرچی لے کر میرے پاس آیا میرا شکریہ ادا کیا میں نے اس سے پوچھا۔

آپ کون ہیں یہ بچی کون ہے۔ اور آپ کا ایک ہاتھ کو کیا ہوا ہے کیا اس بچی کی ماں نہیں ہے اگر ہے تو وہ کہاں ہے۔ اس کو میں نے اپنا تعارف بھی کروایا کہ میں جواب عرض کا رائٹر ہوں شاعر اور صحافی بھی ہوں اس نے کہا۔

بھائی جان یہ ایک لمبی داستان ہے میں آپ کو بتاتا ہوں آپ اس کو جواب عرض میں ضرور لکھنا کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی انسان میری اس داستان سے سبق حاصل کرے قارئین اس معذور انسان جو سرکاری ہسپتال میں مجھے ملا تھا اس نے اپنی داستان جو مجھے سنائی میں اپنے لفظوں کی مالا میں پرو کر آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس نے توڑا وہ تعلق جو میری ذات سے تھا
اس کو رنج نجانے میری کس بات سے تھا
لاتعلق رہا لوگوں کی طرح وہ بھی
جو اچھی طرح واقف میرے حالات سے تھا

میرا نام شہباز زخمی ہے ہم جس شہر میں رہتے ہیں اس کا نام شرقپور تھا شرقپور کے قریب ایک بہت خوبصورت گاؤں ہے وہاں رہتے ہیں۔ میری فیملی میں میری جنت میری ماں ہے اور میرے بہت ہی پیارے کرنے والے میرے والد صاحب ایک بھائی اور ایک پیاری سی معصوم سی میری بہن یعنی ہماری فیملی میں ہم دو بھائی اور ایک بہن اور امی ابو شامل تھے گھر میں میں سب سے بڑا ہوں جب میں پیدا ہوا تو میرے امی ابو نے پورے خاندان میں مٹھائی تقسیم کی کیونکہ میں ان کی پہلی اولاد تھا میرے بعد میری بہن پیدا ہوئی اور بعد میں بھائی میں آہستہ آہستہ بڑا ہوا تو گاؤں کے سکول میں پڑھنے چلا گیا۔ گاؤں کے سکول سے تعلیم کی آہستہ آہستہ میں میٹرک پاس کر لیا میں آگے بھی پڑھنا چاہتا تھا مگر ہمارے گھر کے حالات کچھ ایسے تھے کہ میرے چاہتے ہوئے بھی میں تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ ہمارے گھر میں اتنی غربت تھی کہ روٹی بڑی مشکل سے پوری ہوتی تھی میرے والد صاحب نے مجھے محنت مزدوری کر کے میٹرک تک پڑھایا تھا مگر آگے وہ کچھ نہ کر سکے۔ میں نے میٹرک کے بعد اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا ہم جہاں پر رہتے تھے وہاں اس گاؤں کے ایک زمیندار کے گھر میں میں نے ملازمت اختیار کر لی کیونکہ غربت میں زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے

میں چاہتا تھا کہ کوئی اچھی سی جاب مل جاتی میں بھی اپنے خاندان اپنی فیملی کے لیے کچھ کر سکتا مگر شاید میری قسمت میں ہی در بدر کی ٹھوکریں تھیں میں بھی کمانے لگا اور آہستہ آہستہ ہمارے گھر کی غربت میں کچھ کچھ خوشحالی آنے لگی میں جوان ہو چکا تھا اور میری بہن بھی جوان ہو چکی تھی گھر والے چاہتے تھے کہ سب سے پہلے عائشہ کی شادی کر دی جائے کیونکہ جب گھر میں بیٹی جوان ہو جائے تو والدین کو راتوں کو نیند تک نہیں آتی۔ بس یہی سوچ ہوتی ہے کہ جلدی سے جلدی وہ اپنے گھر والی ہو جائے اب گھر والے چاہتے تھے کہ عائشہ میری بہن کی شادی ہو جائے اور ساتھ ہی میری بھی شادی ہو جائے مگر ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میرے پاس تو اپنا گھر بھی نہیں تھا ہم تو کرایہ کے گھر میں رہتے تھے میں نے اپنے ابو امی سے کہا۔

آپ عائشہ کی شادی کر دیں میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں مگر وہ تھے کہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھے کہتے۔

ساتھ ہی کرنی ہے شادی آپ کی بھی۔

میں نے میری بہن نے میری امی نے اور ابو نے چھوٹے بھائی نے ہم سب نے بہت محنت کی اتنی محنت کی کہ ہم سب لوگ اکٹھے محنت مزدوری کرتے تھے اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ہم نے اپنا گھر لے لیا چھوٹا سا سر چھپانے کو ایک چھت تو ملی ہمارے کزن کی شادی تھی ہم سب لوگ بھی شامل تھے میں پہلی بار کسی خاندان کی شادی میں شریک تھا ہمارے خاندان والے بھی کوئی امیر لوگ تو نہیں تھے وہ بھی مزدوری کر کے روٹی کمانے والے تھے غریب لوگوں کی شادیاں بھی بہت سادگی سے ہوتی ہیں یہ شادی بھی ایک عام سی اور غربت کے مارے ہوئے لوگوں کی تھی جس میں کوئی بھی امیر نہیں تھا شادی کی رسم تھی مہندی کی وہاں پر چند لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ اور ساتھ ساتھ ڈھولک کی تھاپ پر رقص بھی کر رہی تھیں ان کے گیت کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر بہت پیاری بہت سندر وہاں ان لڑکیوں میں ایک لڑکی جو میری کزن تھی وہ بھی گیت گا رہی تھی۔

ہم یار ہیں تمہارے
ہم پیار ہیں تمہارے
ہم سے ملا کرو۔
کوئی شکوہ اگر ہو
ہم سے ملا کرو
ہم سے گلہ کرو
ہم یار ہیں تمہارے۔

وہ یہ گیت گا رہی تھی اور بہت پیاری لگ رہی تھی اس کے لمبے گھنے سیاہ بال اس کی خوبصورتی اور دلکشی میں اور بھی اضافہ کر رہے تھے وہ بہت پیاری تھی وہ ہمارے خاندان سے الگ ہی نظر آ رہی تھی کیونکہ وہ لاہور میں کسی کوٹھی پر کام کرتی تھی۔ اور لاہور کی آب و ہوا اور پھر امیر لوگوں کے گھروں میں رہنا کچھ تو فرق پڑتا ہے ماحول کا اس لیے میری وہ کزن جس کا نام شمیم تھا وہ بہت ماڈرن اور خوبصورت تھی مجھے آج تک کوئی لڑکی کا خیال تک نہیں آیا تھا کیونکہ سارا دن تو محنت مزدوری کرتے گزر جاتا تھا کبھی ٹائم نہیں ملتا تھا۔ وہ لڑکی میری آنکھوں کے راستے دل میں اترتی چلی گئی مہندی کی رسم کے بعد جب سارے فیملی والے اکٹھے ہوئے تو شمیم سے بات ہوئی اس نے مجھے اپنا فون نمبر دیا اور یوں اس کے ساتھ بات ہونے لگی۔ اور دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ اس کی محبت میں میں گرفتار ہوتا گیا۔ اور یوں میں نے شمیم سے کہہ دیا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور شمیم نے بھی کہا کہ شہباز میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں یوں ہماری محبت دن بدن پروان چڑھتی گئی۔ دن رات فون پر

باتیں ہوتی تھیں ہم نے ایک دوسرے کو بہت
سارے گفٹ دیئے ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنی
محبت کرتے تھے کہ دونوں کا ایک پل بھی ایک
دوسرے سے الگ رہنا مشکل تھا ہم نے بہت
عہد و پیمان کیئے ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے
کی قسمیں کھائیں ہماری محبت کی خبر ہمارے
گھر والوں کو پتہ بھی چل چکا تھا اور یوں ایک دن
میرے گھر والے شمیم کے گھر اس کا رشتہ لینے چلے
گئے شمیم کے گھر والوں نے رشتہ تو دے دیا مگر ساتھ
ایک شرط بھی رکھ دی انہوں نے کہا۔آپ عائشہ کا
رشتہ ہمارے بیٹے عمران کو دے دیں اور ہم آپکو
عائشہ کا رشتہ شہباز کے لیے دے دیتے ہیں میرے
گھر والے تو مان گئے مگر مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا
وٹے سٹے کی شادی اکثر ایسی شادیاں فلاپ ہو جاتی
ہیں مگر میرے گھر والے تو بہت خوش تھے کہ عائشہ کا
رشتہ بھی ہو جائیگا اور ساتھ میرا بھی اور یوں ہماری
شادی ہو گئی عائشہ کو بھی وہ بیاہ کر لاہور لے گئے
اور میں اپنی محبت شمیم کو بیاہ کر اپنے گاؤں لے آیا
آج ہماری سہاگ رات تھی جو زندگی میں شاید
ایکبار آتی ہے میں پہلی رات اپنی بیوی سے ایک
بات کہی شمیم ہم بہت ہی غریب ہیں اور سادہ بھی
ہیں میرے گھر والے بھی بہت سادہ سے ہیں آپ
شہر لاہور کی رہنے والی ہیں وہ لوگ اور طرح کے
تھے جہاں آپ رہتی تھیں جہاں ہم رہتے ہیں یہ ایک
گاؤں ہے اور ہم محنت مزدوری کرنے والے
ہیں پلیز یار تم ہمارے ساتھ مل جل کر رہنا اگر کسی چیز
کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا مگر کبھی ہم سے دور نہ ہونا
کبھی ناراض نہ ہونا۔کبھی میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔شمیم
نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

شہباز میں بھی ایک غریب گھرانے سے ہوں
میرے گھر والے بھی لاہور میں کوٹھیاں پر کام کرتے
ہیں اور میں بھی ایک کوٹھی پر کام کرتی تھی امیر لوگوں
کے بچے ہوئے کپڑے ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔
شہباز میرا مرنا جینا آپ کیساتھ ہے زندگی کے ہر
موڑ پر آپ کے ساتھ ہوں ہر منزل پر تیرے ساتھ
ہوں اور یوں مستقبل کے خواب بنتے ہوئے رات
گزر گئی۔شادی کے بعد ہمارے دونوں خاندان کی
زندگی میں بہت خوشیاں تھیں میری بہن عائشہ بھی
عمران کے ساتھ بہت خوش تھی میں اور شمیم بھی بہت
خوش زندگی گزار رہے تھے اسدن ہماری زندگی کی
خوشی کی انتہا نہ تھی جب مجھے ایک سال کے بعد اللہ
تعالی نے ایک ساتھ دو بیٹیاں دیں یعنی میرے
گھر میں دو بیٹیاں پیدا ہوئیں میں بہت خوش
ہوا۔میری کہ میں ایک دن میں دو بیٹیوں کا باپ بن
گیا ہوں زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں میں
چاہے جتنا غریب تھا مگر شمیم کے لیے روز فروٹ
اور اچھی اچھی خوراک کا بندوبست کرتا تھا میں نے
ہر خواہش کو شمیم کے ساتھ منسوب کر دیا تھا۔میں ان
اس کی ہر خواہش کو پورا کیا جو شمیم نے کہا میری جتنی
اوقات تھی میں نے اس سے بڑھ کر اس کی تمام
ضروریات زندگی کو پورا کیا میری زندگی میں جتنی
خوشیاں تھیں سب ایک دم بدل گئیں نجانے کس کی
نظر لگ گئی ہمارے پیار کو ہماری زندگی کی تمام
خوشیاں اجڑ گئیں سب خواب بکھر گئے ساری
خوشیاں ماتم میں تبدیل ہو گئیں زندگی اجڑ گئی۔برباد
ہو گئی زندگی میں کچھ بھی نہ رہا تھا میری ایک بیٹی بہت
بیمار تھی الماس۔الماس کو نجانے کس کی نظر لگی وہ دو ماہ
کے بعد اس دنیا سے چلی گئی اللہ کو پیاری ہو گئی میری
بیٹی الماس مجھے بہت پیاری تھی میرے جگر کا ٹکڑا تھی
مگر جیسے اللہ تعالی کو منظور تھا اس پاک ذات نے دی
تھی اس پاک ذات نے واپس لے لی اب میری
دوسری بیٹی منزہ تھی ہماری محبت کا مرکز اب منزہ بیٹی
تھی ہم منزہ سے بہت پیار کرتے تھے اس کے دم
سے ہی میرے سونے آنگن میں رونق تھی ہر طرف

چہل پہل اس کی آوازوں سے تھی کچھ دنوں سے میری بیگم میرے ساتھ کچھ خفا خفا سی تھی۔ میری بیگم کچھ بدلی بدلی سی رہنے لگی میرے ساتھ بھی اچھے انداز میں بات نہ کرتی تھی اور اکثر امی ابو کے ساتھ بھی اس کا اچھا سلوک نہیں تھا میں نے کافی اس سے پوچھا شمیم آپکو کیا ہو گیا ہے تم اتنی تبدیل کیوں ہو گئی ہے کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ مگر وہ تو کچھ بتاتی ہی نہ تھی میرے ساتھ سیدھے منہ بات تک نہیں کرتی تھی میں بہت پریشان تھا کہ اتنا پیار کرنے والی بیوی کو آخر ہو کیا گیا ہے ایک دم اس نے مجھے کہا۔

شہباز مجھے اس گاؤں میں نہیں رہنا چلو لاہور چلتے ہیں یہاں بھی مزدوری کرتے ہیں وہاں بھی مزدوری کرلیں گے مگر میں اپنے ماں باپ کو بھائی کو کسی قیمت پر بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا بس اسی وجہ سے اس نے مجھ سے بات بات پر لڑنا شروع کردیا میرے ساتھ بدتمیزی کرتی مگر میں اس کو کچھ بھی نہیں کہتا تھا کیونکہ وہ میری محبت تھی میری بیٹی کی ماں تھی اس نے ایسے ہی اپنے گھر اپنے بھائی عمران کو فون کردیتا کہ شہباز نے مجھے بہت مارا ہے وہ میری بہن عائشہ کو مارتا اس کو گالیاں دیتا مگر میری بہن عائشہ ایسی اچھی تھی کہ نجانے کتنی بار اس کو اس کے شوہر نے مارا پیٹا مگر اس نے کبھی ہمارے ساتھ کوئی بات نہیں کی تھی ہر گھر میں چھوٹی موٹی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں وہ روز بہانے بہانے سے لڑائی کرتی اور پھر اپنے بھائی کو فون کردیتی کہ بھائی مجھے شہباز نے بہت مارا ہے پیٹا ہے وہ ایسے ہی بلاوجہ میری بہن کو مارتا تھا میں خود حیران تھا کہ پتہ نہیں شمیم ایسا کیوں کر رہی ہے اس کی وجہ کیا ہے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ آخر میں نے شمیم کی بات مان لی اور میں لاہور اس کے ساتھ آ گیا۔ ہم کچھ دن لاہور مگر مجھے وہاں کا ماحول پسند نہیں آرہا تھا شمیم کے گھر کا ماحول بہت اوپن قسم کا تھا بہت ماڈرن تھے وہ سب لوگ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتے تھے ان کی لڑکیاں بھی بہت بولڈ قسم کی تھیں مجھے ماحول کچھ اچھا نہ لگا اور میں نے شمیم کو لے کر واپس آ گیا اپنے گاؤں شمیم کو مجھ پر بہت غصہ تھا کہ میں نے اس کی مرضی کے مطابق لاہور میں کام نہیں کیا شمیم کی بے تمیزی اور اس کا میرے ساتھ سلوک بہت برا ہوتا جارہا تھا شمیم کی چال چلن بھی بدلا بدلا ہوا تھا۔

دکھ جو اپنے حصے کا ہے سہنا ہوگا
ہنسنا ہوگا اور خاموش بھی رہنا ہوگا

میری بیگم اتنی بدل چکی تھی وہ اپنی بیٹی کو بھی ٹائم نہیں دیتی اس کو اپنی بیٹی کی بھی پرواہ نہیں تھی وہ اپنی مرضی سے اٹھتی تھی اپنی مرضی سے سوتی تھی شمیم نے کھانا بنانا بھی چھوڑ دیا تھا وہ بھی امی بناتی تھی وہ اتنی لاغرض اور بے حس ہو چکی تھی کہ بیٹی اس کے سامنے روتی رہتی مگر وہ اس کو دودھ بنا کر نہیں دیتی تھی اگر بیٹی نے پیشاب کردیا اس کے کپڑے خراب ہو گئے تو اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی وہ سب کچھ مجھے خود کرنا پڑتا تھا بچی کو دودھ دینا اس کے کپڑے تبدیل کرنا اس کو نہلانا سب کام میں کرتا تھا دوسرے لفظوں میں میں ہی اس کا باپ تھا اور میں ہی اس کی ماں تھا وہ سو جاتی تھی اور میں اپنی بیٹی کو ساری ساری رات لوریاں سناتا رہتا تھا اگر رات کو بچی کو دودھ دینا ہوتا تو بھی میں بنا کر دیتا اگر اس کے کپڑے گیلے ہو جاتے تو وہ بھی میں ہی تبدیل کرتا تھا وہ تو پتھر کی بن گئی تھی جس کو اپنے خون کی پرواہ نہیں تھی۔ پتا نہیں وہ کیسی ماں تھی وہ تو ماں جیسی عظیم ہستی کے نام پر بھی ایک لعنت بن گئی تھی جس ماں کو اپنی بیٹی کا احساس نہیں وہ کسی اور کا احساس کیا کرے گی۔ دھوپ بہت تیز تھی اور جس جگہ پر ایک درخت کے سائے میں چارپائی پر میری بیٹی سوئی ہوئی تھی اس پر چھاؤں ڈھل گئی اور دھوپ آ گئی میں کام میں مصروف تھا میں نے شمیم سے کہا۔

منزہ بچی کو دھوپ سے اٹھا کر چھاؤں میں ڈال کیوں نہیں رہی ہے۔

اس نے میری ایک نہ سنی اور وہ نجانے کس کا ساتھ فون پر بات کرتی رہی مجھے بہت غصہ آیا مگر میں نے کچھ نہ کہا اور خود ہی بچی کو اٹھا کر چھاؤں پر ڈال دیا میں اس دن ذہنی طور پر بہت پریشان تھا کہ اس کو ذرا بھی احساس نہیں ہے ہم سب کا یہ کیسی بیوی ہے یہ کیسی میری جیون ساتھی ہے میں سوچ رہا تھا اب کیا کروں اس کو چھوڑ دوں اس کو طلاق دے دوں پھر خیال آتا یہ میری محبت ہے پھر خیال آتا چھوٹی سی بچی کہاں جائے گی پھر خیال آتا میری بہن کا کیا ہوگا۔ میرے ذہن میں ایسے خیالات تھے کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ میں گاؤں میں مشین پر کام کر رہا تھا مشین پر کام کرتے ہوئے میرے دل میں صرف اور صرف شمیم کی پریشانی اور اس کا غلط سکون تھا تو کا مشین تھی میں چارہ لگا رہا تھا اس مشین میں میرے ذہن تو شمیم کی طرف تھا اچانک میرا ہاتھ اس ٹوکا مشین کے اندر آ گیا اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب میرا ہاتھ کٹ چکا تھا خون کے فوارے جاری تھے ہر طرف خون ہی خون تھا سب گھر والے بھاگ کر میرے پاس آئے شمیم بھی آ گئی۔ اور گھر میں اک کہرام مچ گیا تھا میں بے ہوش ہو گیا تھا گاؤں کے چوہدری نے جس کے پاس ہم کام کرتے تھے اس نے مجھے اپنی گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے آیا جب مجھے ہوش آیا تو میرا ہاتھ کٹ چکا تھا اور اس پر پٹی لگی ہوئی تھی میری امی ابو اور باقی رشتہ دار سب رو رہے تھے اور ساتھ شمیم بھی۔

ایک ہفتہ ہسپتال میں رہا پھر گھر آ گیا۔ ہمارے چوہدری نے ہماری بہت خدمت کی بہت مدد کی سارا خرچہ برداشت کیا اور پھر پورے گاؤں والوں نے بھی ہماری بہت مدد کی پیسے بھی دیئے کھانا وغیرہ بھی دیا لاکھ سے اوپر خرچہ آ گیا تھا۔ مگر بہت اچھے لوگ تھے سارے گاؤں والے جنہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا بہت مدد کی آہستہ آہستہ میرا زخم ٹھیک ہونے لگا مگر شمیم کو کچھ احساس اب بھی نہیں ہوا تھا بلکہ اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ بے تمیزی کرتی تھی اس کو اتنا احساس تک نہیں تھا کہ پہلے اس کی وجہ سے اس کی پریشانی کی وجہ سے میں معذور ہو گیا تھا ہمیشہ کے لیے دوسروں کا محتاج ہو گیا ہوں اصل میں اب مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ میرے ساتھ خوش نہیں تھی وہ کسی اور سے محبت کی باتیں کرتی تھی وہ کسی اور کے ساتھ سیٹ ہو چکی تھی وہ بہت خراب ہو چکی تھی وہ مجھ سے طلاق لینا چاہتی تھی۔

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگ جاں میں اتر جائے گا
وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ تو پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا

انسانیت تو یہ تھی کہ میں ایک ہاتھ سے معذور ہو چکا تھا اس کو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا میں جیسا بھی تھا میرا حوصلہ بڑھانا چاہیے تھا مگر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور ایک دن بغیر بتائے گھر سے چلی گئی اور گھر جا کر سب کو بتایا کہ شہباز کے گھر والوں نے مجھے بہت مارا ہے انہوں نے میری بہن کو بہت مارا اور اس کو گھر سے نکال دیا، بیچاری گھر آ گئی دنیا اجڑ گئی میرا گھر بھی تباہ ہو گیا اور ساتھ میری بہن کا گھر بھی اور وہ اتنی ظالم تھی کہ اپنی چھوٹی سی بچی کو چھوڑ کر لاہور اپنے نئے عاشق کے لیے چلی گئی اب ایک تو میں ایک ہاتھ سے معذور دوسرا چھوٹی سی بچی زندگی عجیب موڑ پر لے آئی تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی بچی بہت روتی تھی امی ابو اور چند خاندان کے لوگ شمیم کے گھر گئے اور کہا کہ بچی کی طبیعت بہت خراب ہے آپ لوگ لڑائی ختم کریں اور ایک دوسرے کے گھر میں امن اور سکون سے زندگی

گزاریں شمیم پھر سے میرے گھر آگئی اور میری بہن
ان کے گھر چلی گئی۔

چند دنوں کے بعد ہی میرے گھر میں ایک
قیامت ٹوٹ پڑی جب ہمیں پتہ چلا کہ میری بہن
گھر سے فرار ہو کر دارالامان میں چلی گئی ہے
دارالامان سے پتہ کیا تو عائشہ پھوٹ پھوٹ
رونے لگی ہم اسے گھر لے آئے۔ عائشہ نے بتایا کہ
اس کا بھائی یعنی شمیم کا بھائی عمران بہت بے غیرت
انسان ہے بہت ہی کمینہ شخص ہے اس نے مجھے بہت
مارا ہے اور کہتا ہے۔

اگر آپ کو اس گھر میں رہنا ہے تو آپ کو میری
باتیں ماننا ہوں گی جس طرح میں چاہتا ہوں وہی
آپ کو کرنا ہوگا عائشہ نے بتایا کہ اس کا بے غیرت
شوہر عمران اسے کہتا تھا کہ تم رات کو میرے دوستوں
کے چلی جایا کرو اور ان کا دل بہلایا کرو ان کا بستر گرم
کیا کرو اور روز ہی اچھی کمائی لایا کرو یعنی مجھے جسم
فروشی کرنے کو کہا۔ میں نے کہا۔

تم اتنے بے غیرت ہو جاؤ گے تم اتنے گر جاؤ
گے تم اتنے کمینے ہو جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی
نہیں سکتی تھی بس مجھے اس بات سے اس نے مجھے
بہت مارا پیٹا اور مجھے دارالامان میں چھوڑ آئے مجھے
بہت افسوس ہوا کہ کتنے گھٹیا اور کتنے بے غیرت
انسان ہیں میں نے شمیم کو پاس بٹھایا اور اس کو
سمجھایا اور کہا۔

شمیم تم میری محبت ہو تم سے میں نے محبت کی
ہے میں نے محنت مزدوری کر کے آپ کی تمام
ضروریات زندگی کو پورا کیا ہے مگر تم نے
اور تمہارے خاندان والوں نے اچھا نہیں کیا ابھی
بھی وقت ہے اپنے بھائی کو سمجھاؤ کہ انسان بن
جائے اور دو گھروں کو اجڑنے سے روک لو میں نے
کہا میں ایک ہاتھ سے معذور ہوں مگر میں پھر بھی
ایک ہاتھ سے اتنا کچھ کما لوں گا کہ تم کو بھوکا
نہیں رہنے دوں گا میرا ہاتھ بن جاؤ میرا ساتھ بن
جاؤ۔ ارے اگر انسان کا اگر کوئی اعضا ناکارہ
ہو جائے تو اس کو پھینک نہیں دیتے بلکہ اس کو اپنے
گلے سے لگا لیتے ہیں۔

نشہ پلا کر گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے گرتوں کو تھام لے ساقی

میں نے کہا شمیم تم میرا نہ سہی اپنے لیے نہیں مگر
اس چھوٹی سی جان کی طرف دیکھو اس کو اپنی ماں کا
پیار دو اس کو ممتا دو اس کی توجہ دو اس کی حالت پر رحم
کرو مگر شمیم نے میری ایک نہ مانی اور ایک رات
مجھے اور میری بیٹی منزہ کو چھوڑ کر چلی گئی میں نے کافی
تلاش کیا مگر وہ نہ ملی کچھ دنوں کے بعد پتہ چلا کہ وہ
لاہور اپنے بے غیرت بھائی کے پاس اپنے خاندان
اور فیملی کے پاس ہے ادھر بیٹی کو بخار ادھر میرا ایک
ہاتھ دوسرا میری بہن کا دکھ تیسرا غربت کے تھپیڑے
بہت ہی مشکل تھا ایسے حالات میں زندہ رہنا عائشہ کو
اولاد نہیں تھی وہ میری بیٹی کو ماں کی طرح سنبھالتی تھی
اور بہت خیال رکھتی تھی۔

اس نے مجھ سے طلاق لے لی۔ بعد میں پتہ
چلا کہ شمیم نے تو لاہور میں کسی سے شادی کر لی ہے
وہ کوئی اور نہیں اس کا عاشق تھا جس سے وہ فون پر
باتیں کرتی تھی جس کی وجہ سے اس نے دو گھروں کو
تباہ برباد کر دیا۔ طلاق لینے کے بعد اس نے مجھ سے
میری بیٹی کو چھیننے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کیا
ماں ایسی ہوتی ہے وہ تو ماں کے نام پر بھی ایک گالی
تھی اتنا گر جائے گی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ جب بچی کو
ماں کی ضرورت تھی تب وہ تو میں اس کے لیے ماں تھا
کیونکہ میں ہی اس کو اپنے پاس سلاتا تھا اس کے
کپڑے بھی تبدیل میں کرتا تھا اس کو پیشاب بھی
میں ہی کرواتا تھا تب کہاں تھی اس کی ممتا تب کہاں گئی
اس کی محبت اس نے مجھ سے طلاق لیتے وقت مجھے
چھوڑتے وقت ایک لمحہ بھی کے لیے بھی نہ سوچا تھا

کہ میری ایک چھوٹی سی بچی ہے اس کا کیا بنے گا یہ تو ابھی کتنی چھوٹی ہے مگر جب انسان اپنے پیاروں سے بغاوت کرتا ہے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے بھی ارادہ کرلیا تھا کہ چاہے جو بھی ہو جائے میں اپنی بیٹی اس کو کسی بھی قیمت پر نہیں دوں گا۔ جس نے اس کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنی ایک نئی دنیا بسالی تھی۔

وقت گزرتا گیا میں مر تو سکتا تھا لیکن اپنی بیٹی اس کو دینا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی دونگا۔ وہ اپنے نئے شوہر کے ساتھ خوش ہے مگر ہماری زندگی برباد کر کے اس نے اچھا نہیں کیا میری بیٹی کو تین روز سے بخار ہے امیں اس کو آج ہسپتال لے کر آیا ہوں لائین میں پرچی لیتے ہوئے مجھے بہت دیر ہوگئی میرا ایک ہاتھ بھی نہیں ہے ایک ہاتھ سے معذور بھی ہوں اور اوپر سے یہ چھوٹی سی جان ہے اس کو بھی سنبھالنا ہوتا ہے۔

اپنا مٹی کا دیا توڑ نہ لینا یارو
جب بھی چاند کو آنگن میں اترتے دیکھو

جی قارئین کرام یہ تھی لاہور کے ایک سرکاری ہسپتال میں ایک ہاتھ سے معذور انسان کی داستان یہ سنکر میری آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے قطرے گر رہے تھے۔

محمد شہباز زخمی نے چند ضروری باتیں کہیں کہ میری یہ باتیں تمام دنیا کے لوگوں کو ضرور بتادیں۔ اس نے اپنی برستی آنکھوں سے کچھ باتوں کو یوں کہا کہ میں جواب عرض کے تمام قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ پلیز میرے لیے اور میری بیٹی کے لیے صحت کی دعا کریں اور مجھے افسوس اس بات کا نہیں ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ جب میں ٹھیک تھا کماتا تھا تب تو وہ میری بیوی بھی تھی میری محبت بھی تھی مجھ سے محبت بھی کرتی تھی مگر جیسے ہی میرا ہاتھ کٹ گیا اس کی محبت بھی بدل گئی۔ چاہت بھی اور اس کی ممتا بھی میں تمام لوگوں سے درخواست کرتا ہوں زندگی میں عروج زوال آتے رہتے ہیں غربت امیری آتی رہتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے ہاتھ کان آنکھ پاؤں وہ لے بھی سکتا ہے اس لیے کسی کو ایسے حالات میں تنہا مت چھوڑنا جب کسی کو اس کی ضرورت ہو جیسے میری بیوی نے مجھے معذور سمجھ کرنا کارہ سمجھ کر چھوڑ دیا مگر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے میں آج بھی دس بارہ ہزار روپے کما لیتا ہوں جس سے ہماری روزی روٹی چل رہی ہے مگر یہ دنیا مکافات عمل ہے اس کو ہمارے ساتھ کی گئی زیادتی کا بدلہ ضرور دینا ہوگا۔ اور وہ دن دور نہیں ہے

کبھی درد ملے تو ضرور سوچنے گا
کیسے ٹوٹتی ہے ہجر کے ماروں پر قیامت

قارئین کرام یہ تھی زخمی داستان انوکھے روگ محبت کے امید ہے کہ ضرور آپ کو پسند آئے گی آپ لوگوں کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا آپ تمام لوگ اینپرائے اگر ایک ایس ایم ایس یا ایک منٹ کی کال کر کے بھی کردیں گے تو میرا حوصلہ اور بلند ہوجائیگا تمام شریک حیات ایک جیسی نہیں ہوتیں مگر رشتے کبھی ایسے توڑنے نہیں چاہیے کسی کے ساتھ اگر تم نباہ نہیں کر سکتے تو اس کے ساتھ تعلق کبھی بڑھاؤ ہی نہیں۔ کبھی جھوٹ نہ بولو اور کبھی کسی کو دھوکا نہ دیں بس محبت کریں محبت ہی ساری دنیا میں بانٹ دیں کیونکہ یہ دنیا محبت کے دم سے ہی قائم ہے اپنی یہ تحریر قراۃ العین عینی۔ شاویز حیدر رخسانہ ملک اور بہت ہی پیاری اور سویٹ سی سندری کزن مس ماریہ شمائل کے نام کرتا ہوں۔

ماں تجھے سلام

۔۔تحریر۔حسن رضا۔رکن سٹی۔0345.4552134

شہزادہ بھائی۔السلام وعلیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔
میں آج پھر اپنی ایک نئی تحریر ماں تجھے سلام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں یہ ایک بہترین کہانی ہے اسے پڑھ کر آپ چونکیں گے ادارہ جواب عرض کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کہانی میں شامل تمام کرداروں مقامات کے نام تبدیل کر دیئے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کا ادارہ یا رائٹر ذمہ دار نہیں ہوگا۔اس کہانی میں کیا کچھ ہے آپ کو پڑھنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

ماں کی محبت مستحکم ماں کے پیار میں ذرا سی بھی ملاوٹ نہیں ہے ماں کی محبت بالکل پاکیزہ وشفاف ماں دنیا کی عظیم ہستی ہے ہے ماں کہنے کو تو ایک بہت چھوٹا سا لفظ ہے لیکن یہ اپنے اندر محبتوں کا ایک لامحدود ذخیرہ ہے جمع رکھتا ہے جو ماں کی صرف قدر کرنے والا ہی جان سکتا ہے ماں ہی تو ہے جو اس دنیا میں سچا رشتہ ہے جو بغیر لالچ کے اپنا فرض نبھاتی ہے خدارا اپنی ماں کی قدر کرنا سیکھو جو اپنی ماں سے منہ پھیرے گا کل قیامت کے دن اللہ رب العزت اس بندے سے منہ پھیر لیتے گا۔

پچھلے دنوں کی بات ہے کہ میں کسی کام کے لیے اسلام آباد جا رہا تھا ایک دوست کے ساتھ ہمارا سفر کافی خوشگوار گزرا ہم اسلام پہنچے تو سگنل پہ گاڑی کو روکنا پڑا جب گاڑی رکی تو اسی وقت ایک خاتون آگئی بیٹا اللہ کے نام پر دے دو کچھ بھوک لگی ہے کچھ کھالوں گی میں اس خاتون کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ مانگنے والی نہیں تھی ضرور حالات سے مجبور کر کر شاید اسے یہ کام کرنا پڑا ہو صائم یار گاڑی سائیڈ پہ کرو۔

کیوں۔؟

یار کرو ناں جلدی۔ماں جی رکیے۔

جی بیٹا کیا کہنا ہے۔؟

ماں جی ایک سول پوچھنا ہے آپ سے آپ برا تو نہیں مانیں گی۔؟

نہیں بیٹا آپ پوچھو۔ماں جی آپ مجھے مانگنے والی نہیں لگتی۔ضرور آپ کے ساتھ کوئی غلط ہوا ہے۔ماں جی بولیے ناں پلیز۔

میں ادھر ہی اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اس خاتون کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

ہاں بیٹا میں واقع بھیگ مانگنے والی نہیں ہوں بس حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ میں بھیک پر مجبور ہوئی ہوں۔

ماں جی کیا آپ اپنا دکھ میرے ساتھ اپنا بیٹا سمجھ کر بانٹ سکتی ہیں۔

بیٹا تم سب جان کر کیا کرو گے۔؟

ماں جی پلیز بتا یئے ناں۔

اچھا بیٹا ٹھیک ہے بیٹا میں آپ کو اپنے متعلق سب کچھ بتا دوں گی لیکن آج نہیں کل اسی ٹائم اسی جگہ پر آجانا میں تم کو اسی جگہ پر ملوں گی۔

شکریہ ماں جی۔

میں کل اسی جگہ اسی وقت آجاؤں گا خدا حافظ۔

ہم گاڑی میں بیٹھ کر گئے صائم ڈرائیو کر رہا کہ مجھے پتہ چلا ہی نہیں کہ میں کن گہری سوچوں میں کہ

صائم نے کہا حسن یار کہاں کھو گئے ہو۔

چلو یار۔ ہم دونوں ایک ہوٹل میں چلے گئے کھانے کا آرڈر دیا یار صائم پتہ نہیں اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا میں یہ سب کچھ جاننے کے لیے بہت بے تاب تھا حسن تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ خاتون واپس اس جگہ پر کل آئے گی کیا۔

ہاں یار وہ ضرور آئے گی یار کیسے ظالم بیٹے ہیں کسی ظالم اولاد ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیا کہ وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی وہ ماں جس کے پیار میں کوئی ملاوٹ نہ تو دکھاوے کے لیے پیار محبت کرتی ہے نہ لالچ کی خاطر خیر ہم نے کھانا کھایا فارغ ہوئے وہاں سے تو میں نے کہا صائم جو بھی کام ہے تم آج ختم کر لو پلیز اچھا یار ٹھیک ہے۔

دوسرے دن صائم اور میں مطلوبہ جگہ پر اسی ٹائم پر پہنچ گئے لیکن ابھی تک وہ خاتون نہیں آئی تھی ہم دونوں اس کا انتظار کر رہے تھے صائم یار مجھے لگتا ہے کہ وہ۔۔ یار تو کچھ دیر اور رک جانا۔ ابھی ہم گفتگو میں ہی تھے کہ وہ خاتون دور سے آتی ہوئی دکھائی دی وہ دیکھ کر صائم وہ آ گئی۔

اسلام علیکم بیٹا۔

وعلیکم اسلام۔ اماں جی کیسی ہیں آپ بیٹا میں ٹھیک ہوں تم لوگ سناؤ کیسے زندگی گزر رہی ہے۔

اماں جی ہم بھی ٹھیک ہیں آؤ اماں جی ادھر پارک میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں ادھر ہم ہی قریبی ایک پارک میں اس خاتون کے ساتھ بیٹھ گئے اس کے ساتھ کیسا ظلم ہوا اس کی زبانی سنتے ہیں۔

میرا نام عائشہ ہے مجھے ماں باپ نے جب گھر میں بیاہ کے دیا تھا وہ لوگ بھی کافی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے میرا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام زبیر تھا جب وہ بڑا ہوا تو اس کی شادی کی ہم نے۔ ایک نیا فرد ہمارے گھر میں آ گیا تھا آخر دن گزرتے رہے زبیر کا ادھر ہی آفس میں کام ہوتا تھا وہ صبح جاتا اور شام کو واپس آ جاتا اچھا خاصہ گھر کا ماحول تھا ہم سب بہت خوش تھے۔

ایک دن کی بات ہے کہ ثناء جو کہ زبیر کی وائف تھی یعنی میری بہو تھی مجھے لگا کہ وہ کسی سے بات کر رہی ہے جو موبائل پر تو میں نے کہا کہ بہو کس کی کال ہے۔۔۔ ثناء۔۔۔ ثنا بیٹا کس کا فون ہے۔ امی جی کا امی سے بات کر رہی ہوں۔۔ اچھا بیٹا ٹھیک ہے امی طرف اب تو ثناء کا معمول بن گیا تھا کہ ثناء جب زبیر چلا جاتا تو پیچھے سے سارا سارا دن فون پر بات کرتی رہتی تھی مجھے اب ثنا پر کچھ شک سا پڑنے لگا کہ آخر کون ہو سکتا ہے جس پر سارا سارا دن وہ فون پر بات کرتی ہے خیر دن گزرتے گئے۔

ایک دن میں نے زبیر کو کہا کہ زبیر بیٹا یہ کسی سے فون پر بات کرتی ہے سارا سارا دن۔ اماں تم شک نہ کیا کرو وہ کسی سے بات نہیں کرتی پلیز چپ ہو جاؤ۔۔۔ ایک دن کی بات ہے کہ ثنا موبائل چارجنگ پر لگا کر شاپ تک گئی ہوئی تھی کہ اس کا فون آ گیا مسلسل بج رہا تھا میں نے کہا کہ دیکھوں تو سہی کون ہے میں نے کال پک کی تو آگے سے کوئی لڑکا بول رہا تھا کہہ رہا تھا، جان کہاں چلی گئی تھی تمہارا خاوند تو نہیں تھا تمہارے پاس جو تم کال اٹینڈ نہیں کر رہی تھی میں نے کہا کون ہو تم اور ثنا سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔

آگے سے اس نے کال کاٹ دی اتنے میں ثنا بھی آ گئی میں نے کہا کہ تمہارے فون پر ابھی کال آئی تھی یہ لڑکا کون ہے تو ثنا، غصہ کرنے لگی کہ تم نے میرے پیچھے سے موبائل کو ہاتھ کیوں لگایا جو بھی ہو تم کیا اس سے کیا لینا دینا۔

رات کو جب زبیر گھر آیا تو سارا میں نے زبیر کو قصہ سنا دیا زبیر نے ثنا سے پوچھا کہ ہاں کسی کی کال تھی زبیر تمہیں تو پتہ ہے کہ بھلا مجھے کون فون کر سکتا ہے یہ سب کچھ جھوٹ بول رہی ہے اماں تم شک نا کیا کرو کیوں ہمارا گھر برباد کرنا چاہتی ہو۔

سوری میں ایک بات بتانا بھول گئی تھی میرے شوہر یعنی کے زبیر کے ابو وہ ایئر فورس میں تھے جب زبیر کی عمر دس سال تھی تو اس وقت کی بات ہے کہ میں معمول کے مطابق کام کر رہی تھی کہ باہر سے ایمبولینس آئی وہ ہمارے ہی دروازے پر رکی پتہ چلا کہ یہ زبیر کے ابو کی میت ہے وہ بھی گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خطرناک حادثے میں زبیر کے ابو کی وفات ہوگئی ہے اس کے بعد میں تو تنہا ہوگئی تھی بیٹا ویسے نہیں سمجھتا تھا خیر دن گزرتے گئے۔

ایک دن ایسے ہی ثناء کال پر بات کر رہی تھی کہ تھوڑی دیر بعد لڑکا گھر میں آیا ثناء اسے اپنے کمرے میں بیٹھایا تھا میں بہت حیران ہوئی کہ پہلے تو صرف کال ہوتی تھی اب ملنا بھی ملانا بھی شروع ہوگیا نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی کبھی نہیں۔ زبیر آیا تو میں نے کہا بیٹا ثناء آج کل ٹھیک نہیں کر رہی اس کو روکتے کیوں نہیں پہلے تو کال پر بات ہوتی تھی اب تو آج ایک لڑکا بھی آیا تھا اس کے کمرے میں کافی دیر رہا ثناء کیا اماں سچ کہہ رہی ہے۔

نہیں یہ جھوٹ بول رہی ہے زبیر یہ جھوٹ بولتی ہیں قسم سے آج ایک لڑکا آیا تھا اماں تم میرا کیوں گھر برباد کرنا چاہتی ہو اس سے پہلے کہ میرا گھر اجڑ جائے آپ جا سکتی ہیں۔۔۔کیا؟

زبیر بیٹا میں تمہارا گھر کیوں برباد کروں گی بھلا میں تمہاری ماں ہوں بیٹا زبیر کیا تو مجھے گھر سے نکال دے گا۔ ماں میں کچھ نہیں سننا چاہتا بس کریں آپ بس جاؤ آپ کہیں بھی جاؤ پر ہمارا جینا تو نہ حرام کرو تم سے کم اس طرح میں نے کافی منت سماجت کیں پر بیٹا تو اچھا نہیں کر۔ ر۔ با لیکن اس نے میری ایک نہ سنی ان لوگوں نے مجھے گھر سے نکال دیا لیکن میں ان کے لیے بددعا نہیں کروں گی بلکہ دعا ہی دوں گی کہ وہ خوش رہیں ہمیشہ خوش آباد رہیں۔ ماں جی اتنا سب ہونے کے باوجود بھی آپ ان کے لیے دعا کر رہی ہوں۔

ہاں بیٹا میں ماں ہوں ناں ان کی۔

ماں جی کتنا عرصہ ہوگیا آپ کو اس حالت میں۔

تقریباً دو سال ہوگئے ہیں بیٹا۔

ماں جی آپ کا بیٹا کہاں رہتا ہے وہ ساتھ والے گاؤں میں ہی رہتا ہے۔۔ ماں جی آپ چلئے ہمارے ساتھ۔

نہیں بیٹا نہیں۔۔ اماں جی آپ چلیے ناں۔ چلو صائم ان کے گاؤں کی طرف۔

ہم ان کے گاؤں روانہ ہوگئے تقریباً اسلام آباد سے ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد ہم ان کے گھر پہنچ گئے دروازے پر دستک دی تو ایک نوجوان نے دروازہ کھولا جو کہ پتہ نہیں شاید ان کا بیٹا ہی تھا شیو بڑھی ہوئی تھی اداس چہرہ وہ نوجوان خاتون کو دیکھتے ہی رو پڑا۔۔ اماں جی۔۔۔ اماں جی۔۔۔ مجھے معاف کر دو اماں جی میں اجڑ گیا ہوں۔ اماں جی آپ سچ کہتی تھیں میں ہی غلط تھا جو کہ آپ کی بات نہیں مانی ثناء پر آپ سے زیادہ یقین کیا پر ثناء نے مجھے دھوکہ دیا ہے اماں جی مجھے معاف کر دو پھر اس طرح اس نے ماجرہ سنایا کہ ثناء کو کمرے میں دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے میں نے پوچھا یہ سب کیا ہے۔ زبیر میں اس لڑکے سے پیار کرتی ہوں اور میں تم سے طلاق چاہتی ہوں اس طرح میرا گھر اجڑ گیا خیر ماں اور بیٹے کو ایک کیا اچھا ماں جی ہم چلتے ہیں کافی لیٹ ہوگئے ہیں۔

ہم نے بہت دور جانا ہے۔

نہیں پتر آج آپ رہو ناں ہمارے پاس۔

اماں جی بہت شکریہ ہم کو آج ہر حال میں جانا ہے ہمارا جو مقصد تھا پورا ہوگیا ہے۔۔ یہ تھی اماں کی کہانی قارئین میری تو بس آپ سے ایک ہی ریکویسٹ ہے کہ کہ اپنی ماں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں ماں تو [illegible] ہے جو ہمیں سچا پیار کرتی ہے جس میں ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اجازت چاہتا ہوں۔

غزلیں نظمیں

اب تو میری

اب تو میری تنہائیوں کو بھی مجھ
سے وحشت ہونے لگی ہے
دعا کرو کہ یہ موت ہی اب مجھ سے
وفا کرے
کتنے تنہا ہوئے ہیں ہم فقط
تمہارے روٹھ جانے سے ساتی
دیکھ ہمیں اس محبت کی اتنی کراری
سزا تو مت دے
کتنی تنہا ہے میرے دل کی بستی
ہو سکے تو ملنے چلے آؤ ایک بار
روٹھنے والوں کا کیا وہ تو بن بتائے
روٹھ جاتے ہیں مریو
دکھ تو ان کو ہوتا ہے جو انہیں حد
سے زیادہ چاہتے ہیں
ہم تنہا زمانے میں فقط اس لیے
ہیں مریو
کہ ہمیں آج تک کوئی مخلص
چاہنے والا نہیں ملا
مریو۔ چکوال۔

کچھ ہم بھی پاگل تھے

کچھ عمر کی پہلی منزل تھی
کچھ رستے تھے انجان بہت
کچھ ہم بھی پاگل تھے لیکن
کچھ وہ بھی تھے نادان بہت
کچھ اس نے بھی نہ سمجھایا
یہ پیار نہیں آسان بہت
آخر ہم نے بھی کھیل لیا
جس کھیل میں تھے نقصان بہت
جب بکھر گیا تب یہ جانا
آتے ہیں یہاں طوفان بہت
اب کوئی نہیں جو اپنا ہو
ملنے کو تو ہیں انسان بہت
اے کاش وہ واپس آجائے
یہ دل ہے اب سنسان بہت
مریو۔ چکوال۔

ہمیں بھی یاد کر لینا جب داستان
وفا لکھنے بیٹھیں مریو
کہ ہم نے بھی کھویا ہے کسی کی
محبت میں سکون اپنا
مریو۔ چکوال۔

میں یاد آؤں گا

میری ماں تجھے میرا مسکرانا یاد آئے گا
وہ اتنے پیار سے مجھ کو بلانا یاد آئے گا
میں نادان ہوں جو روتا ہوں تو
ہاتھوں سے کھلا مجھ کو
ماں تجھے وہ پیار سے مجھ کو کھلانا یاد
آئے گا
میری ضد تھی کہ اب میں لنچ بھی
تیرے ہاتھوں سے کھاؤں گا
میرے بستے میں تجھے وہ لنچ چھپانا
یاد آئے گا
لگا کر اپنے سینے سے مجھے رخصت
تو کرتی تھی
وہ مڑ مڑ کر تجھے میرا ہاتھ ہلانا یاد
آئے گا
امیدیں اب نہیں رکھنا میری ماں
واپس آنے کی
تجھے اب عمر بھر میرا وہ جانا یاد آئیگا
کشور کرن۔ پتوکی۔

چھوٹی سی ہے زندگی ہنس کے جیو
بھلا کے غم سارے دل سے جیو
اداسی میں کیا رکھا ہے
مسکرا کر جیو
اپنے لیے نہ سہی
اپنوں کے لیے جیو
ایم رانی۔ سرگودھا۔

ہمارے چمن کو بستے جلانے آئے
تھے
ہمیں کیوں حق کی راہوں سے
ہٹانے آئے تھے ظالم
مگر وہ بھول بیٹھے تھے ٹکرا لیں
گے طوفانوں سے
جو من سے علم کی شمع کو بجھانے
آئے تھے ظالم
کشور کرن۔ پتوکی

غزل

وہ مجھ سے محبت کرتا ہے
مگر میرا نام لینے سے ڈرتا ہے
میں ایک نظم لکھوں اس پہ تو
وہ مجھ پہ کئی غزلیں لکھتا ہے
تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو
آنکھوں سے سوال کرتے مجھے
دیکھتا ہے
میں بے وفا بے پرواہ وہ پاگل
میرے نام کی مالا جپتا ہے
اب تو مجھے لگتا ہے عاشا
وہ دھیرے دھیرے مجھ پر مرتا ہے
عائشہ نور عاشا

غزل

عذاب یونہی نہ زندگی کرنا
خوب تسلیوں سے دوستی کرنا
لوگ خدا کی طرح رحیم نہیں
تم نہ لوگوں کی بندگی کرنا
روشنی چاند کی بے وفا ٹھہری
تم ستاروں کی روشنی کرنا
وعدہ ٹوٹے تو سانسیں ٹوٹیں گی
تم نہ وعدہ کی کھنی کرنا
دل میں حسرتوں کے پھول جلتے
ہیں پھر سے آنکھوں کو شبنمی کرنا
جنس نایاب ہوئی یہ دنیا میں
میرے مالک مجھے آدمی کرنا
ہوش لینے رواب تبسم کو
درد و غم میں ذرا سی کرنا
الطاف حسین دکھی میر پور

غزل

وہ جدائی کی سزا دیتے رہے
ہم آتش شوق میں جلے وفا دیتے
رہے
ذکر محبوب ہی عشق ہے
ہم بھر بھر کے ہجر کا جام پیتے رہے
ان کی گلی سے گزرے تو قیامت
آ گئی
محبت
ہم پھولوں کی طرح خاروں میں
مسکراتے رہے
تاریکی تو میرے مقدر میں تھی
ہم غم کا افسانہ چپ رہ کر بیان
کرتے رہے
آنکھوں سے نیند بھی لے گیا وہ
دوست
ہم خاموش محبت کی صدا دیتے
رہے
کبھی تو ہماری گلی سے گزر ہو گا ان
کا
آدھی عمر گنوا دی انتظار میں دعا
دیتے رہے
ہم گلہ کریں تو کس سے کہ سامنے
نہ آیا کریں
سننے والے بہت جینے کی دعا دیتے
رہے
ہماری خطا کیا تھی جو خفا ہو گئے
شمع زندگی جل گئی وہ جن کے لیے
ہم فنا ہوتے رہے
رضیہ سلطانہ لاہور

غزل

پہلی فرصت میں کہہ دینا مجھے تم
سے محبت ہے
نہ نفرت میں پڑے رہنا مجھے تم
سے محبت ہے
دنیا طنز کرتی ہے ہمیشہ پیار والوں
پر دکھی
میری خاطر بھی دکھ سہنا مجھے تم سے
محبت ہے
میرے ہو میرے رہنا مجھے تم سے
محبت ہے
میرا اقرار سننے کو تو کتنا مجھ سے کہتا
تھا دکھی
ذرا پھر سے یہی کہنا مجھے تم سے
محبت ہے
ابھی تک قائم ہوں میں تو اسی
الفت کے وعدے پر دکھی
محبت ہے میرا گہنا مجھے تم سے محبت
ہے
کہیں گمنام راہوں پہ ملے دکھی
اظہر
تو اس کو اتنا کہہ دینا مجھے تم سے
محبت ہے
اظہر سیف دکھی مسجد بلال سکھیکی
منڈی

غزل

میں نظر سے پی رہا ہوں یہ سماں
بدل نہ جائے
یہ جھکاؤ تم نگاہیں کہیں رات ڈھل
نہ جائے
میرے اشک بھی ہیں اس میں
شراب ابل نہ جائے
میرا جام چھونے والے تیرا ہاتھ
جل نہ جائے
ابھی رات کچھ ہے باقی نہ اٹھا
نقاب ساقی
دیوانہ گرتے گرتے کہیں پھر
سنبھل نہ جائے

میری زندگی کے مالک میرے دل پہ ہاتھ رکھنا
تیرے آنے کی خوشی میں میرا دل پگل نہ جائے
مجھے پھونکنے سے پہلے میرا دل نکال لینا
یہ کسی کی ہے امانت کہیں میرے ساتھ جل نہ جائے

صداقت علی چوکی

غزل

داغ دل کے دکھاؤں کیسے
تجھ حال دل سناؤں کیسے
رنگ ہجر زیست کا ہے یارو
کس کس کو میں دکھاؤں کیسے
پھول چمن سے پھر خفا ہیں
میں اب اسے مناؤں کیسے
رسم رواج بدل دیں اب
لوگوں کو اب سمجھاؤں کیسے
غم کی راہ پہ چلتے چلتے
گرد سفر ہو جاؤں کیسے
زمانے کی بات نہ کر جاوید
اپنا درد پھر سے سناؤں کیسے

محمد اسلم جاوید فیصل آباد

غزل

کیا بتاؤں کہ کہاں زخم کھایا میں نے
اتنا کہتا ہوں اک بے وفا سے دل لگایا میں نے
کتنی آزمائشوں سے گزر رہا تھا ساحل میں
پھر کبھی بھی اسے نہ آزمایا میں نے
جس کے پیار میں ڈوب کر بھلایا زمانہ
پل بھر کے لیے بھی اسے نہ بھلایا میں نے
ایک لمحے میں ہو گیا وہ پاش پاش
جو برسوں سے تھا خواب سجایا میں نے
خطا میری ہے قصور بھی میرا اپنا ہے
جو اک بے وفا کو اپنا بنایا میں نے
نا جانے اپنے وعدوں سے کیوں مکر گیا تھا وہ
جب کہ ہر حال میں وعدہ وفا نبھایا میں نے
بیگانوں جیسا سلوک کرتا ہے وہ مجھ سے ساحل
اس بے وفا کو کبھی نہ سمجھا پرایا میں نے

ملک عبدالرحمان ساحل خانپور

غزل

بھول جاؤ ہمیں بس من کی بات بتا دینا
ہم جئیں گے کیسے جینے کی راہ دکھا دینا
تیرا مان بھی رہ جائے تیرا گمان بھی نہ ٹوٹے
تم دنیا کے سامنے دو بوندیں آنکھوں سے گرا دینا
تیرے دیس میں جب پیار کا چاند نکلے گا
تم میری یادوں کا بجھا ہوا چراغ جلا دینا
میرے شہر میں پیار کے سوداگر بھی فقیر بھی ہیں
کرم کچھ یہ کر دینا کسی پیاسے کو پانی پلا دینا
کاغذ پہ لکھے تیرے وعدے واپس کر دوں گا
میرے نام کی لکھی سب تحریروں کو جلا دینا
اگر پوچھے کوئی کیف سے کیسی تھی محبت
ڈال کر دانہ چڑیوں کو پھر ان کو اڑا دینا

شہزاد سلطان کیف

غزل

تمہیں جب بھی ملے فرصت
میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں
مجھے ایک شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ
چمک سکیں میرے خدو خال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو
میرے سارے رنگ اتار دو
کسی اور کو میرے حال سے نہ
غرض ہے نہ کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

عبدالرزاق مغل

غزل

دیکھو آخر ہوا وہی جس کا مجھے ڈر تھا
تیرے جانے کے بعد بربادی تھی یا میرا گھر تھا
خوشیوں کی طلب لائی چوکھٹ پہ تیری لیکن شاید قدرت نے لکھا
میرا عجب میرا درد تھا

آج حسن مغرور اور عشق مجبور ہے مگر
کبھی وہ بھی وقت تھا تیری جبیں تھی میرا در تھا
غضب کیا تو نہ آیا کر کے وعدے
کیسے دکھاتا جو آنسوؤں سے دامن میرا تر تھا
ملی نہ اب تک تیری قربت خلیل
پاؤں کے چھالے اور بیکار میرا سفر تھا

خلیل احمد ملک شیدانی شریف

غزل

ہوا جب سے تم سے پیار صنم میں
دنیا کے ہوش بھلا بیٹھا
ہے لب پہ نام صرف تیرا ہو سب
سے یاد جدا بیٹھا
واسطہ پیار تیرے سے کئی آباد
حسرتیں دل میں ہوئی
میں پیار تیرے کی دنیا میں اک اپنا
شہر بسا بیٹھا
میں پیار تیرے کی مے پی لے مد
ہوش مسلسل رہتا ہوں بند من کے
میں اس کمرے میں یادوں کے
دیپ جلا بیٹھا
تم زندگی میری ہو منزل بن تیرے
جینا ہے مشکل
ہے مقدر پیار صرف تیرا تجھ دے
میں دل لگا بیٹھا
اب دو نہ اچھی رسوائی تم لوٹ کے
آ جاؤ ناصر
ہے بے رونق یہ شہر اپنا میں یوں تو
خوب سجاتا بیٹھا

ایم ناصر جوئیہ چک میتلا

غزل

روز روتے ہوئے کہتی ہے زندگی
مجھ سے
صرف ایک شخص کے لیے مجھے
برباد نہ کر
تفصیل سے کیسے سنائیں یہ قصہ
محبت کا
کہ مصروف ہوا اب تک ہمیں برباد
کرنے میں اس نے ہی لگا دیا
بیوفائی کا الزام عامر
میرے پاس تو میری وفا داری کا
گواہ بھی وہی تھا
تم لوٹ کے آنے کا تکلف مت
کرنا
ہم ایک شخص سے دوبارہ محبت نہیں
کرتے
کس قدر مشکل ہے یہ زندگی کا سفر
خدا نے جینا حرام کیا لوگوں نے
مرنا
ہم اتنے بھی نہیں بدلے کہ بھول
جائیں اپنوں کو
جب کوئی منتظر ہی نہ ہو تو رابطہ اچھا
نہیں لگتا
پانی سے بھری آنکھیں لے کر مجھے
گھورتا ہی رہا
وہ آئینے میں کھڑا شخص پریشان
بہت تھا

عامر جاوید ہاشمی

غزل

کوئی آنکھ کا تارا ہو گا
کوئی جان سے پیارا ہو گا
کوئی خوشیوں کا اشارہ ہو گا
کوئی دشمن ہو گا زندگی کا
کوئی جیون کا سہارا ہو گا
کوئی روز جلائے گا دل میرا
کوئی دل کو پیارا ہو گا
میں اتنا بتا دوں تجھ کو عاصم
جس نام سے خوش ہو گا یہ دل
وہی نام تمہارا ہو گا

مس فوزیہ کنول چک میتلا

غزل

تجھ سے تیرا حجاب ہو گا
تیرا پردا جناب ہو گا
میں تو کہتا ہوں مجھ میں تو ہے بسا
بول تیرا کیا تیرا جواب ہو گا حشر کا
روب مجھ کو دیتا ہے
آخر میرا کیا حساب ہو گا
مجھ میں رہ کر بھی بہت دور ہے
اس سے بڑھ کر کیا عذاب ہو گا
تیری پہچان میں ہی ہوں ساغر
اس سے بڑھ کر کیا خطاب ہو گا

ایم نذیر ساغر عبہ سلطان پور

غزل

تمہاری یاد کے منظر بھی کھونے
نہیں دیتے
تمہاری یاد کے سائے ہمیں سونے
نہیں دیتے
یہ بادل یہ خوشبو یہ پھول ہمیں بے
تاب کرتے ہیں
اگر رونا بھی چاہیں ہم کبھی رونے
نہیں دیتی ہم اپنی سانس دے کر
رو لینے جانے والوں کو
ہمارا بس اگر ہوتا جدا ہونے نہیں

دیتے
نظر میں دید کی حسرت لیے چپ
بیٹھے ہیں دوست
آپ ہم سے دور رہ کر بھی ہمیں
سونے نہیں دیتے
خضر حیات روڈ انھل

غزل

اک خواب ہے اس خواب کو کھونا
بھی نہیں ہے
تعبیر کے دھاگے میں پرونا بھی
نہیں ہے
لپٹا ہوا ہے دل سے کسی راز کی
صورت
اک شخص کہ جس کو میرا ہونا بھی
نہیں ہے
وابستہ ہے مجھ سے تو ہے بھی کہ
نہیں ہے
جب میں نہیں تجھ میں تیرا ہونا بھی
نہیں ہے
یہ عشق و محبت کی روایت بھی عجب
ہے
پایا نہیں جس کو اسے کھونا بھی نہیں
ہے
جس شخص کی خاطر یہ حال ہے
دوست
اس نے تیرے مر جانے پی رونا
بھی نہیں ہے
ثوبیہ حسین کہوٹہ

غزل

محبت کو ہم بدنام نہیں کرنا چاہتے
تجھ سے اظہار ہم سر عام نہیں کرنا
چاہتے
خوشیاں تیری ہیں میری جان تو
لے لے سب
پر غم اپنے تیرے نام نہیں کرنا
چاہتے
دنیا چاہے تجھے چھوڑ دو رقیبوں
کے لیے
پر ہم یہ نیک کام نہیں کرنا چاہتے
ب صبح و شام تیری دید نہیں کرنا
چاہتے
اپنے مرنے کا اور انتظار نہیں کرنا
چاہتے
قصور اتنا بس بینا دغا باز نہیں بننا
چاہتے
بے وفائی کو ہم اور عام نہیں کرنا
چاہتے
بینا۔عبدالمجید۔کراچی

غزل

میری چاہتوں کا معمار تم ہی ہو
میرے سپنوں کا شہکار تم ہی ہو
ویران ہو جاتی ہے زندگی خزاں
میں اکثر
میری زندگی کی بہار تم ہی ہو
نہیں جانتے ہو میری تنہائی کا عالم
مری سوچ و بچار تم ہی ہو
بن جائے زندگی نفرتوں سے جنت
زندگی کا اب دارومدار تم ہی ہو
ڈھونڈتے رہے وفا عشق کے
بازار میں
حقیقت میں محبت کے خریدار تم ہی
ہو
نہ دیکھیں تو سکون نہیں ملتا آنکھوں
کو
ملے ٹھنڈک جس سے وہ دیدار تم
ہی ہو
میری خوشیوں کا تو زمانہ ہی نہیں تھا
اب جینے کا انحصار تم ہی ہو رک
جاتی دھڑکن اگر تم نہ ہوتے
سب دل کا قرار تم ہی ہو
رکھتے ہیں ہم کسی کے دل میں جگہ
وہ سادگی کے سردکار تم ہی ہو
ہر سانس ہے ساتھ ہے تیری
زندگی کی دعا
نہیں حسن کی پکار تم ہی ہو
حسن رضا رکن سٹی

نظم

جب تمہیں الوداع کہتا ہوں میرا
ایک حصہ مر جاتا ہے
آہستہ خرام موت جو دھیرے
مسلسل اور یقین کے ساتھ میری
طرف بڑھ رہی تھی
تاکہ مجھے اپنے بازوؤں میں لے
لے تب تک
مجھے نہیں معلوم کہ مجھے اور کتنی بار
مرنا ہے

غزل

میں اکثر خود سے کہتا ہوں
بہت بے تاب رہتا ہوں
کبھی تجھ سے ملوں گا تو کہوں گا
اے میرے ہمدم میں تجھ بن نہ
رہ سکوں گا
مگر یہ کہہ نہیں سکتا
تیرا جادو میرے سر چڑھ کر ایسے
بولتا ہے کیوں
میرا من ڈولتا کیوں ہے کہ جب تو

سامنے ہوتا ہے
تو دھڑکن رہ جاتی ہے
میں تیری آنکھوں کے گہرے
ساغر میں ڈوب جاتا ہوں
میں ان جذبوں کو کوئی نام نہیں
دے سکتا میں اکثر بھول جاتا ہوں
سبا کر گلزار کنول

غزل

سر محفل عزت اتار رکھی ہے
جب تک ممکن رہا ہم نے تو
محبت ہر کسی سے بے شمار رکھی ہے
گلوں کی بجائے شعلوں کا انتخاب
عشق نے عقل بشر کی مار رکھی ہے
دل کے نذرانے جان کی قربانی
دوستی میں ہر قیمت تیار رکھی ہے
وقت کے بھنور کو وقت کے حوالے
ہے وہ
محمد عباس جانی

غزل

بہا کہ آنسو اس نے مجھ سے وال
کیا
یوں آخر تم نے مجھ سے اس قدر
پیار کیا
کچھ ایسے اس کے سوال نے مجھ کو

دل ہوا اداس تیرے جانے کے
بعد
روٹھ گئی تھی زندگی ہم سے شاید
زندگی پھر سے مسکرائی تیرے
جانے کے بعد
اسے میں خیال سمجھوں کا کوئی
خواب
کہیں پھر نہ ٹوٹ جائے دل میرا
تیرے جانے کے بعد
توڑ دیا تم نے دل میرا کسی اور کے
لیے
پچھتاؤ گی تم اس کی ہو جانے کے
بعد
اور کتنا تڑپاؤ گی ہمیں ایف
پیار کیا ہے تم جانو گی میرے مر
جانے کے بعد
عامر علی خسرو

غزل

دوستوں نے روایت برقرار رکھی
ہے
پھولوں کی تہہ میں تلوار رکھی ہے
خلوص کا میرے یہ ملا اجر کہ

ہیں اور بھی ہر سو جہاں کے پتھرو
کہ یوسف کہ چوکھٹ ہی تاڑ رکھی
ہے
یوسف دردی

غزل

جانے کیوں جان کر انجان بنا بیٹھا
ہے وہ
جان کر بے جان بنا بیٹھا ہے وہ
کتنا معصوم تھا جب میں نے اسے
دیکھا تھا
آج وہ وقت کا شیطان بنا بیٹھا ہے
وہ
مجھ سے دور سہی پھر بھی قریب ہے
کتنا
دل کے ایوان میں مہمان بنا بیٹھا
ہے وہ
اسکو فرصت ہی کہاں حال دل
پوچھے میرا
رفتہ رفتہ میرے جان بنا بیٹھا ہے
وہ
بھول جاؤں اسے یہ ممکن کہاں
ہے میرے درد کی پہچان بنا بیٹھا

آنسوؤں کو چھپایا
اس نے اپنی قسم دے کر اس وقت
کہا میری شادی میں ضرور آنا
میں نے ہنس کر اس وقت ہاں میں
سر ہلا دیا
میری ہنسی نے اسے کچھ ایسے تڑپا
دیا
اس نے روتے ہوئے پھر سے
وہی سوال کیا
میں نے اس کو آنسوؤں کو صاف
کرتے ہوئے یہ جواب دیا
نہیں کرتا میں تم سے پیار جاؤ میں
نے تمہیں آزاد کیا
اس کے جانے کے بعد خود میں
نے یہ اعتراف کیا
میں اپنے اپنے ہاتھوں سے خود کو
برباد کیا

غزل

تجھکو میری قسم ہے میرے محبوب
یہ وعدہ نہ لو ہم نبھا نہ پائیں گے
وہی بتا تیرا شہر چھوڑ کر یہ دیوانے
کہاں جائیں گے

شرابی کر گئے توبہ جو شراب سے
بتا پھر تیری نظر کے مے خانے کہاں جائیں گے
عمر کی گھڑی سے نکال دیں اگر تجھ
کو پھر محبت کے زمانے کہاں جائیں گے
مت لبوں پر چپ کے تالے ڈالو
تم نے لب سی لیے تو محبت کے ترانے کہاں جائیں گے
میں نے تیرے نام سے اک شہر سجا رکھا ہے
تیرے بنا محبت کے گھرانے کہاں جائیں گے
تجھکو بنا لیا ہے اپنا عباس تم چاہتوں میں ہو
تیرے بن میرے افسانے کہاں جائیں گے

ماریہ عباس تنہا میر پور خاص

غزل

اپنے ہاتھوں سے یوں چہرے کو چھپاتے کیوں ہو
مجھ سے شرماتے ہو تو سامنے آتے کیوں ہو
تم بھی میری طرح کر بھی لو اقرار وفا
پیار کرتے ہو تو پھر پیار چھپاتے کیوں ہو
اشک آنکھوں سے میری دیکھ کہ روتے کیوں ہو
دل بھر آتا ہے تو پھر دل کو دکھاتے کیوں ہو
سے وابستہ ہے جب میرا مقدر پھر تم
میرے شانوں سے یہ زلف اپنی ہٹاتے کیوں ہو
روز مر مر کے مجھے جینے کو کہتے ہو
ملنے آتے ہو تو پھر لوٹ کے جاتے کیوں ہو

ذیشان ریاض فیصل آباد

غزل

نہیں منظور دل کو یہ عذاب مسلسل
بے رنگ ہو گئے آنکھوں کے خواب مسلسل
غزل لکھ رہی ہوں میں حرف حرف
تیری وفائیں تیری جفائیں بے حساب مسلسل
تیری بے رخی پہ بھی نہ بدلی روش اپنی
بھیج رہی ہوں تیرے واسطے وفائیں کے گلاب مسلسل
لفظ لفظ عیاں ہیں میری باب ہستی کا
اور اک تو ہے بند کتاب مسلسل
ابھی تن نشے میں ہوں حرا
اک دفعہ پی تیری آنکھوں سے شراب مسلسل

حرا رمضان اختر آباد

غزل

آنکھ رونے کی شدت سے لال تھوڑی ہے
ملال ہے مگر اتنا ملال تھوڑی ہے
س اپنے واسطے ہی فکر مند ہیں سبھی لوگ
یہاں کسی کو کسی کا خیال تھوڑی ہے
پروں کو کاٹ دیا ہے اڑان سے پہلے
یہ خوف ہجر ہے شوق وصال تھوڑی ہے
مزہ تو تب ہے کہ ہار کے بھی ہنستے رہو
ہمیشہ جیت ہی جانا کمال تھوڑی ہے
لگانی پڑی ہے ڈبکی ابھرنے سے پہلے
غریب ہونے کا مطلب زوال تھوڑی ہے

ڈاکٹر محمد ایوب بوبز گوٹھ

غزل

میں پا سکا نہ بھلا سکا
نہ دل کی بات بتا سکا
وہ ہنسی ہنسی میں ہی چل دیا
کہ میں ہاتھ تک بھی نہ ہلا سکا
یونہی میں سوچتا رہا دیر تک
مگر اس کو کچھ بھی نہ بتا سکا
یہ مقام ہی تھا عجیب سا محسن
کہ میں خود کو بھی نہ بچا سکا
وہ جدا ہوا تو اس طرح ناصر
کہ میں الوداع بھی نہ کہہ سکا

نوید خان ڈاھا عارفوالہ

غزل

مجھے اپنی محبت کی خوشبو سے نور کر دو
میں تم سے جدا نہ ہوں سکوں اتنا مجبور کر دو
میری نس نس میں بس جاؤ کچھ اس طرح

میں کسی اور کی طرف نہ دیکھوں اتنا
مغرور کر دو
میری یادوں کے آسماں پر گھٹا بن
کا چھا جاؤ
میں کسی اور کو نہ سوچوں اتنا
مصروف کر دو
شاہد رفیق سہو کبیر والا

غزل

تم سے کتنی محبت ہے یہ میں بتا
نہیں سکتی
انی زندگی میں تمہیں اہمیت جتا
نہیں سکتی
مری زندگی کا ہر لمحہ تمہیں سے
شروع ہوتا ہے
تم سے دور رہ کر ایک پل بھی
اکیلے بتا نہیں سکتی
ممکن ہے میں خود کو بھول جاؤں
پر تجھے بھولنے کی خطا میں کر نہیں
سکتی
تم میرے دل میں ہی نہیں میری
نس نس میں بسے ہو
تم سے بچھڑ کر میں یہ زندگی جی نہیں
سکتی
یقین نہیں ہوتا کہ تم چاہتے نہیں ہو
ہمیں
اپنے درد کو اپنی زبان سے بیان کر
نہیں سکتی
آج وعدہ ہے یہ دل سے او
میرے صنم تمہارے سوا میں کسی اور
کو چاہ نہیں سکتی
دین محمد جتوئی بولان

غزل

ہم روز صبح کو ملتے تھے
نئے پھول بھی اس دن کھلتے تھے
تم روز مجھے یہ کہتی تھی
میں خوشی سے ہنس دیتا تھا
تو آہستہ سے رو دیتی تھی
تو سکول میں جب بھی آتی تھی
تو دیکھ کر مسکراتی تھی
میری روح بھی خوش ہو جاتی تھی
سکول کے دفتر میں ہم ملتے تھے
تو پانی پینے آتی تھی
میں بہانہ بنا کر آتا تھا
ہم دونوں اکٹھے ہو جاتے تھے
میں بازو تیرا پکڑتا تھا
تو شرما کر مجھ سے جاتی تھی
وہ گزرے دن بھی یاد آئے
وہ بیتے لمحے یاد آئے
آج دیکھنے کو ترستے ہیں
آنسو آنکھوں سے برستے ہیں
کبھی ملیں گے ہم اس طرح
جیسے ماضی میں ملتے تھے
یہ خواب ہی رہ جائے گا
تب وکی پگلہ مر جائے گا
پھر لوٹ کے تم بھی آؤ گی
حد سے زیادہ پچھتاؤ گی
یاسر وکی صالحوال

غزل

کبھی ہمارا بھی محبت کا نعرہ ہوا کرتا
تھا
ہمیں بھی ایک شخص جان سے
پیارا ہوا کرتا تھا
ایسی محبت کہ لوگ دیکھ کر رشک
کریں
وہ میرا ماہتاب میں اس کا تارہ ہوا
کرتا تھا
پھر حالات نے پلٹا کھایا ہم بچھڑ
گئے
بس یادوں پر دونوں کا گزارہ ہوا
کرتا تھا
نا جانے کیوں اس نے پلٹ کر میرا
حال تک نہ پوچھا
جو زندگی کے ہر موڑ پر میرا سہارا
ہوا کرتا تھا
جس کے ڈھلتے حسن پر شاعر غزل
آج لکھ رہے ہیں فیصل
کبھی اس کے لبوں پر اشعار ہمارا
ہوا کرتا تھا
فیصل شہزاد وہاڑی

غزل

گل نایاب سے فرشتوں نے سجایا
ہوگا
کتنی فرصت سے تجھے رب نے
بنایا ہوگا
کتنی چاہت سے بنائی ہوگی تیری
آنکھیں
کتنے پھولوں سے تیری پلکوں کو
سجایا ہوگا
تراش کر اس سنگ نایاب کو
تیرا مجسمہ کتنی محنت سے بنایا ہوگا ملا
کر تیری سانسوں سے مشک ختن
تیرے ہونٹوں کو کسی ریشم سے بنایا
ہوگا
مصوری کی تو حد ہی کر دی میرے
مولا نے

تیرے رخسار پہ جب تل سجایا ہوگا
بنائے ہونگے جب قدرت نے ہاتھ مخمل
ان لکیروں میں پھر جان جگر کا چھپایا ہوگا
سجا کر ہلکی سی مسکان تیرے چہرے پہ کے سبحان اللہ
سب سے اچھا سب سے پیارا تجھے تب نے بنایا ہوگا
عامر سہیل جگر سمندری

غزل

اک دن میں نے اس سے کہا
کہ میں کہاں ہوں
وہ مسکرا کر بولا
میرے دل میں
میری جان میں
میری ہر سانس میں
میری ہر آس میں
میری ہر آواز میں
میری روح میں
میری امید میں
میری پہچان میں
میرے خیالوں میں
میری زندگی کی جستجو میں
یہ سب سن کر میں نے خوشی سے پوچھا
کہ کہاں نہیں ہوں
اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور تڑپ کر بولی بس میری قسمت میں نہیں ہو تم
محمد آصف دکھی شجاع آباد

غزل

سفر وفا کی راہ میں منزل جفا کی تھی
کاغذ کا گھر بنانے کی بھی تو خواہش ہوا کی تھی
تھی جگنوؤں کے شہر میں تاروں سے دشمنی
محبوب چاند تھا اور تمنا صبح کی تھی
اس نے تو عبادت کا تماشہ بنا دیا
چاہت نماز کی تھی پر عادت قضاء کی تھی
میں نے تو زندگی کو اس کے نام لکھا تھا
شاید مگر کچھ اور ہی مرضی خدا کی تھی
درد ہی دینا تھا تو پہلے بتا دیتے
ہم کو بھی ازل سے تمنا سزا کی تھی

غزل۔ مزاحیہ

آج اپنی محبت کو نیا موڑ دیا اس نے
چھت سے دھکا دے کے ہاتھ توڑ دیا اس نے
پہلے ہنستا تھا میں اب مسکراتا ہوں
مار کے مکا آگے کا دانت توڑ دیا اس نے
اس نے اشارہ کیا کہ کچھ کہنا ہے تم سے
کان پاس کیا تو مروڑ دیا اس نے
سردیاں آئیں تو لایا مالٹے اس بے وفا کے لیے
مالٹا کھا کے چھلکا آنکھ میں نچوڑ دیا اس نے
شاہد اقبال چوکی

میری میں نہیں آؤں گا

میری ماں تجھے وہ میرا مسکرانا یاد آئے گا
وہ اتنے پیار سے مجھ سے جگانا یاد آئے گا
میں ناداں ہوں جو روتا ہوں کہ تیرے ہاتھوں سے کھاؤں گا
ماں تجھے وہ پیار سے مجھ کو کھلانا یاد آئے گا
میری ضد تھی کہ اب میں لنچ بھی تیرے ہاتھوں سے کھاؤں گا
میرے بستے میں تیرا وہ لنچ چھپانا یاد آئے گا
لگا کر اپنے سینے سے مجھے رخصت تو کرتی تھی
مڑ مڑ کر تجھے میرا وہ ہاتھ ہلانا یاد آئے گا
امیدیں اب نہیں رکھنا میری ماں واپس آنے کی
تجھے اب عمر بھر میرا وہ جانا یاد آئے گا
........کشور کرن چوکی

ان بچوں کے لیے دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالی ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔اور جو ان کے چھوٹے بہن بھائی ننھے معصوم کلیاں ہیں ان کو بھی ہر قدم پر کامیابی نصیب فرمائے اور ان کا حوصلہ بلند رکھے اور ان کے خوابوں کو پورا فرمائے آمین۔
کشور کرن چوکی

میری زندگی کی ڈائری

اسما کی ڈائری ایم کے نام

دل کا رشتہ بڑا ہی پیارا ہے...... کتنا پاگل یہ دل ہمارا ہے... کتنا خوبصورت رشتہ ہوتا ہے...... یہ دل جب کسی دل کے ساتھ مل جاتا ہے...... تو مجھ دل پر...... عجیب قسم کا سرور ملتا ہے...... ان دونوں دلوں پر بہاریں امڈ آتی ہیں...... جو دو دل مل جائیں!...... دل کیسے کام کرتا لیتا ہے...... دل ایک طرف سے تو کتنا پاگل لگتا ہے...... لیکن ایک طرف سے کتنا خوبصورت لگتا ہے...... ایسے لگتا ہے اگر دل جو دل سے نہ...... ملا تو کیا ہوگا...... اگر مل گئے دو دل تو کیسا مزہ آئے گا...... لیکن جب ان دو دلوں پر خزاں آجاتی ہے...... تو پھر جیسے...... جی وہ دونوں دل مرجاتے ہیں...... ہاں مرجاتے ہیں...... وہ کتنا پیارا موسم ہوتا ہے جب...... شاخوں پہ پھول کھلتے ہیں...... وہ کیسا خوبصورت موسم ہوتا ہے جب پھولوں...... پہ بہار آتی ہے...... وہ کیسا پیارا موسم ہے...... جب پھول اپنی مست دھند میں ہوتے ہیں...... لیکن جب خزاں آتی ہے...... تو پھول مرجھا جاتے ہیں...... وہ بھی شاخوں سے ناراض ہوجاتے ہیں...... اس طرح دو دل ہیں...... دل پر خزاں بھی آتی ہے اور بہار بھی آتی ہے...... لیکن بہار کم وقت...... اور...... خزاں زیادہ وقت...... کیوں کہ یہ انسان کی...... قسمت ہوتی ہے...... اے کاش! یہ سب کچھ میری جان M تو جان جائے...... ان دلوں کو...... کہ ان کی خوشی کے لئے...... کیا کرنا چاہئے!

☆ .... حسن رضا-رکن شی

جانی کی ڈائری سے پسندیدہ غزل

مجھے اپنی زندگی کی ڈائری میں یہ غزل بہت پسند ہے:

زندگی رخ بدل گئی ہوتی
کاش تو مجھ کو مل گئی ہوتی!
زندگی کو گلے لگا لیتا
یہ تمنا نکل گئی ہوتی
کاش! تو مجھ کو مل گئی ہوتی
خواب پلکوں پہ میں سجا لیتا
تجھ کو سینے سے میں لگا لیتا
اپنے دل کے اندر بسا لیتا
میری قسمت بدل گئی ہوتی
کاش! تو مجھ کو مل گئی ہوتی
بے وفا تو نے دل کو توڑ دیا
دو قدم چل کے ساتھ چھوڑ دیا
اپنی منزل کا رخ ہی موڑ دیا
دو قدم ساتھ چل گئی ہوتی
کاش! تو مجھ کو مل گئی ہوتی
آہ نکلے گی ہونٹ سی لوں گا
جس طرح ہو سکے جی لوں گا
زہر بھی چپکے چپکے پی لوں گا
غم کی ہر دھوپ ڈھل گئی ہوتی
کاش! تو مجھ کو مل گئی ہوتی
اب تیرے غم کو دل میں پالوں گا
ہاں جدائی کا زخم کھا لوں گا
موت کو بھی گلے لگا لوں گا
موت بھی آ کے ٹل گئی ہوتی
کاش! تو مجھ کو مل گئی ہوتی

☆ .... محمد جنید جانی-پشاور

امداد علی کی ڈائری اپنے ہمدرد کے نام

امداد علی کی برباد زندگی میں جہاں مجھے تین لڑکیوں نے برباد کیا تو ایک اچھا دوست بھی ملا جو کہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے، فیضان احمد ہری پور والا۔ اپنے پیارے دوست کے لئے یہ احمد فراز صاحب کے چند اشعار امید ہے کہ ضرور پسند آئیں گے۔

مجھ سے گریز پا ہے تو ہر راستہ بدل
میں سنگ راہ ہوں تو سبھی راستوں میں ہوں
مجھ سے بچھڑ کے تو بھی تو روئے گا عمر بھر

ابرار بلوچ کی ڈائری کا صفحہ

میری زندگی کی ڈائری ہر مہینے کے رسالے میں آپ قارئین کی نظر

ہوتی آ رہی اور ان شاء اللہ جب تک زندگی رہی میں اپنی زندگی کے ہر بدلتے ہوئے اوقات اپنے ڈائری میں اور جواب عرض کے ذریعے آپ پیارے قارئین کی نظر کرتا رہوں گا۔ بظاہر تو میں اپنی زندگی میں بے حد خوش ہوں اپنے ماحول اپنے علاقے کی آب و ہوا اور اپنے اچھے اچھے دوستوں کے ساتھ کبھی بھی اداسی محسوس نہ ہوا اور میں اللہ کا بہت بہت شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے ایسی انمول زندگی عطا فرمائی۔ باقی دکھ درد، خوشی غمی وہ تو ہر ایک کی زندگی میں آتے جاتے ہیں۔ کسی کا نصیب دکھوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے اور کسی کا خوشیوں میں اور اسی طرح ہمیں بھی ہر طرح کی حالت کو سمیٹ کر چلنا ہو گا کیونکہ ہم انسان ہیں ہمارے ساتھ ہر طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں۔

☆ عبدالوحید ابرار بلوچ - آواران

ضیافت علی کی بھیجی گئی ڈائری

کیا کروں اس دل میں ارمان تو بہت ہیں پر اتنے وسائل نہیں ہیں جتنی اس دل کی خواہش ہے۔ ایک غریب ہونے کی وجہ سے کٹھن سی زندگی گزار رہا ہوں۔ نہ جانے کیوں میرا ساتھ سب چھوڑ دیتے ہیں جس کو اپنا سمجھتا ہوں جس کو اپنا دوست بناتا ہوں وہی میرے ساتھ دغا کرتا ہے، وہی میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ آج تک کسی سے سچا پیار نہیں ملا۔ جس کی میرے دل میں خواہش تھی آج تک کسی اپنے نے ساتھ نہیں دیا تو غیروں سے کیا گلا کروں، شاید قسمت میں کچھ ایسا لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ سب پسند ہے۔

☆ ...... ضیافت علی - کوٹلی آزاد کشمیر

کالاباغ سے جواد کی ڈائری

ماہ اگست کے رسالے میں بھی میری ڈائری شائع ہوئی اس کے بعد میں یہ ڈائری قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ جب سے جواب عرض میں لکھنا شروع کیا تب سے کچھ سکون میں رہتا ہوں۔ جو بھی بات مجھے دکھ دے تو شاعری کے ذریعے دل سے نکال دیتا ہوں اس سے میرے غم میں کچھ کمی آ جاتی ہے۔ دوست کوئی وفادار نہیں ملا، ہر دوست دکھ دے کر منہ موڑ جاتا ہے۔ جس سے دل کو اور بھی دکھ مل جاتے ہیں زندگی میں جو بھی خوشی کی گھڑی آتی ہے تو دل کو خوشی پھر بھی نہیں ملتی۔

☆ .... محمد افضل جواد - کالاباغ

فیض کی ارسال کردہ ڈائری

میری جان تم سدا خوش و خرم رہا کرو۔ خدا کریں کہ تم تاقیامت سدا خوش و خرم اور سلامت رہو۔ جان تم میری قسمت میں ہی نہ تھی۔ جان میں تم سے گلے شکوے کیسے کروں اور کیوں کروں؟ کیونکہ جان تم بے وفا تو نہیں تھی، تم تو وفا کی مثال تھی، تم نے مجھ جیسے ادنیٰ انسان کو جینے کا راستہ دکھایا، مجھے منزل پہ منزل پہنچایا۔ جان جب تک تیرا ساتھ رہا اس وقت تک میں اپنے آپ کو دنیا کا سب سے اعلیٰ اور خوش قسمت انسان تصور کرتا رہا مگر جب سے جان تم نے وہ تعلق، وہی ساتھ ہی توڑ ڈالا تو میں اعلیٰ سے ایک کمتر، واقعی انسان بن گیا ہوں۔

☆ . فیض اللہ خٹک - واکی محبت خیل

خلیل ملک کی اداس ڈائری

اپنی سانسوں کا تسلسل آنسوؤں کی جھڑیاں، یہ رنگین موسم، ادھورے خواب، سہانے پل ٹوٹے سپن، بے بھیگی راتیں ...... یہ سب میں نے ساحل تمہارے نام لکھ دیئے ہیں۔ تمہیں دیکھنے کی تمنا، تمہیں چھونے کی خواہش میں میں نے اپنی ہستی کو کھو دیا ہے۔ تمہیں پانے کی امنگ نجانے مجھے کن انجان راستوں میں چھوڑ گئی کہ شاید اب تم کبھی بھی میری صدا نہیں سن پاؤ گی۔ جانتی ہو میری زندگی میں اب صرف تلخیاں ہی کیوں جم گئی ہیں کیونکہ میری آنکھیں پل پل تمہارا راستہ دیکھتی ہیں۔ میں نے تمہیں بڑی آرزو سے چاہا ہے، میری شاعری کا ہر حرف تمہاری ذات سے جا ملتا ہے اور میری ڈائری کا ہر ورق تم پر ہی ختم ہوتا ہے۔ تم مجھ سے اور کیا چاہتی ہو؟ میں تم کو کیسے بتاؤں کہ سو قسم کے وہم سے میرے دل کو لاحق رہتے ہیں۔

دکھ

دکھ بھی ہمیشہ ساتھ ساتھ لگ کے پھرتے رہتے ہیں ذرا ان کا ذکر چھیڑو، ان کی بات کرو، ان کا نام لو تو آ موجود ہوتے ہیں۔ ان کے قریب بھی کوئی اور کب ہوتا ہے جو بہت پاس ہوتے ہیں۔ وہ بھی اکثر کھو جاتے ہیں، روٹھ جاتے ہیں اور پیچھے یہی دکھ رہ جاتے ہیں محبتوں، رفاقتوں کا حاصل، ان کی اخیر یہ دکھ ہی تو ہوتے ہیں۔ شاید اس دنیا کا سب سے پکا، سب سے مضبوط، سب سے جاندار رشتہ انہی دکھوں سے ہوتا ہے۔ پھر جن کے دکھوں کا پتہ نہ ہو ان کو دلاسے دینا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ کوئی اگر دکھ پہ رو پڑے تو اسے بندہ آسرا دے لیتا ہے اور جو صرف دکھ کی بات کریں بیچارہ اس ہو جائیں، ان کو بندہ کیسے تسلی دے۔

☆...... عابد محمود۔ ملکہ ہانس

مہکتے پھول

○ گناہوں کی عادت چھڑوانے کے لئے "یَامُؤْمِنُ" ایک سو گیارہ مرتبہ روزانہ پابندی کے ساتھ سوتے ہوئے پڑھے۔ ان شاء اللہ گناہوں کی عادت چھوٹ جائے گی۔

○ دنیا کی محبت سے نجات کے لئے "اَلْقَهَّارُ" کو 313 مرتبہ پڑھے دنیا کی محبت دور ہو جائے گی۔

○ ڈراؤنے خواب سے بچنے کے لئے "یَامُتَكَبِّرُ" کا ورد کرے ڈراؤنے خوابوں سے نجات مل جائے گی۔

○ اگر عبادت میں دل نہ لگتا ہو تو "یَااللّٰهُ یَاغَفَّارُ یَاقَادِرُ" کو 121 مرتبہ پڑھے اوّل و آخر گیارہ مرتبہ درود پاک کے ساتھ۔ ان شاء اللہ عبادت میں دل لگ جائے گا۔

○ دوزخ سے حفاظت کے لئے جو شخص فجر و عصر کے بعد سات سات مرتبہ اس دعا کو پڑھ لے تو دوزخ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ اللہ مجھے اس شخص سے بچا "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ"۔

☆...... عصمت۔ بھلوال

دلچسپ ایس ایم ایس

○ "ہم دوستی میں صورت کو نہیں سیرت کو دیکھتے ہیں فراز"...... تبھی تو میرے سارے دوست ویکھے چپے سے ہیں۔

○ "کچھ اس لئے بھی دوستوں سے رابطہ کم رکھتا ہوں فراز"...... جو ملتا ہے کہتا ہے یار گرمی بہت ہے بوتل تو پلاؤ۔ لوؤ سو سورج نوں اگ میں لائی اے۔

○ میری شادی میں تم ضرور آنا، تیار ہو کے نہ آنا اور پتیلیں صاف کرنے بیٹھ جانا، اے جانِ جاناں میری شادی میں تم ضرور آنا۔

○ نئے نئے شکاری نے مرغابی کو نشانہ بنایا ہر بار ہی نشانہ چوک جاتا۔ چار پانچ بار ایسا ہوا تو مرغابی خود اڑ کر شکاری کے پاس آئی اور اپنے پروں میں سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا: "برخوردار! یہ لو پچاس روپے بازار سے کچھ لے کر کھا لینا"۔

☆...... پرنس افضل شاہین۔ بہاولنگر

محتاجی اور غربت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، محتاجی اور غربت سات چیزوں سے آتی ہے۔

○ جلدی جلدی نماز پڑھنے سے۔

○ کھڑے ہو کر پانی پینے سے۔

○ منہ سے چراغ بجھانے سے۔

○ آستین یا دامن سے منہ صاف کرنے سے۔

○ عصر کے بعد گھر میں جھاڑو دینے سے۔

○ دانتوں سے ناخن توڑنے سے۔

○ فجر کی نماز کے بعد فوراً سونے

ہے۔

☆.....نثار احمد حسرت۔نور جمال

ذرا سا مسکرایئے

○ خواجہ حسن نظامی کی پھبتی: ایک انگریز نے حضرت حسن نظامی سے پوچھا۔ سارے انگریزوں کا رنگ ایک سا ہوتا ہے لیکن پتہ نہیں کیوں ہمارے ہندوستانیوں کا رنگ ایک سا نہیں ہوتا۔ خواجہ حسن نظامی نے جواب دیا۔ گھوڑے کے رنگ مختلف ہوتے ہیں لیکن سارے گدھوں کا رنگ ایک سا ہوتا ہے۔

○ تمہارا چہرہ چھوٹا دکھائی دے رہا ہے۔ شاعر اشرف بخاری سے ایک دوست نے کہا۔ چہرہ اتنا ہی ہے حجامت کرائی تھی سر چھوٹی جگہ میں آ گیا ہے۔ اشرف نے جواب دیا۔

○ مشہور شاعر اختر شیرانی ایک جوتوں کی دکان میں جوتا خریدنے پہنچے۔ دکاندار نے ان کے سامنے جوتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اختر شیرانی نے ایک ایک جوڑا دیکھا مگر کوئی جوڑا پسند نہیں آیا، قیمتوں پر بھی انہیں اعتراض تھا۔ دکاندار طنزیہ لہجے میں بولا۔ اتنے جوتے پڑے ہیں آپ اب بھی مطمئن نہیں ہوئے۔ اختر شیرانی ایک جوڑا پہنتے ہوئے بولے۔ "بارہ روپے لیتے ہو یا اتاروں جوتا"۔

☆.....محمد آفتاب شاد۔میلسی

دست مبارک کی خوشبو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص سے بھی مصافحہ فرماتے اس شخص کے ہاتھ سے سارا دن خوشبو آتی رہتی تھی اور جس بچے کے سر پر آپ دست مبارک رکھ دیتے تو وہ بچہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا۔ اسی حوالے سے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے، میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے دست مبارک سے مس فرمانے لگے۔ میرے رخسار کو بھی آپ نے مس فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا دست مبارک اقدس عطار کے صندوقچے سے نکالا تھا۔

☆.....مقبول احمد ساغر۔چک 14/66

چاہت

چاہت کا صرف ایک اصول ہے انسان یا تو ٹوٹ کر چاہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب ٹوٹ کے چاہے تو دنیا سمیٹ لیتا ہے اور جب چاہت میں ٹوٹ جاتا ہے تو بکھر جاتا ہے۔ ٹوٹ کے چاہے تو موت کو ہرا دیتا ہے اور چاہت میں ٹوٹ جائے تو زندگی سے ہار جاتا ہے۔

☆.....جنید اقبال۔اٹک

صفدری گلدستہ

صدقہ

○ ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب طلوع آفتاب ہوتا ہے تو آدمی کے ہر جوڑ کے بدلے میں ایک صدقہ ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرو یہ صدقہ ہے۔ کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے پر مدد کرو یہ بھی صدقہ ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنا بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لئے وہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ (جامع الصغیر)

○ ایک اور حدیث میں ہے کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

باتیں یاد رکھنے کی

○ داعی اگر خود یقین سے محروم ہو تو دعوت میں تاثیر نہیں رہتی۔

○ بالکل غلط سے تقریباً درست ہونا بہتر ہے۔

○ دنیا و آخرت دو ایسی بہنیں ہیں جن سے بیک وقت نکاح جائز نہیں۔

○ بہترین شکریہ ہے کہ انسان خود کو ادائیگی شکر سے عاجز تصور کرے۔

○ آگے بڑھنے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ ہے چلنا۔

☆.....محمد صفدر دکھی۔کراچی

غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو کیسا لگتا ہے؟

میری رائے میں غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو انسان جھوم جاتا ہے لیکن جو لوگ غم دینے والے ہوتے ہیں جب خوشی ملتی ہے تو غم دینے والے خدا کو بھی بھول جاتے ہیں۔ (محمد آفتاب شاد-کوٹ ملک دوکوٹہ)

میری رائے میں کوئی ہے ایسا بندہ ہے جہڑا سانوں ہاسیاں دا پتہ دیوے جدوں خوشی لبدی ای نئیں خیر بھاویں غم خوشی تو پہلے آون بھاویں بعد وچ کی فرق پیندا اے سجنوں۔ (محمد خان انجم-لدھے وال)

میری رائے میں میری رائے میں خوشی ساتھ نبھانے والی ہوں عارضی ہوں تو پھر مزہ آتا ہے۔ (زاہدہ کاظمی-مری)

میری رائے میں بہت اچھا لگتا ہے جب انسان کو غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو غم بھول جاتے ہیں غم غم نہیں رہتا بہت خوشی ہوتی ہے۔ (عابد شاہ-چک نمبر 26 گ-ب رسالہ)

میری رائے میں بہت اچھا محسوس ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی خوشی زیادہ دیر کسی کو راس نہیں آتی جیسے میرا خوشیوں کا وقت جلدی گزر جاتا ہے پھر بھی اللہ کا شکر ہے ملتا تو ہے۔

(عابد رشید-ڈھوک مغل)

میری رائے میں غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو دل یہی دعا کرتا ہے کہ خدا دوبارہ غم نہ دینا انسان اپنے غموں کو بھول جاتا ہے اور اک خوشی کے احساس میں سارے غم بھول جاتے۔ (چوہدری الطاف حسین دھمی)

میری رائے میں بہت اچھا لگتا ہے جیسے زندگی میں رونق آ گئی ہو دنیا بہت حسین لگنے لگتی ہے جیسے خزاں سے بہار کا سفر ہو۔ (نامعلوم)

میری رائے میں انسان کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے سابقہ گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے، آئندہ گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے۔ (ظفر اقبال جوئیہ-چشتیاں شریف)

میری رائے میں انسان کو ہر حال میں خوش ہونا چاہئے کیونکہ انسان خوشی اور غم کا ذمے دار خود ہوتا ہے جب کوئی غم ملتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں نے مجھے غم دیا ہے یہ نہیں سوچتا کہ غم پانے میں اس کی کتنی غلطی ہے۔ (الطاف حسین ناز-جھنڈیر شاخ محمود شاہ)

میری رائے میں زندگی غم ہی ہے خوشی نہیں ہے۔ (عمران-چشتیاں)

میری رائے میں دکھ بہت بڑی چیز ہے لیکن دکھ نہ ہوتا تو خوشی کہاں سے آتی اس لئے ہر وقت خوشی غمی ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں خدا سب کو غموں سے بچائے۔ (ایم وائی سیجا-جدہ)

میری رائے میں بھیا مجھے زندگی میں غم زیادہ ملے ہیں خوشی کم ملی ہے لیکن خوشیاں ملیں تو ہر اک کو اچھا لگتا ہے غم کے بعد خوشی ملے تو روتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہوتا ہے۔ (عابد علی آرزو-سانگلہ ہل)

میری رائے میں بہت خوب اچھا لگتا ہے خوشی ایک ایسی چیز ہے جیسے شبنم بنا بادل میں گرے۔ (عبدالصمد SK گبول-کراچی)

میری رائے میں خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں غم بھی ہوتے ہیں۔ (خالد فاروق آسی-فیصل آباد)

میری رائے میں اچھا تو لگتا ہے مگر میری زندگی میں کوئی خوشی نہیں غم ہی غم ہیں۔ (مس صبا-کلر سیداں)

محفل نہ سہی تنہائی تو ملتی ہے
ملن نہ سہی جدائی تو ملتی ہے
کون کہتا ہے عشق میں کچھ نہیں ملتا اظہر
وفا نہ سہی بے وفائی تو ملتی ہے
☆———اظہر زخمی

کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں؟

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں، کیونکہ میرے دوست میرے ساتھ ہیں میرے جتنے بھی دوست ہیں وہ سب اچھے ہیں اللہ میاں میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔ (زیب ظہور احمد بلوچ-ڈیرہ مراد جمالی)

میں واقعی ایک اچھا دوست میں اچھا ہوں یا برا یہ مجھے نہیں پتہ، یہ بات میرے دوست مجھے بتا سکتے ہیں لیکن میں دن رات اچھا بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ (محمد عباس جانی اے ایس- چیک نمبر 75/12L)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں مجھے اپنے رب اور اپنے آپ پر فخر ہے کہ مجھے اچھے اچھے دوستوں سے نوازا اور ان کی محفل میں بیٹھ کر مجھے اچھا بننے کا موقع دیا اور اس طرح میں اپنے آپ کو اچھا دوست کہلوانے کا حقدار بنا۔ (خلیل احمد ملک-شیدانی شریف)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں ان کے لئے جو میرے اچھے دوست ہیں کیونکہ میں نے ان کو پرکھ لیا ہے کہ وہ میرے کتنے مخلص ہیں میں ان کے لئے اور وہ میرے لئے اچھے دوست ہیں۔ (شہزاد سلطان کیف-الکویت)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں اس لئے کہ میں جواب عرض کے ذریعے اکثر دوستوں کو یاد کرتا ہوں اور قدر بھی کرتا ہوں۔ (فنکار شیر زمان پشاوری-پشاور شہر)

میں واقعی ایک اچھا دوست اگر کوئی اچھا دوست مل جائے تو انسان اچھا بن جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر اور نرس اچھے ہوتے ہیں اپنے مریضوں کا خیال رکھتے ہیں۔ (محمد اشرف-چکی)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں ان کے لئے جو مخلص اور پاکیزہ جذبے اور خوش اخلاق کے اوزار سے مسلح ہوں جن کے دل میں لالچ نہ ہو۔ (خان افسر خاکسار-دنیاپور)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں اس کا ثبوت میرے دوست ندیم مرزا اور شاہد ہیں وہ بتا سکتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ کتنا مخلص ہوں۔ (عامر امتیاز نازی-کلر سیداں)

میں واقعی ایک اچھا دوست میں اچھی دوست ہوں یا نہیں یہ تو کوئی مجھ سے دوستی کرے آزمائے گا تو پتہ چلے گا۔ (ایس جان-کراچی)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں یا نہیں یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں میں کیسے اپنے منہ سے اپنی تعریف کروں مجھے آزما کر دیکھ لیں۔ (مہر ریاض احمد زیڈ لوکا-جڑانوالہ)

میں واقعی ایک اچھا دوست کیونکہ میری دوستی سے کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ میں ہر دوست کو خوشیاں دیتا ہوں چاہے خود کو غم ملیں۔ (ارمان سنگم-فیصل آباد)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہاں میں نہیں مانتا ہوں کہ میں ایک اچھا دوست ہوں یا نہیں یہ تو میرے تمام دوست ہی آپ کو بتائیں گے۔ (محمد محسن ساغر-عارف والا)

میں واقعی ایک اچھا دوست نہیں ہوں، قول مشہور ہے کہ دوستی کرنی آسان مگر نبھانی بہت مشکل ہے۔ آج کل لوگ ایک دوسرے سے دوستی محض لالچ کی خاطر کرتے ہیں، ٹھوکریں کھا کھا کر میں بھی ایسا ہی ہو گیا ہوں۔ (سید مبارک علی شمسی-قائم پور)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں کہ نہیں یہ میں نہیں بتا سکتا ہوں یہ میرے دوست میرے رشتے دار اور جواب عرض کے قارئین بہتر بتا سکتے ہیں۔ (بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی)

میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں کیونکہ میرا دوست طاہر محمود طاہری اور ارسلان علی بھٹی اور عامر جی کہتے ہیں کہ میں بہت اچھا دوست ہوں

ماں سے پیار کا اظہار

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر بیٹے کے دل میں ماں کا پیار پیدا کر دے۔ (زیب ظہور احمد بلوچ-ڈیرہ مراد جمالی)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں میری ماں بہت اچھی ہے، میرا دعا ہے کہ ماں خوش رہے۔ (علی نواز مزاری-کموکی)

✽...... قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے انسان تو ماں باپ کی خدمت کر تو میں تجھے جنت عطا کر دوں گا اور ساتھ میری عبادت بھی کر۔ (ایم افضل کھرل-ننکانہ صاحب)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں اور یہ میری ماں کی دعائیں ہی ہیں کہ میں ابھی تک زندہ ہوں ورنہ...... (عامر سہیل بھٹی-سمندری)

✽...... میں اپنی ماں سے بے حد پیار کرتا ہوں اتنا اتنا کہ شاید اسے آپ سے بھی آپ سے بھی نہیں۔ اللہ میری ماں کو لمبی زندگی دے۔ (رئیس صدام ساحل-خان بیلہ)

✽...... میں اپنی ماں سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ میری ماں دنیا کی عظیم ماں ہے۔ (نثار احمد حسرت-نور جمال شمالی)

✽...... ماں کے قدموں تلے جنت ہے، ماں کی خدمت کرنی چاہئے، ماں کے بغیر گھر قبرستان کی مانند ہے، وہ لفظ نہیں جس میں ماں کی تعریف ہو، ماں عظیم تحفہ ہے۔ (قمر عمر بشیر گوندل-گوجرہ)

✽...... میں اپنی ماں سے کتنا پیار کرتا ہوں یہ میں بتانے سے قاصر ہوں کیونکہ میری ماں دنیا کی عظیم ماں ہے۔ (مسٹر ایم ارشد وفا

✽...... میں اپنی ماں سے بے پناہ محبت کرتا تھا مگر اب اس دنیا میں نہیں ہے اور ماں کے بغیر میں آدھا ہوں۔ (سردار اقبال-سردار گڑھ)

✽...... اے میری پیاری ماں آج میں جو کچھ بھی ہوں تیری وجہ سے ہوں۔ اے میری ماں میرے لئے دعا کرنا۔ (ندیم عباس ڈھکو-ساہیوال)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں یہ زندگی تو ماں کی دی ہوئی ہے۔ (عبدالصمد SK-کراچی)

✽...... ماں ایک خوشبو ہے جس سے سارا جہاں مہک جاتا ہے۔ ماں کی ممتا پتھر دل کو بھی موم بنا دیتی ہے۔ ماں دنیا کی سب سے حسین ہستی ہے۔ (حماد ظفر ہادی-گوجرہ)

✽...... میری ماں عظیم ہستی ہے، اللہ اس کا سایہ مجھ پر ہمیشہ قائم رکھے۔ (خضر حیات بلوچ-میاں چنوں)

✽...... ماں جی آپ صدا خوش رہیں اللہ پاک آپ کو ہماری زندگی دے اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پہ قائم رکھے۔ (ضیافت علی-کوٹلی)

✽...... ماں کے لئے ساری دنیا کو چھوڑ دو لیکن ساری دنیا کے لئے ماں کو مت چھوڑنا۔ (سید اظہر حسین-چنیر)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، میری ماں دنیا کی عظیم ماں ہے۔ (سفیر اداس سوہری-مظفر آباد)

✽...... ماں دنیا کی عظیم ہستی ہے، اسی کی جتنی تعریف کرو وہ بہت کم ہے ماں کی خدمت کرو ہر اس کی دن رات خدمت کرو یہی ہماری جنت ہے۔ (نبیل احمد نبیل-کراچی)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں ماں کی دعا جنت کی ہوا۔ (عمران رمضان-جھنگ موڑ)

✽...... ماں ڈانٹتی ہے تو لگتا ہے کہ پیار ہے ماں کی مار میں بھی پیار ہوتا ہے۔ (راحیلہ منظر-جھمرہ سٹی)

✽...... میرے لئے ماں ہی سب کچھ ہے۔ (جنید اقبال-اٹک)

دکھ درد ہمارے

قارئین کرام۔ میں اپنا مسئلہ لے کر آپ لوگوں کے سامنے آیا ہوں امید ہے کہ آپ لوگ میرے پیغام کو پڑھنے کے بعد میری کچھ مدد کریں گے میں شادی شدہ ہوں۔ میرے پاس ایسی نوکری نہیں ہے جس سے میں اپنے گھر والوں کا پیٹ پال سکوں آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ میری کچھ مدد کریں تاکہ میں اپنے گھر والوں کا بہتر طریقے سے پیٹ پال سکوں۔ یہ آپ لوگوں کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ میں بہت ہی مجبور ہو کر یہ پیغام دے رہا ہوں امید ہے کہ میری مدد کریں گے اور مجھے کوئی بھی بھائی میری مدد کرے میں اس کی ایک ایک پائی ادا کروں گا یہ میرا آپ لوگوں سے وعدہ ہے۔ امید ہے کہ میرے بھائی ضرور میرے اشتہار پر غور فرمائیں گے اگر کوئی صاحب حیثیت انسان مجھے یہاں ہی کسی اچھی نوکری پر لگوا دیں تو میں اس کا احسان بھی زندگی پر یاد رکھوں گا میری اور میرے بیوی گھر والوں کی دعائیں آپ کے لیے ہی ہوں گی مجھے آپ کی مدد کا انتظار رہے گا میں شدت سے منتظر رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میرے بھائی میرا یہ مسئلہ ضرور حل کردیں گے کیونکہ جواب عرض کے قارئین کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں ان کے دلوں میں درد ہوتا ہے۔ میں معذور انسان ہوں۔ آپ کی مدد کا مستحق ہوں آپ کی وجہ سے مجھے روزگار مل گیا تو میری زندگی میں بھی سکون آسکتا ہے

ایم بوٹا ڈھگی۔

قارئین کے نام

ایک سال قبل میری شادی ہوئی لیکن خدا نے مجھے ایک آزمائش میں ڈال دیا کام کرتے ہوئے میرے خاوند گر کر بری طرح زخمی ہوگئے اور ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اب وہ بستر پر پڑے رہتے ہیں گھر کا خرچہ چلانے والا کوئی نہیں ہے کوئی بھی راستہ نظر نہیں آتا ہے آپ لوگوں کے سامنے آئی ہوں کہ اگر آپ لوگ ہماری مدد کرسکیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم دیگا۔ اور ہماری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔ آپ کی ایک دکھی بہن

قارئین کرام آج پھر اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں پچھلے دو ماہ میں نے اشتہار دیا لیکن کسی بھی صاحب نے میری ذرا بھی مدد نہ کی میں تو بہت آس لے کر آپ قارئین کے سامنے آئی تھی لیکن آپ کی طرف سے کسی بھی قسم کی کوئی بھی مدد نہ پا کر شدید دکھ ہوا۔ مجھے تو کسی نے بتایا تھا کہ جواب عرض پڑھنے والے دکھی لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں ان کا خیال رکھتے ہیں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہے کیا کسی کی مدد کرنا آپ لوگوں کے نزدیک کوئی گناہ ہے آخر نہیں تو پھر میری اپیل پر عمل کریں اور میرے لیے کچھ نہ کچھ کریں میں بہت ہی مجبور ہوں خدا ایسی مجبوری کسی بھی انسان پر نہ لائے جو مجھ پر بیت رہی ہے ایک ایک لمحہ جی جی کر مرتی ہوں کیسے جی رہی ہوں یہ میں ہی جانتی ہوں خدا تعالیٰ آپ کو اس نیک کام کا اجر دے گا۔ کسی دکھی انسان کے کام آنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ میں کہاں جاؤں کوئی بھی راستہ مجھے دکھائی نہیں دے رہا ہے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا ہے رات ہوتی تو آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں اکیلی ہی روتی رہتی ہوں کس کو

اپنے آنسو دکھاؤں کس کو کہوں کہ میں جینا چاہتی ہوں میرا بھی زندگی پر حق ہے لیکن نجانے آپ لوگوں کی وجہ سے مجھے اتنی مایوسی کیوں ہوئی ہے۔ کاش آپ میری جگہ ہوتے اور پھر میری نظروں سے دیکھتے کہ زندہ رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے لیکن خدا کسی پر بھی برا وقت نہ لائے سب کو خوشیاں دے آمین میں اپنا پیغام جوں کا توں شائع کروا رہی ہوں تاکہ آپ لوگ سمجھ جائیں کہ میرا یہ پیغام پہلے بھی شائع ہوا تھا اور کسی نے بھی میری مدد نہ کی تھی لیکن اب کی بار ایسا نہ کریں اور خدا کے لیے میرے حال پر رحم کھائیں ایک دو قارئین نے رابطہ کیا تھا لیکن وہ شاید مدد نہیں کرنا چاہتے صرف لارے لگانا چاہتے تھے۔ اگر کسی کی مدد کرنا ہو تو پھر لارے نہیں لگائے جاتے کیونکہ یہ میں جانتی ہوں کہ میں ان کی مدد کے لیے کس قدر رتڑپی ہوں یہ میں یہ جانتی ہوں اب کی بار اپنا نمبر شائع کر رہی ہوں امید ہے کہ اب کی بار مجھے مایوس نہیں کریں گے اور مجھ سے رابطہ کریں گے میرا پیغام وہی ہے جو دو بار شائع ہوا ہے اب پھر شائع کروا رہی ہوں۔ کبھی کبھی وقت انسان پر ایسا آجاتا ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوا ہے ہم لوگ گھر میں اچھے بھلے رہا کرتے تھے لیکن قسمت نے ایسا زخم دیا کہ ہم نے کبھی سوچا بھی تھا۔ میرے شوہر کام پر گئے کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ چوٹ اس قدر زور کی تھی کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اب وہ کئی سالوں سے چارپائی پر پڑے ہوئے ہیں میں ہی لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور بچوں کا بلکہ شوہر کا بھی پیٹ پال رہی ہوں گھر بھی اپنا نہیں ہے اور پھر آپکو تو معلوم ہے کہ جس انسان کا کوئی بھی کمانے والا نہ ہو اور مکان بھی اپنا نہ ہو اس پر زندگی کس قدر اذیت بن جاتی ہے مجھے نہ دن کو سکون ملتا ہے اور نہ ہی رات کو نیند آتی ہے سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی ہوں اب لوگوں کے سامنے آئی ہوں کہ خدا کے لیے ان نازک حالات میں میری کچھ مدد کریں ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں قارئین کرام میری زندگی دکھوں میں ہی تنہا کٹتی جا رہی ہے میں کیسے جی رہی ہوں یہ میں ہی جانتی ہوں میری عمر بائیس سال ہے لیکن دونوں ٹانگوں سے معذور ہوں نہ چل سکتی ہوں اور نہ ہی کوئی کام کر سکتی ہوں بس سارا دن چارپائی ہوئی اپنی قسمت کو روتی رہتی ہوں ڈاکٹروں نے اس کا بہت مہنگا علاج بتایا ہے جو ہمارے بس سے باہر ہے اور پھر ہمارا کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے امی ہی ہیں جو سارا دن کام کرتی رہتی ہیں۔ اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے جی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں لیکن نجانے کیوں ایسا نہیں کر پاتی ہوں۔ مجھے آپ بہن بھائیوں کی مدد کی ضرورت ہے میں بھی چاہتی ہوں کہ میں بھی چلو کام کروں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاؤں لیکن شاید میری یہ سوچ بھی بھی پوری نہ ہو مجھے کسی نے مشورہ دیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے مدد کی اپیل کروں سو آ گئی ہوں برائے مہربانی میری مدد کریں تاکہ میں اپنا علاج کرا سکوں اور گھر کے سلسلہ کو چلا سکوں امید ہے کہ آپ میری ضرور مدد کریں گے۔ خدا آپ کو اس نیک کام کا اجر دیں گے ہم گھر والے آپ کو دعائیں دیتے رہیں گے۔ میں ہر وقت روتی رہتی ہوں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں کیا کروں کہاں جاؤں کوئی بھی نازک وقت میں ساتھ نہیں دیتا ہے۔ میں پہلے ٹھیک تھی لیکن یکدم اس بیماری کا مجھ پر حملہ ہوا اور میں دونوں ٹانگوں سے معذور ہو گئی ہوں۔ میں کسی بھی قسم کا جھوٹ نہیں بول رہی ہوں

صدف۔ جہلم

میں شادی کا خواہش مند ہوں میری عمر پینتیس سال ہے تعلیم مڈل تک ہے اور اپنا کاروبار کرتا ہوں خدا کا شکر ہے کہ میرا سلسلہ اچھے انداز میں چل رہا ہے ماہانہ آمدن تیس سے چالیس ہزار تک بن جاتی ہے کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے ایک میں ہوں اور ایک میری بہن ہے جو کہ شادی شدہ ہے بس مجھے ایک ایسی شریک حیات کی تلاش ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ میں اس کی ہر خواہش کو پورا کروں گا۔ اس کو تمام خوشیاں دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے رابطہ کریں کبھی بھی اس کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ لڑکی زیادہ پڑھی نہ بھی ہو تب بھی قبول ہے لیکن شریف فیملی سے ہو وہ خود رابطہ کرنا چاہے یا پھر والدین رابطہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مجھ پر مکمل اعتماد کر سکتے ہیں نہ تو میں دھوکے باز ہوں اور نہ ہی آوارہ گردی کرتا ہوں بس اپنے کاروبار میں دلچسپی رکھتا ہوں لڑکی کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ ہو جہیز کی ضرورت نہیں ہے بس شرافت چاہیے مکمل تفصیل کے ساتھ رابطہ کریں اگر میرے اپنے شہر کی ہو تو سب سے بہتر ہوگا ورنہ کسی بھی علاقے کی ہو قابل قبول ہے

اے۔ گل مانسہرہ

میں شادی کی خواہش مند ہوں میری عمر چالیس سال ہے تعلیم میٹرک ہے ایک بار شادی ہوئی تھی جو ناکام ہوگئی۔ میں اب ایسے انسان سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو دل کی سچی ہو جو پیار کرنا جانتی ہو جس کے دل میں دھوکہ فریب نہ ہو۔ خدا نے مجھے شکل وصورت بھی اچھی دی ہوئی ہے لیکن شاید قسمت اچھی نہیں ہے۔ جس وجہ سے میرا گھر نہ بس سکا۔ ہر وقت کے لڑائی جھگڑوں نے میری زندگی اجیرن بنا دی ہوئی ہے دل کو ایک لمحہ بھی سکون نہیں ہے اپنے سکون کی خاطر میں یہ شادی کرنا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں میری شریک سفر نہایت ہی شریف ہو میں خود خوبصورت ہوں کلین شیو ہوں پتلون شرٹ پہنتا ہوں اور ملنسار ہوں۔ وہ لڑکی ہو یا کوئی عورت بس جو دکھی ہو جو ایک اچھے ہمسفر کی تلاش میں ہو جس کو ایک حقیقی پیار کرنے والے اور چاہنے والے شوہر کی تلاش ہو وہ جلد رابطہ قائم کریں میں اس کو کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا میں اپنا کاروبار کرتا ہوں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے سادگی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور تین کپڑوں میں بیاہ کرلانا چاہتا ہوں عمر کی کوئی بھی قید نہیں ہے اور نہ ہی ذات پات کی قید ہے جس بھی برادری سے ہو قابل قبول ہے

مسز کاشف۔ لاہور ---------

میں شادی کا خواہش مند ہوں میری عمر تیس سال ہے تعلیم بی اے ہے اور ایک مل میں جاب کرتا ہوں خدا کا شکر ہے کہ گھر کا نظام اچھے انداز میں چل رہا ہے مجھے ایک ایسی شریک حیات کی تلاش ہے جو خوبصورت ہو پڑھی لکھی ہو۔ پیار ومحبت کرنے والی ہو۔ اور زندگی کے ہر موڑ پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ میں اس کی ہر خواہش کو پورا کروں گا۔ مکمل تفصیل کے ساتھ مجھ سے رابطہ کریں۔ شکریہ

عمر فاروق۔ اسلام آباد-----

پسندیدہ اشعار

خوشبو کیوں نہ آئے گی
تیری زندگی سے اے دوست۔
تو اتنی اس مٹی کا ہے جس سے
پھول بھی خوشبو کی بھیک مانگتے ہیں
☆ ——— جمیلہ اقبال۔ اٹک

اس سے بڑھ کر میں بدنصیب نہیں ہو سکتا شہزاد
تیرے شہر میں رہنے کے باوجود تیرا دیدار نہ کر سکا
☆ ——— الٰہی بخش شہزاد۔ کچی کرمان

جھوٹی محبت کا میں نے نہ کھیل کھیلا نہ میرا کام ہے
مجھے بے وفائی نہ ڈھونڈو وفا میں میرا نام ہے
☆ ——— دین محمد بٹنی۔ کراچی

زندگی تو بڑے امتحان لیتی ہے فراز
موت اچھی ہے جو پوچھتی بھی نہیں اور لے جاتی ہے
☆ ——— عبدالصمد BK گبول۔ جلاب گوٹھ

وہ ہم سے جدا ہوا ہمیں یہ منظور نہ تھا
اپنا چمن اجڑ گیا مستوئی ہمیں یہ منظور نہ تھا
☆ سردار محمد اقبال خان مستوئی۔ رحیم یار خان

ہمیں جس سے محبت ہے وہ بھی چاہتا رہا
پھر کیوں انجان بنے دل سے کھیلتا ہے
☆ ——— منیر رضا۔ ساہیوال

اپنے غم کو کہو ہر وقت میرے پاس رہے
ایک احسان کرو اس کو مسلسل کر دو
☆ ——— محمد جنید جہانی۔ سیتاور

اپنی تعلیم پہ تہمت دو وحشت کے زمانوں میں
زندگی کانٹوں پہ اُن کی کٹتی ہے
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں
☆ ——— رابعہ نعمان کیانی۔ جہلم

جب سے کھویا ہے اسے اطمینان ہے زندگی میں
کیوں کہ کھونے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں میرے پاس
☆ ——— ساجد حسن۔ مظفر گڑھ

ہر مسکرانے والے کو خوش نصیب نہ سمجھو فراز
کچھ لوگ مسکراتے ہیں غم چھپانے کے لیے
☆ ——— سرفراز۔ لاہور

اب تو زمانے کے رسم و رواج بدل گئے
ہم جنہیں چاہتے تھے ان کے مزاج بدل گئے
جاتے جاتے وہ ہم سے کہنے لگے فراز
بدل جاؤ تم بھی دیکھو ہم بھی بدل گئے
☆ ——— ایم شفیق تجا۔ امرہ خورد

عمر صحراؤں میں بسر ہو یہ ضروری تو نہیں
ہر شب غم سحر ہو یہ ضروری تو نہیں
نیند تو درد کے بستر پہ بھی آ سکتی ہے
تیری آغوش میں سر ہو یہ ضروری تو نہیں
☆ ——— واصف علی آرائیں۔ نوشہرو فیروز

میرا ہر لمحہ تیری ہر بات سے اچھا ہو گا
میرا ہر دن تیری ہر رات اچھا ہو گا
اگر یقین نہ آئے تو آ کر دیکھ تنہا
میرا جنازہ تیری بارات سے اچھا ہو گا
☆ ——— محمد ارسلان علی۔ گوجر خان

بہت اچھا لگتا ہے ساتھ تمہارا
سوا تمہارے اور کون ہے ہمارا
☆ ——— شہناز مجید۔ میرپور ماتھیلو

یہ سوچ کے مجھے خفا ہونا اچھا نہیں لگتا
اچانک بے وفا ہونا مجھے اچھا نہیں لگتا
کسی سے بھی نہیں مطلب میں یہ سوچ کر اظہر
کسی سے بھی جدا ہونا مجھے اچھا نہیں لگتا
☆ سید اظہر حسین شاہ کاظمی۔ سعیر آزاد کشمیر

ہر رات تمہیں بھول جانے کا ارادہ کر کے سو جاتا ہوں
مگر میری صبح کا آغاز ہی نہیں تیری یاد کے بغیر
☆ ——— اللہ دتہ بہدرو۔ بھلوال

شاخ سے گر کر ٹوٹنے والے پتے یہ بتاتے ہیں
بچھڑ جاتے جو اک بار وہ کب لوٹ کر آتے ہیں
☆ ——— ساجد علی زاہد سیال۔ جھنگ صدر

انہی راستوں نے جن پر کبھی کامزن تھے ہم دونوں
مجھے روک روک کر پوچھا تیرا ہمسفر کہاں ہے فراق
☆ ——— سید نادر علی شاہ فراق۔ سانگھڑ

انہی پتھروں پہ چل کے آ سکو تو آؤ
ہمارے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں
☆ ——— میر محمد احسان تنویر۔ پسرور

حسن میں لاثانی ہاتھ میں بادام
کارڈ کھولنے سے پہلے میرا سلام
☆ ——— آصف وصال۔ جتوئی

خوشی بھی ہے غم سے منسلک ہو گئی ہے
میری ساری زندگی ایک داستان غم بن گئی ہے
ایک بار تو لوٹ آ دیکھ کیفیت اپنے بیمار کی
ہنسی میں گزرتا تھا جو بچپن اب جوانی غم میں ڈھل گئی ہے
☆ ——— عبدالوحید ہمار بلوچ۔ آواران

کسی کی کیا مجال کہ کوئی ہمیں خرید سکے ہادی
ہم تو وہ سوداگر ہیں جو خریداروں کو خرید لیتے ہیں
☆ ——— حماد ظفر ہادی۔ گوجرہ

جانے زمانے والوں کو کیا عداوت ہے ہم سے
کہ جس چیز کو ہم چاہتے ہیں
سب اس کے طلبگار بن جاتے ہیں
☆ ——— محمد عمیر مظہر حسن۔ گوجر خان

کیسے بھلاؤ گے میری برسوں کی چاہت کو
دریا سوکھ بھی جائے تو ریت میں نمی رہتی ہے
☆ ——— شاہ جہاں عرف شہزادی۔ بہاولنگر

دل بھی آباد ہے اک شہر خاموشاں کی طرح فراز
ہر طرف لوگ مگر عالم تنہائی ہے
☆ ——— جویریہ گبول۔ کراچی

وہ شخص اچھا لگا تو صاف کہہ دیا اسے آمنہ
دل کی بات تھی منافقت نہ ہو سکی ہم سے
☆ ——— آمنہ۔ راولپنڈی

اس سے بڑی اور کیا بے وفائی ہو گی فراز

وہ مجھ سے سیکھتا رہا پیار کسی اور کے لئے
☆ ——— ماہ نور ناز۔ ساہیوال

جدا ہونے کا اندیشہ جدا ہونے سے پہلے تھا
وہ مجھ سے انتہائی خوش خفا ہونے سے پہلے تھا
☆ ——— غلام مصطفیٰ عرف موجو۔ سرگودھا

بھولیں ہیں رفتہ رفتہ ان کو مدتوں میں ہم
قسطوں میں خودکشی کا مزہ ہم سے پوچھئے
☆ ——— جواد احمد آ کاش۔ اٹک

میں کس طرح مٹا سکوں گا اس کا نام دل سے فراز
میرے لبوں پہ رہا ہے ایک دعا کی طرح
☆ ——— صبا۔ گوجرانوالہ

جب بھی لکھتا ہوں تیرے کی کہانی محسن
میرے آنسو میری تحریر مٹا دیتے ہیں
☆ ——— وجاہت۔ فیصل آباد

اتنے پیار سے نہ ملا ہم خانہ بدوشوں کو
اتنے سادہ ہیں کہ گھر بار اٹھا لائیں گے
☆ ——— محمد عارف۔ مانسہرہ

اے زلف صنم آ تجھے سینے سے لگا لیں ذرا
کہ تیری ہی طرح ہم بھی پریشان بہت ہیں
☆ ——— مرشد عمران ساحل۔ وزیر آباد

مارنے والے ہی ذرا دیر میں آئے تھے خواب آنکھوں میں
پھر اس کے بعد مسلسل آئے عذاب آنکھوں میں
☆ ——— سید عارف شاہ۔ جہلم

آتی ہوئی میت دیکھ کے بھی تم اٹھ کر آ نہ سکے
دو چار قدم تو دشمن بھی تکلیف گوارا کرتے ہیں
☆ ——— محمد محسن ساغر۔ عارف والا

زندگی بدل تو جاتی ہے خوش رہنے سے
اداس بہت ہوتا ہے دل غم سہنے سے
☆ ——— محمد احسان اعوان۔ گاؤں سریانوالہ

قبرستان میں اتنی خاموشی کیوں ہوتی ہے شہباز
لوگ تو اسے آباد کرتے ہیں اپنی جان دے کر
☆ ——— شہباز۔ پوچھ کوٹر

اگر غم نہ ہوتا تو غزل کون لکھتا
کسی کی خوبصورتی کو کنول کون کہتا
یہ تو کرشمہ ہے محبت کا ورنہ
پتھر کی دیواروں کو تاج محل کون کہتا

☆ ——— حافظ فیاض احمد کنول۔ دیپالپور

حسن کی بندوق میں شرارے بھر دیئے
آنکھوں کا گھوڑا اٹھا کر دل کے ٹکڑے کر دیئے
☆ ——— ملک محمد طاہر۔ لاہور

موسموں کی بارشیں ہیں اب نہ بے موسم کے پھول
خشک پتوں کی طرح کیوں حسرتیں ملتی رہیں
☆ ——— عابد محمود۔ ملک ہانس

وہ آئے بھی کہ گزر گئے سامنے بیٹھنے میں بٹھا سکا
نہ ہوئی بیاد کی گفتگو نہ میں سینے سے لگا سکا
☆ ——— تصور علی حسرت کھوکھر۔ اکوچک

ہم تو محبت میں بس توحید کے قائل ہیں
بس ایک ہی شخص کو سدا محبوب بنا رکھا ہے
☆ ——— عائشہ یز یباے کنول۔ جلال پور سید جاوے

مت بہاؤ آنسو بے قدروں کے لئے فراز
جو لوگ قدر کرتے ہیں وہ کبھی رونے نہیں دیتے
☆ ——— وسیم سلطان صابر خٹک۔ کرک

اچھا ہوا جو راہ میں ہمیں ٹھوکر لگی فراز
ہم گر پڑے تو سارا زمانہ سنبھل گیا
☆ ——— محمد عمران بٹ۔ سوہاوہ

جس کی ہنگ پیا نے سے رہتا تھا سیاہوں میں ہجوم
کل رات غم تنہائی میں وہ کرکٹ چھوڑ گیا
☆ ——— بشیر سانول۔ واہ کینٹ

وہ کیوں اس ادا سے وفا نبھا رہا تھا یوسف
کہ میری قبر سے گزرا تو دعا تک نہ کی
☆ ——— چوڑی

ہماری قسمت تو آسمان پر چمکتے ہوئے
ستاروں کی طرح ہے فراز
لوگ اپنی تمنا کے لئے
ہمارے ٹوٹنے کا انتظار کرتے ہیں
☆ ——— نوید اختر سحر۔ کبیر والا

دنیا کا ستم تقدیر کا غم ہر حال میں سہنا پڑتا ہے
شکوے بھی زباں پہ آتے ہیں خاموش بھی رہنا پڑتا ہے
☆ ——— مستان سحر آزجتی۔ تحصیل جبری منڈی ریلیے

میرے دل میں اتر سکو تو شاید اتنا جان لو
کہ کتنی خاموش محبت تم سے کرتا ہے کوئی
☆ ——— پرویز احمد ساگر۔ چیچہ

ہزاروں غم میرے سینے میں چھپے ہیں لیکن تجسم
میں نے ہر حال میں جینے کی قسم کھائی ہے
☆ ——— طلعت تجسم۔ ہوں

مجھ کو معلوم نہ تھی شب ہجر کی یہ رمز
جب تو میرے پاس نہ ہوگا تو ہر سو ہوگا
☆ ——— رانے جاوید کھرل۔ فورٹ عباس

دوستی پہ مرنا دوستی پہ جینا
اگر منظور نہ ہو تو دوستی نہ کرنا
☆ ——— محمد افضل جواد۔ کالا باغ

ہر رات تجھے دیکھ کر سونا ہر صبح تجھے دیکھ کر جگنا
ہیں اپنے بھی مشاغل عجیب سے عجیب تر
☆ ——— ایم جنید پیرزادہ۔ بیل پیران

مدینے کی گلیوں میں ہو شام میری
تڑپتا ہوا دل دعا مانگتا ہے
☆ ——— عبدالرحمن گجر۔ گاؤں نین لانجھہ

اب نیند سے کہو وہ ہم سے صلح کر لے صنم
وہ دور چلا گیا جس کے لئے ہم جاگا کرتے تھے
☆ ——— محمد اشرف زخمی دل۔ تھیگی

ملے تو ہزاروں لوگ زندگی میں اے ناز بلوچ
وہ ان سب سے جدا تھا جو دل میں اتر گیا
☆ ——— اے ناز بلوچ۔ گدائی

نگاہوں کے تصادم سے یہ کیسا انقلاب آیا
ادھر آنکھوں نے جرأت کی ادھر رخ پہ نقاب آیا
☆ ——— محمد خورشید انجمی۔ گاؤں ماچھین

ویرانوں میں کھلتے ہیں جن کو کھلنا ہوتا ہے
دیواریں تو ذکر بھی ملتے ہیں جن کو ملنا ہوتا ہے
☆ ——— نبیل احمد کنول۔ جلال پور گڑھ

کیا غم ہے کیا خوشی ہے معلوم نہیں
اپنے ہیں کہ اجنبی معلوم نہیں
جس کے بغیر ایک پل نہیں گزرتا
کیسے گزرے گی عمر معلوم نہیں
☆ ——— عمران رمضان کیبرو۔ ٹھینگ موڑ

دھڑکی تھی جو تجھے دیکھ کے
یاد ہے مجھے آج تک وہ پہلی دھڑکن
☆ ——— افتخار حسین بھٹو۔ ترکھ جنستان

آنا تو کسی بار عمر کا کوئی بھروسہ

شعری پیغام اپنے پیاروں کے نام

ساجد عباس اعوان، حافظ آباد کے نام

الوداع اے دوست الوداع
زندگی میں پھر ملیں گے اگر موقع ملا
محمد ہارون قمر اعوان - تیج پور ہزارہ

FK اسلام کے نام

میرے جذبوں کی سچائی بھی ویسی ہے
تیرے بن میری تنہائی اب بھی ویسی ہے
اب کیا احساس دلاؤں تجھ کو اپنے درد کا
سنا ہے تیری لاپرواہی اب بھی ویسی ہے
خلیل احمد ملک - شیدانی شریف

R جان کے نام

کچھ لوگ آنکھوں میں بس جاتے ہیں
آنکھوں سے دل میں اتر جاتے ہیں
ہم چاہیں تو مٹا نہیں سکتے اس ہستی کا نام
کچھ لوگ یوں ہاتھوں کی لکیریں بن جاتے ہیں
ایم اشفاق بٹ - لالہ موسیٰ

NS بریڈفورڈ کے نام

میں تم کو بھول جاؤں یہ میرے اختیار میں نہیں
صورت تو خوبصورت ہے نام بھی پیارا لگتا ہے
ذوالفقار حسین ناز - بریڈفورڈ

میری جان کے نام

کبھی فرصت ملے تو یاد کر لینا اے دوست
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بن جینے کی عادت پڑ جائے
مطلوب حسین پردیسی - لاہور

A راولپنڈی کے نام

میری عبادت کو ایسے کر قبول یارب!
کہ سجدے میں جھکوں تو تجھ سے جڑے

ہر رشتے کی زندگی سنور جائے
عمران فنا - بلوچستان

FM کراچی کے نام

مدتوں بعد اس کو کسی کے ساتھ خوش دیکھا تو یہ احساس ہوا
کاش کہ ہم نے اس کو بہت پہلے چھوڑ دیا ہوتا
آمنہ - راولپنڈی

این پھول نگر کے نام

کشتی بھی نہیں بدلی دریا بھی نہیں بدلا
ہم ڈوبنے والوں کا جذبہ بھی نہیں بدلا
ہے شوق سفر اتنا کہ اک عمر سے ہم نے
منزل بھی نہیں پائی اور راستہ بھی نہیں بدلا
عثمان غنی - قبولہ شریف

SHA شیخوپورہ کے نام

اے صنم تیرے عشق میں مجھے اس قدر رلا دیا
کہ سجدے کی حالت میں دل نے تجھے یاد کیا
محمد اشرف زخمی دل - چیچنیں

YA میانوالی کے نام

اس کو تعریف کر کے دیکھی ہے
کچھ بھی میزان میں نہیں رہتا
نرگس ناز - سکھر

اے اعوان کراچی کے نام

وفا میری ہو یقین آپ ہو
رات میری ہو خواب آپ ہو
پر میرے دوست دعا کرنا کبھی ایسا نہ ہو کہ
آنسو میرے ہوں اور وجہ آپ ہو
ماجد علی اعوان کھیری - کراچی

Z جان گوجرہ کے نام

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا میں نے تجھے یاد کیا
اس کا رونا نہیں کہ تم نے کیا دل برباد
اس کا رونا ہے بہت دیر میں برباد کیا
محمد افضل اعوان - گوجرہ

شہزادہ عالمگیر (مرحوم) کے نام

اب جب نہیں رہتے گھروں کے مکیں
مکاں بھی روتے ہیں مکینوں کو یاد کر کے
حماد ظفر بادی - منڈی بہاؤالدین

K ماں جی شمیم قریشی کے نام

دل نے چاہا آپ کو کوئی تحفہ دوں
مگر میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
عمر بھر نہ چھوٹے غم کا سایہ آپ پر
میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
عمر عزیز بشیر گوندل - گوجرہ

این کے نام

کیا رکھا ہے اپنی زندگی کے افسانے میں
کچھ گزری ہے اسے چاہنے میں
کچھ گزری جانے کی بھلانے میں
شہیر زوار چوہدری - پنجگوٹ

AZ عبدالحکیم کے نام

تو اس شہر کے لوگوں کے حسن سلوک سے
واقف نہیں اے فراز
یہ تو اپنے محسن کو بھی سرعام سزا دیتے ہیں
محمد اعجاز احمد - عبدالحکیم

خاص شخص سکھر کے نام

کچھ لوگ دیکھتے ہی روٹھ جاتے ہیں

کچھ لوگ دیکھتے ہی دل میں اتر جاتے ہیں

محمد لقمان اعوان۔ شیخوپورہ

M بھکھی خورد کے نام

خوشی ملی تو کئی درد مجھ سے روٹھ گئے

یارو! دعا کرو کہ میں پھر سے اداس ہو جاؤں

مناظر علی گوندل۔ بھلوال

کسی اپنے کے نام

کسی کی خستہ حالت کو دیکھ کر یوں مسکرانے والے

وقت تجھے اس حال میں لے آئے تو کیا ہوگا

نیلم شہزادی رانو۔ فتح جھنڈ

محمد عرفان خانیوال کے نام

ہم آپ کے قابل تو نہیں لیکن پھر بھی

وفا ہم کریں گے ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک

ایم جاوید اداس۔ خانیوال

این راولپنڈی کے نام

اک شخص جو مجھ کو زخم شناسائی دے گیا

جب دے نہ سکا پیار تو رسوائی دے گیا

جاتے جاتے اپنی نشانی کے طور پر

کتنے پیار سے مجھ کو تنہائی دے گیا

عامر امتیاز نازی۔ کلر سیداں

H لاہور کے نام

میری آوارگی میں کچھ تیرا قصور ہے

جب تیری یاد آتی ہے تو گھر اچھا نہیں لگتا

عکاس احمد ڈاکٹر۔ حضرو

MU تلہ گنگ کے نام

مجھ سے بچھڑ کر بے نام ہو جاؤ گے

سوداگروں کے ساتھ نیلام ہو جاؤ گے

مجھ کو اچھا نہیں لگتا تیرا ہر کسی سے ملنا

ہر کسی سے چلو گے تو عام ہو جاؤ گے

ثناء کنول۔ چکوال

Z ہیڈ راجکان کے نام

تو کیا جانے میری درد کی داستان او بے دوست

میں ان کو بھی دعا دیتا ہوں جو

میرے نام سے نفرت کرتے ہیں

بونا دکھی۔ بہاولپور

ریاض احمد کے نام

جسے چاہا اس نے بڑے رنج دیئے

جو بچھڑا بڑا یاد آیا

ہاتھ اٹھائے تھے فقط اپنے لئے

بس وقت دعا تو یاد آیا

منیر رضا۔ ساہیوال

GN ٹھٹھہ قریشی کے نام

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی میں بوجھ ہوں

چہرے کو اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتا بھی دیکھ

پرنس عبدالرحمٰن گجر۔ تمن اڈانجھہ

بھائی غلام فرید شولہ تاندلیانوالہ کے نام

ہم ہر روز اداس ہوتے ہیں تو شام گزر جاتی ہے

اک روز شام اداس ہوگی اور ہم گزر جائیں گے

عبدالمجید احمد۔ فیصل آباد

بے وفا لڑکوں کے نام

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے

نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

کاشف گلونہ۔ بنوں وولن ملز

KS کراچی کے نام

کیا ہوا میں رسوا ہو گیا

تمہیں چاہا تھا چاہنے کی سزا پائی

عبدالجبار جان۔ گوجر خان

M شیخوپورہ کے نام

مٹانا چاہوں بھی تو نہ مٹا پاؤں گا

تیرا نام اپنے دل سے

مٹانے تو وہ جاتے ہیں حروف

جو غلطی سے لکھے جاتے ہیں

ایم احمد بٹی۔ کالا باغ

AHS بھاگووال کے نام

کہنے کو تو ہیں بہت سی باتیں مگر

مدت سے مجھے وقت نہیں تجھ محبت تیری

ہجر کے صدمے تو یاد ہیں بہت ہمسفر

مگر بھول جاتی ہوں سب تجھ کو دیکھ کر صورت تیری

یاسمین رانا۔ چک نمبر 17 سید والا

کسی اپنے کے نام

عشق خدا سے تعلق مشکل تو نہیں

وفا کی یہ راہ مشکل تو نہیں

کرو رب کے آگے صرف اک سجدہ

یہ سجدہ ہزار سجدوں سے کوئی مشکل تو نہیں

محمد واصف نفیس۔ واہ کینٹ

ایم زبیر باجی والہ کے نام

اس نے ہمیں یہ سوچ کر الوداع کہہ دیا محسن

یہ غریب لوگ ہیں محبت کے سوا کیا دیں گے

عالم شیر زاہد۔ باجی والہ

آئی ایس چوک اعظم کے نام

یہ کیا کہ سب سے بیان دل کی حالتیں کرنی

جان تجھ کو نہ آئیں محبتیں کرنی

منان سحر آزجتی۔ چوک اعظم

R چک نمبر 14 ایم آر کے نام

ہماری سلطنت میں دیکھ کر قدم رکھنا

ہماری محبت کی قید میں رہائی نہیں ہوتی

محمد زبیر شاہد۔ ملتان

اے ناز بلوچ گڈانی کے نام

اپنی چاہت سے میرے دل کو چراغ کرنے والے

جس طرح تو نے غزل میری چرائی ہے صنم

عصمت علی عاصی بلوچ۔ وہنی

آئینہ روبرو

کشور کرن پتوکی سے لکھتی ہیں۔ اسلام علیکم۔ میں ادارہ جواب عرض کی بے حد مشکور ہوں کہ وہ میری تحریروں کو جگہ دے کر میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور مجھے مزید لکھنے کا موقع ملتا ہے اور میں اپنے ان بہن بھائیوں میں شامل ہو جاتی ہو جنہوں نے میرے ساتھ اپنے تمام ریڈز اور رائٹروں کے ساتھ مل کر اس رسالے کے لیے محنت کر کے نا صرف اپنی ایک پہچان بنائی ہوئی ہے بلکہ ایک چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہیں قارئین سسٹرز اینڈ برادرز۔ میں بھی آپ سب کے ساتھ ہیں ہوں اگر ایک دو شمارے میں میری تحریر نہ لگے تو اس میں میرا کیا قصور وہ تو ادارے والوں کا کام ہے ہمارا کام بھیجنا ہے اور امید لگا کر بیٹھا ہے ہر ماہ شمارے کو بے چینی سے دیکھنا ہے اگر کچھ شائع ہوا ہے تو دل میں لڈو پھوٹے اگر نہیں تو اپنے دوستوں کی باتیں سن کر ہی بہت خوشی ہوتی ہے میں سب ہی کہانیاں پڑھ چکی ہوں ہمارا پیارا دوست جواب عرض ہم سب کو ساتھ لے کر چل رہا ہے تو قارئین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مجھے یاد کرنے کا یا میری تحریروں کو پسند کرنے کا بہت شکریہ یہ خط پہلے ہی بہت بڑا ہو گیا ہے مزید نام لکھنے سے اور بھی بڑا ہو جائے گا پھر کیا ہو گا پتہ نہیں۔ میں نے سب کے خط پڑھے ہیں سب کے دلوں میں عزت اور خلوص دیکھ بہت خوشی ہوتی ہے۔ اور ایک بات کی خوشی ہوئی کہ ادارے نے جواب عرض کے قارئین کو جواب دینے شروع تو کر دیے ہیں لیکن ہمیشہ یہی سلسلہ چلتا رہے تو کیا ہی بات ہے مزید لکھنے والوں کا حوصلہ بڑھتا رہے گا پچھلے خط میں بھی میں نے ادارہ میں لیٹر لکھا تھا کہ میری دوستی کہانی دوبارہ شائع کر دیں یا پھر اگر وہ رسالہ کسی قارئین کے پاس ہے تو پلیز مجھے بھیج دیں میں اس کے پرائز فورا ادا کر دوں گی مگر مجھے اس کا جواب نہیں ملا شہزادہ صاحب میری بات پر غور کریں مہربانی ہو گی۔ باقی مجھے ایک اور بات کا دکھ ہوا ہے کہ جب رائٹر بالکل لکھنے کے قابل نہیں ہوتا تو جواب عرض اس کو اتنی عزت دیتا ہے اور ہم لوگ جواب عرض کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھتے ہیں اور اس سے آگے بڑھنا سیکھتے ہیں یہ ہمیں۔ عزت۔ ایک مقام۔ ایک پہچان دیتا ہے اور پھر جب ہم لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو جواب عرض کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم اپنی تحریروں کا انتظار نہیں کر سکتے کیوں ہم ایسا سوچیں ہمارا دماغ خراب ہے کہ جواب عرض کو چھوڑ کر جائیں یہ الفاظ میں اپنے لیے نہیں ان کے لیے بول رہی ہوں جو ایسا سوچ رہے ہیں اور جو کر چکے ہیں پھر بہانہ ہوتا ہے کہ آج بھیجی ہے اور کل لگی کیوں نہیں ہم تو کسی اور میں لکھیں گے۔ یہ سوچ رکھنے والے رائٹروں سے ریکویسٹ ہے کہ اگر ان کے ذہن میں یہی خیال ہے کہ جواب عرض میں تو لگی نہیں ہم کسی اور میں بھیج دیتے ہیں تو وہ لوگ رسالے کی ہمارے ساتھی جواب عرض کی یوں توہین نہ کریں مہربانی کیونکہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا کہ کوئی ہمارے پیارے رسالے کو چھوڑ کر جائے۔۔۔ اور ایک اور سٹوری محبت کے لالچ پڑھ کر بہت دکھ ہوا ہے پلیز بھائی اگر آپ کا ذہن ایسا تھا تو ہر کسی کا ایسا نہیں ہوتا اگر وہ لڑکی پاگل تھی تو آپ تو سمجھدار تھے ایسی سٹوری لکھنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا اسی عورت ذات سے آپ کا بھی کوئی رشتہ ہے پھر اپنے اس رشتے کو سامنے کیوں نہیں رکھا پلیز ایسی کہانیوں سے اپنا کردار خراب نہ کریں

ہمیشہ ایسی کہانی لکھو کہ پڑھنے والا بھی خوشی سے پڑھے اب مردلوگ تو یہ کہانی پڑھ کر شاید یہ نہ سوچیں مگر لیڈیز کے لیے ایسی بات کوئی عام بات نہیں ہے کہانی سوچ کر لکھا کریں مہربانی۔ اگر کسی کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو سوری مگر سب سچ لکھا ہے آخر میں جواب عرض کے لیے دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالی اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی کی گامزن رکھے آمین۔

ثریا چوہدری۔ سیہ پور سے لکھتی ہیں۔ اسلام علیکم۔ جواب عرض کے سٹاف اور سب قارئین کو میرا محبتوں بھرا اسلام قبول ہو جواب عرض ہر گزرتے ہوئے لمحوں کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہے اس میں شائع ہونے والی ہر تحریر میرے خیال میں خودشناسی کا بہترین ذریعہ ہے باقی لوگ کیا سوچتے ہیں مجھے یہ علم نہیں دیر سے آنے کی وجہ اور لکھنا شروع کیا کیوں کہ بے یقینی تھی۔ ہاہاہاہا۔ صرف یہ کہ پرو نہیں جگہ ملے یا نہ ملے پر بہت زیادہ شکریہ ادا کرتی ہوں بھائی ریاض احمد کا جنہوں نے مجھے جواب عرض میں لکھنے کی جگہ دی اور میری ہمت بندھائی تھینکس بھائی ریاض احمد اللہ آپ کو لمبی عمر حیات دے۔ ارے عائشہ نور عاشا آف شادیوال یار آپ تو اپنے ہی علاقے کی ہو جلدی کہانی لکھ کر و نا میں بہت بے صبری سے انتظار کرتی ہوں انشاء اللہ وقت اور سانس نے اجازت دی تو پھر حاضر ہونگی تمام سٹاف اور قارئین کو سلام اللہ حافظ۔

امداد علی عرف ندیم عباس تنہا۔ میر پور سے لکھتے ہیں ماہنامہ جواب عرض کی پوری ٹیم کو سلام قبول عرض یہ ہے کہ ایڈیٹر صاحب میری غزلیں اور کہانیوں کو بھی جگہ دیں مجھے امید ہے کہ اس بات میری کوئی کہانی کہانی ضرور منظر عام تک پہنچے گی شکریہ اب آتے ہیں شمارے کی طرف تو جنوری کا شمارہ ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔۔۔ آپی کشور کرن ہر بار ہی اپنی قلم کا جادو دکھاتی ہیں خشک گلاب بھی ان کی اچھی کاوش تھی۔۔۔ رفعت محمود۔۔۔ سیف زخمی۔۔۔ رابعہ ذوالفقار۔۔۔ مجید احمد جائی۔۔۔ نے بھی اچھا لکھا ہے۔۔۔ مس فوزیہ کی کہانی بھی تعریف کے قابل ہے۔۔۔ باقی سب نے بھی بہت اچھا لکھا ہے کوشش کریں کہ جواب عرض کے باقی سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھے ہوں۔۔۔ علی رضا۔۔۔ رمضان آرئیں۔۔۔ مکان علی پور۔ ماریہ مانا گا منڈی۔۔۔ غزالہ مری۔۔۔ آفتاب احمد بھکر۔۔۔ عثمان کشکوری نالی۔۔۔ محمد وکیل ٹھٹھہ۔۔۔ شوکت علی کراچی۔۔۔ عبدالستار ٹھٹھہ۔ باقی جن دوستوں کے میں نام نہیں لکھ پایا ان سب نے مجھے یاد رکھا آپ نے میری تعریف کی یا تنقید کی آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔۔۔ اور زین میر پور خاص اس کے علاوہ۔۔۔ ماریہ عباس۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ میرے پیارے بھائی۔ ندیم اقبال قریشی صاحب آپ کا بھی شکریہ پوری ٹیم کو سلام۔

پرنس مظفر شاہ پشاور سے لکھتے ہیں۔ سال 2015 کا خشک گلاب نمبر ملا ملنے کے بعد پورا پڑھ چکا ہوں اور انصاف کے ساتھ اس تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں آغاز میں خلیل احمد ملک کا اسلامی صفحہ اور عثمان غنی کا ماں کی یاد میں زبردست تھا آئینہ روبرو سے ہوتا ہوا کہانیوں کے گلشن میں قدم رکھا سب سے پہلے۔۔۔ ثنا اجالا کی کہانی پڑھی لیکن مزہ نہیں آیا پھر۔۔۔ دین محمد بلوچ کی کہانی محبت کے عجیب منظر پڑھی کچھ بہتر تھی۔۔۔ انتظار حسین ساقی صاحب کی کہانی رہا عشق نہ ہوئے پا کر خوشی ہوئی۔۔۔ رفعت محمود کی آئیڈیل کی موت بھی اچھی کہانی تھی ویری گڈ۔۔۔ مس فوزیہ کنول کی اب نشانہ کون نے بھی شمارے کی اچھی کہانیوں میں اضافہ کیا۔۔۔ یاسر وکی کی کہانی کوئی ہے میرا پردیس میں بھی ایک اچھی کاوش تھی۔۔۔ محمد سلیم اختر نے دوستی امتحان لیتی ہے کہ کر شمارے کو چار چاند لگا دیئے ویری گڈ بھیا۔۔۔ آصف دکھی شجاع آباد کی سٹوری امتحان ہے زندگی بھی

خوبصورت تھی۔۔۔۔ یعقوب صاحب بھنور لکھنے پر مبارک باد قبول کریں۔۔۔۔ عابد شاہ کی سٹوری کون بے وفا بھی ایک منفرد کہانی تھی۔۔۔۔ سراج اللہ خٹک کی کہانی نے متاثر نہیں کیا البتہ۔۔۔۔ شہزادہ سلطان کی بلاعنوان نے خوب رنگ جمایا گڈ شہزادہ صاحب۔۔۔۔ عمر حیات شاکر کی کہانی محبت مر نہیں سکتی شمارے کی ٹاپ سٹوری تھی مبارک باد ہو اور۔۔۔۔ محمد یونس صاحب نے مکافات عمل تحریر کر کے شاہد افریدی کا چھکا لگا دیا جو کہ گراؤنڈ سے باہر گرا تا بھائی کیا بات ہے تیری سٹوری کی آپ کے لیے مبارک باد کی جگہ کشمیر بنے گا پاکستان اور آپ کشمیری بنے پاکستانی ہوتے۔۔۔۔ آخر پر مجید احمد جائی صاحب کی مٹی کے انسان خوبصورت انداز میں ایک کرب مسلسل کے رائٹر۔۔۔۔ عرفان ملک آف راولپنڈی کی کیا بات ہے آپ نے پنڈی فوڈ سٹور میں ڈیرہ ڈال دیا اور میرے دل مین اپنے لیے جگہ بنا لی اب تم آسانی سے اس میں ڈیرہ جما سکتے ہو باقی تمام دوستوں کا شکریہ جو مجھے یاد کرتے ہیں۔

ایم عمر دراز آکاش۔ فیصل آباد سے لکھتے ہیں اسلام علیکم جنوری کا شمارہ ملا نئے سال کی طرح خشک گلاب بھی نیا اور زبردست تھا جس کے بارے میں میرے پیارے دوست۔۔۔۔ جبران نبیل آفریدی میانوالی سے ایڈوانس میں ہی بتا دیا تھا کہ شمارہ زبردست ہے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اس بار کہانیوں میں۔۔۔۔ شہزادہ سلطان کیف کویت۔۔۔ مجید احمد جائی۔۔۔ انتظار حسین ساقی۔۔۔ ریاض تبسم۔۔۔ محمد عرفان ملک۔۔۔ رفعت محمود۔۔۔ اور سیف الرحمن بھائی کے ساتھ ساتھ۔۔۔ ایم یعقوب نے زبردست قلم کاری کی ہے ان کے علاوہ باقیوں نے بھی اچھا لکھا ہے مبارک باد ہو۔۔۔ آصف سانول آپ کیسے ہیں اور کہاں ہیں پلیز جلدی واپس آ جائیں۔۔۔ منظور اکبر آپ نے تو نمبر ہی بند کر دیا ہے خیر تو ہے۔۔۔۔ جبران نبیل آفریدی صاحب آپ بھی کوئی اچھی سی سٹوری کے ساتھ انٹری ماریں باقی ادارے سے گزارش ہے کہ آپ کے پاس میری چار کہانیاں ہیں مہربانی فرما کر انہیں بھی جگہ دے کر حوصلہ افزائی فراہم کریں شکریہ آخر میں ادارے کے لیے دعا گو۔

افسانہ کنول کھوئی رتہ سے لکھتی ہیں میں بڑی امید کے ساتھ ایک کہانی لے کر زندگی اور شاعری بھیجی ہے پلیز ریاض بھائی جان میری کہانی اور شاعری جلدی شائع کریں جواب عرض واحد وہ رسالہ ہے جو میں شوق سے پڑھتی ہوں اور آپ میری کہانی اور شاعری کو شائع کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کریں گے کیوں کہ جواب عرض میں کوئی مایوس نہیں کیا جاتا پلیز جلدی شائع کریں اور میرا خط آئینہ روبرو میں شائع کرنا اس کے علاوہ جواب عرض کے لیے ڈھیروں دعائیں اور تمام پڑھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام قبول ہو۔

ثوبیہ حسین۔ نہوٹہ سے لکھتی ہیں جواب عرض کی سب کہانیاں بہت اچھی ہیں غزلیں بھی اچھی تھیں جن میں۔۔۔۔ شہزادی کرن۔ زاہدہ۔۔۔ آپی کشور کرن۔ کی غزلیں اچھی تھیں شاعری میں آمنہ شہزادی یونس۔۔۔ مظفر۔۔۔ محمد عرفان۔۔۔ اسحاق انجم کی شاعری اچھی تھی اور سب بہن بھائیوں سے گزارش ہے کہ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے آخر میں سب پڑھنے لکھنے اور جواب عرض کے پورے سٹاف کو سلام دعا۔

اظہر سیف تبسم سکھیکی منڈی سے لکھتے ہیں۔ پیارے قارئین سے میری ریکویسٹ ہے کہ آج کے بعد مجھے اظہر سیف تبسم سکھیکی منڈی سے یاد کیا جائے گا میں نے اپنا نام بدل لیا ہے میری پیاری بیوی میری جان کی فرمائش پر میں نے اپنا نام بدلا ہے آخر میں اپنی جان سے پیار و سلام جان آپ کے لیے تو میں یہ دنیا بھی چھوڑ سکتا ہوں پیارے قارئین کو محبتوں بھرا سلام سب خوش رہو سٹاف والے بھی رسالے والے بھی۔۔۔

سیف الرحمن زخمی۔ سیالکوٹ سے لکھتے ہیں۔ ماہ جنوری کا شمارہ خشک گلاب دو جنوری کو مجھے ملا

دیکھ کر بہت خوشی ہوئی میں نے سب سے پہلے۔۔۔اسلامی صفحہ پڑھا اس کے بعد۔۔۔ماں کی یاد میں پڑھ کر دل کو خوش کیا پھر میں کہانیوں کی طرف گیا تو پہلے نمبر پر۔۔۔ثنا اجالا کہ کہانی محبت تھی میری طرف سے مبارک باد قبول ہو میری ہر دعا ان کے ساتھ ہے۔۔۔مس فوزیہ کنول کہ کہانی اب نشانہ کون اپنی مثال آپ تھی میری طرف سے مس فوزیہ کنول کو مبارکباد۔۔۔عمر حیات شاکر کی کہانی۔محبت مر نہیں سکتی۔۔۔یونس ناز کی کہانی۔مکافات عمل۔۔۔مجید احمد جائی کی کہانی۔مٹی کے انسان۔ہم سب کے لیے ایک سبق اموز کہانی تھی۔۔۔یعقوب کی کہانی بھنور بہت پیاری کہانی تھی میری ہر دعا ان کے ساتھ ہے آخر میں ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری کہانیوں کو پسند کرتے ہیں میں جو بھی ہوں آپ سب کی دعاوں سے ہوں۔۔۔امجد علی۔۔۔رمضان پر یمی۔۔۔مدد حسین بلوچ۔۔۔اللہ دتہ۔۔۔عامر۔۔۔غلام حیدر۔۔۔سید ذیشان حیدر۔۔۔سید مدثر۔۔۔عمران ساحل ان سب دوستوں کو سلام قبول ہو آخر میں۔۔۔فنکار شیر زمان۔۔۔مبشر علی کھوکر میں آپ کی وفا کو سلام پیش کرتا ہوں۔

محمد بلال عباسی۔بستی خمیسہ۔سے لکھتے ہیں ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے جواب عرض کے سب سٹاف کو اور پڑھنے والوں کو چاہتوں بھرا اسلام ماہنامہ جواب عرض کی محفل سجاتے رہو میں نے پہلا خط لکھا ہے اور غزل تو آپ نے شائع کی مجھے بہت خوشی ہوئی دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ اسی جواب عرض کی محفل میں شریک ہوتا رہوں جواب عرض میں سب دوستوں کی کہانی اچھی ہوتی ہیں ہر کسی کی کہانی کا اپنا منفرد کردار ہوتا ہے جن کی تحریر مجھے اچھی لگتی ہے ان کے نام یہ ہیں۔۔۔آپی کشور کرن چتوکی۔۔۔دین محمد بلوچ۔۔۔انتظار حسین ساقی۔۔۔رفعت محمود۔۔۔محمد عرفان ملک۔۔۔مس فوزیہ۔۔۔ثنا اجالا۔۔۔عافیہ گوندل۔۔۔سیف الرحمٰن زخمی۔۔۔سلیم اختر۔۔۔یاسر وکی۔۔۔آصف دکھی۔۔۔ایم یعقوب۔۔۔رابعہ ذوالفقار۔۔۔عابد شاہ۔۔۔سراج اللہ خٹک۔۔۔شہزاد کیف۔۔۔عمر حیات شاکر۔۔۔یونس ناز۔۔۔مجید احمد جائی۔۔۔اور آخر میں۔۔۔عبدالجبار رومی انصاری کو سلام پیش قبول کرنا۔

سیدہ امامہ۔راولپنڈی سے لکھتی ہیں۔تمام سٹاف کو ممبران قارئین کو سیدہ امامہ کا سلام جنوری کا تازہ ترین شمارہ آخر مل ہی گیا بڑی بے مشکل سے ہر ماہ اسی مسئلے سے گزرنا پڑتا ہے کبھی ہاتھ آتا ہے تو کبھی نہیں اس مسئلے کے بارے میں۔۔۔انکل ریاض احمد کو بھی میں نے آگاہ کیا تھا اور انہوں نے مسئلے کے حل کی یقین دہانی بھی کروائی تھی بہر حال میں شکر گزار ہوں۔۔۔ریاض بھائی کی کہ وہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر ہمارے مسائل پر توجہ تو دیتے ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے ہیں بے شک یہ رسالہ نئے لوگوں کے لیے مشکل راہ ثابت ہوتا ہے کسی کی دل آزاری نہیں ہوتی سب کو موقع ملتا ہے اپنا ٹیلنٹ دکھانے کا بھی کا نئوں کی صورت میں تو کبھی شاعری کی صورت میں ہر ایک کا بہترین کا سنرلا جواب ہے ویلڈن ان تمام کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں خاص طور پر سینئر لکھنے والے اجب تعریف وتنقید کرتے ہیں تو ان کی عزت میرے دل میں مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ بھی ہمیں پڑھتے ہیں اور تبصرے کرتے ہیں سب ایک سے بڑھ کر ایک لکھتے ہیں اسی طرح جواب عرض کی موتیوں کی مالا کو پروتے رہیں اور شان سے شاندار بناتے رہیں پرانا سال بیت گیا اور نیا سال نئی امیدیں لے کر چڑھ گیا ہے۔۔۔ثوبیہ حسین کھوٹہ سے میں پوچھنا چاہوں گی کہ آپ کھوٹہ کہاں پہ رہتی ہیں میں بھی آپ کے شہر میں رہتی ہوں ضرور بتایئے گا اس کے ساتھ۔۔۔ملک علی رضا صاحب۔۔۔اور آپی کشور کرن۔۔۔ذیشان علی صاحب۔۔۔طاہر حسین

۔۔۔صدیق صاحب ۔۔۔۔الطاف حسین دکھی صاحب ۔۔۔۔شاہد رفیق سہو صاحب ۔۔۔۔۔فنکار شیر زمان صاحب۔میری طرف سے بہت بہت سلام اور دعائیں آپ سب بہت اچھا لکھتے ہیں میری دعا ہے کہ جواب عرض اسی طرح ہی ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے اور کامیابیاں سمیٹتا رہے آمین۔۔۔۔مس فوزیہ ۔۔۔۔پریا دعا۔۔۔۔یونس ناز۔۔۔۔عابدہ رانی۔۔۔۔حماد ظرف بادی۔۔۔۔آپ بھی سیدہ امامہ کا سلام سب بہتر اچھا لکھتے ہیں اگر سانسوں نے وفا کی تو انشاء اللہ آئندہ نئے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی تب تک کے لیے اجازت دیں اللہ نگہبان ہے۔

عثمان غنی پشاور۔سے لکھتے ۔اسلام علیکم۔پیارے اور اچھے ریاض احمد بھائی یقیناً آپ خیریت سے ہوں گے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گے ریاض احمد بھائی جان ڈائجسٹ پشاور جیسے معروف ترین شہر میں اکثر لیٹ مل جاتا ہے اور کبھی کبھی مارکیٹ کے دس پندرہ چکر لگانے کے بعد بھی نہیں ملتا آپ سے گزارش ہے کہ جب آپ میری کہانی شائع کریں تو مجھے ڈائجسٹ کی ایک کاپی اعزازی درج ذیل پتہ پر ارسال کر دیا کریں شکریہ۔

ملک علی رضا۔فیصل آباد۔سے لکھتے ہیں۔محترم برادران اینڈ جواب عرض کے پورے سٹاف کو سلام جواب عرض ہر ماہ ٹائم کے ساتھ فیصل آباد گھنٹہ گھر سے موصول ہو رہا ہے جس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد دل و دماغ میں شادابی آجاتی ہے جواب عرض میں تمام تحریریں عمدہ سے عمدہ ہیں ان تمام لکھاریوں کی خدمت اقدس میں سلام و دعائیں۔۔۔۔جناب منیر رضا کے سسر کی وفات پر میری جانب سے اظہار افسوس تعزیت اور دعا مغفرت اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔اس بار تحریر تو سب کی ہی لاجواب تھی مگر محترم۔۔۔۔حکیم جاوید نسیم۔۔۔۔ملک علی عاشق حسین ساجد کے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔غزلوں میں۔۔۔۔حافظ شفیق عاجز۔۔۔۔شہزاد سلطان کیف۔۔۔۔عبدالرشید صارم۔۔۔۔دوست محمد وٹو۔۔۔۔مس فوزیہ کنول۔۔۔۔فاطمہ لاہور۔۔۔۔افضل آزاد۔۔۔۔اشریف شریف دل۔۔۔۔بوٹا عاصم۔۔۔۔جاوید رنگ والا۔۔۔۔شازیہ وقاص شازی۔۔۔۔ثریا چوہدری۔۔۔۔ریٹا محمود۔۔۔۔کوثر پرین جڑانوالہ۔۔۔۔ریاض او چوہان۔کی غزلیں زبردست تھیں دعا ہے کہ جواب عرض دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین

شاعر یوسف دردی۔نارووال سے لکھتے ہیں۔ریاض صاحب اسلام علیکم۔امید برقرار ہے آپ کی زندگی کا چمن مہکتا ہوگا اور آپ کے لبوں پر تبسم قائم دائم ہوگا حضور آپ کے ہم بے حد مشکور ہیں وہ آپ نے ہم حقیر اور ادنیٰ سے انسان کو جواب عرض کی عدالت میں پیش قدمی کا شرف بخشا اور ساتھ ہی ساتھ ہماری کمزور سی شاعری کو جواب عرض کے دل میں جگہ عطا فرمائی یہ آپ کا حسن اخلاق ہے کہ آپ بر آنے والے نئے مہمان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور کسی کی دل شکنی نہیں کرتے ہاں انتظار ذرا طویل ہوتا ہے مگر مایوسی کسی کے حصے میں نہیں آئی بھائی جی اگر یونہی آپ کے خلوص کا سلسلہ قائم رہا تو ہم ہر ماہ جواب عرض کے لیے اپنے خون جگر سے لکھے ہوئے الفاظ شاعری میں سجا کر آپ تک پہنچاتے رہیں گے اور امید ہے کہ آپ بھی ہماری محنت اور کوشش کو ممکن بنائیں گے اور مختصر یہ ہے کہ آپ کے پاس میری شاعری کے بقیہ حصے کو بھی انصاف کے ترازو میں تولا جائے اگر ممکن نہیں تو ہم ماہ جنوری میں لکھے گئے تازہ کلام کا کچھ حصہ آپ کے سپرد کرتے ہیں گزارش ہے کہ کسی نزدیکی شمارے میں جگہ دے کر دوبارہ سلامی کا موقع دیں گے باقی جواب عرض کا ہر فرد محنت سے لکھ رہا ہے اور چھاپنے والے بھی کوئی کمی نہیں رکھتے فن کے استاد ہیں لیکن کچھ نام قابل ذکر ہیں جو میرے پسندیدہ ہیں۔۔۔۔انتظار

حسین ساقی ۔۔۔۔۔۔ حسنین کاظمی ۔۔۔۔۔۔ مس فوزیہ کنول گگن پور ۔ یہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ انسان کو اپنی طرف متوجہ راغب کرتے ہیں اور ایک عجیب سا کھنچاؤ پیدا کرتے ہیں اور میری پیاری آپی شازیہ کو بھی میرا سلام آخر میں ایک خاص بات وہ ہے کہ ریاض بھائی ہم ہر بار آپ کو نئے نئے پتے بھیجتے ہیں اس کی وجہ یہ کہ ہم آرمی میں ہیں اور ہمارا ایک ٹھکانہ نہیں ہے اس لیے جگہ و مقام بدلتے رہتے ہیں۔

محمد حسن بلوچ تھچی جو ہر کراچی سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔ انتظار حسین ساقی کی کہانی۔ رباعشق نہ ہوئے شائع ہوئی اس قسم کی کہانی کا مجھے پہلی بار پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے میں رائٹر کو دل کی گہرائیوں میں داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بالاتبصرہ کہانی۔ حسن رضا اور مقدر کے گرد گھومتی ہے جو کہانی کے دو بڑے مرکزی کردار ہیں مقدس کی نیت سچی محبت میں خلوص کی جذبات چھلکتی بھری زندگی کے نشیب و فراز میں سر گرداں رہتی ہے اپنوں سے دکھ بے رخی اور پریشانی کی ٹھوکریں کھانے کے بعد جب سنبھل جاتی ہے تو بے قراری کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے جب بندہ ایک قدم میری طرف بڑھاتا ہے تو وہ دس قدم بندے کی طرف بڑھ جاتا ہے جب مقدس کے خانہ دل سے حسن رضا نکل جاتا ہے تو اللہ واحد نیت مقدس کی زخمی دل میں مالا مال کرتا ہے ادھر حسن رضا اپنے برے اعمال کے شکنجے میں کس کر کتے کی موت مرتا ہے میری دل کی صدا ہے اللہ کے نیک و صالح لڑکے لڑکیاں والدین کے فرمان برداری کے ساتھ جب اپنے آپ کو اللہ اور اس کے قرآن کے سپرد کر دیا کرتے ہیں تو ان کا مستقبل چودویں کے چاند کی طرح درخشاں رہے گا کامیابی ان کے قدم چومے گی امید قوی ہے یہ خط فروری میں یا مارچ میں جواب عرض میں شائع فرمائیں گے تاکہ انتظار حسین ساقی کی قلم کو اخراج تحسین کے الفاظوں سے یاد کیا جاسکے ۔

محمد حسن شیخ لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم بھائی جان سب سے پہلے میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ اتنا اچھا رسالہ نکالتے ہیں اور ہر نئے لکھنے والے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں بھائی میں جواب عرض بہت شوق سے پڑھتا ہوں پہلے مجھے کسی بھی رسالے سے دلچسپی نہ تھی مگر ایک دن اپنے کزن سے جواب عرض کا پرانا شمارہ جو ماہ جون کا دوستی نمبر تھا لیکر آیا تو پڑھا کافی اچھا لگا تمام کہانیاں پسند آئیں خاص طور پر شاعری تو بہت ہی اچھی لگی اور آپ کا ذاتی صفحہ پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں کیونکہ آپ ہر قارئین کو ماں کی خدمت کا کا درس دیتے ہیں اور جو بھی ماں کی خدمت کرتا ہے مجھے وہ اچھا لگتا ہے اور میں اس کی دل و جان سے عزت کرتا ہوں بھائی باتیں بہت کر لی اب یہ بھی عرض کردوں کہ میں جواب عرض میں لکھنا چاہتا ہوں اور امید ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی کریں گے بھائی آپ بتادیں کہ میں کہانی مختصر بھیجوں یا طویل جیسے آپ کہیں گے ویسی ہی بھیج دوں گا بھائی جان ایک پرابلم ہے کہ میری عمر سترہ سال ہے اس لیے شناختی کارڈ نہیں بنا ہوا آپ کہتے ہیں کہ آپ کہتے ہیں کہ این آئی سی کی کاپی کہانی کے ساتھ بھیجیں۔ تو ضرور بتائیے گا انتظار رہے گا۔

محمد ابو ہریرہ بہاولنگر سے لکھتے ہیں۔ اسلام وعلیکم امید کرتا ہوں آپ کا سٹاف۔ قارئین اور رائٹرز حضرات خیریت سے ہوں گے فروری 2015 پندرہ کا شمارہ اس دفعہ لیٹ ملا کافی انتظار کروایا تقریباً تین چار چکر ضرور لگائے ہوں گے آخر دو فروری کو ملا دھڑکتے دل سے رسالہ کھولا تو فہرست میں اپنی کہانی دیکھ کر پہلے پہل تو یقین ہی نہ آیا لیکن جب آنکھوں کو دو تین بار مل کر دیکھا تو حقیقت کو ماننا پڑا بہت انتظار کروایا انکل جی تاہم پھر بھی شکریہ ادا کرتے ہیں مہربانی نوازش جی کہ آپ نے میری سٹوری کو شائع کیا یقین جانیں بہت خوش ہوئی آپ کے پاس میری ایک اور کہانی پیار کی جیت محفوظ پڑی ہے امید ہے کہ کسی نزدیکی شمارے میں جگہ دے کر شکریہ کا

موقع دیں گے تو دوستو جن دوستوں نے مجھے میری کہانی کی تعریف کی ہے ان میں پہلے۔۔۔۔۔ندیم عباس میوانی۔۔۔۔۔عمر فاروق۔۔۔۔۔عثمان یونس۔۔۔۔آفتاب رائے۔۔۔۔ابوزر غفاری۔۔۔۔ابوطلحہ۔۔۔۔عبدالرشید بلوچ برادرا اینڈ سسٹرز۔۔۔۔۔پروفیسر صاحب اور ان کے علاوہ اور بہت سے دوست جن کے میں نام نہیں لکھ سکا سب کا مشکور ہوں ندیم عباس میوانی اینڈ مصباح میوانی۔۔۔۔۔ایم نادر شاہ۔میں آپ کے شاہین گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے گروپ کے تمام اصول وضوابط پر پورا اتروں گا اور مخلص دوست بن کر رہوں گا آپ کے جواب عرض کا انتظار رہے گا کہانیوں پر تفصیلی تبصرہ اگلے ماہ ہوگا انشاء اللہ بہاولنگر والوں کو سلام آپ سب کو رسالے میں دیکھ کر خوشی ہوئی ہم سب ایک ہی خاندان کے فرد لگتے ہیں اپنے شہر کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی بالخصوص جبیں راؤ صاحبہ آپ کو سٹوری لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو خوش ہو جائیے کہ آپ سٹوری لکھوانے کے لیے کسی کی منت سماجت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ آپ خود اس میدان میں اتر چکی ہیں گڈ ویری گڈ اسی طرح لکھتے رہنا۔۔۔۔بھائی سلمان بشیر صاحب آپ کی سٹوری کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔۔۔۔پرنس افضل شاہین آپ کی غزلیں اور اشعار پسند آئے آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین

مس ماریہ شمائل پنڈی سے لکھتی ہیں۔نیا سال میرے لیے بہت سی خوشیاں لایا سب سے پہلے تو میں نے نئے سال کا جواب عرض خرید اپڑھا تو بہت خوشی ہوئی بہت ہی اچھا لگا کیونکہ اس میں میرے پسندیدہ رائٹر۔۔شاعر۔۔اور ادیب۔۔صحافی۔۔کالم نگار۔۔۔انتظار حسین ساقی کی سٹوری۔۔ربا عشق نہ ہوئے۔۔پڑھی بہت اچھی لگی انتظار حسین ساقی کی سٹوری بہت پیاری ہوتی ہے بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔انتظار حسین ساقی کی سٹوری ایک سبق اموز کہانی ہوتی ہے سٹوری اتنی مزے دار ہوتی ہے دل کرتا ہے کہ ان کی سٹوری کو بار بار پڑھوں مجھے سب سے اچھے سب سے پیارے رائٹر انتظار حسین ساقی لگتے ہیں دعا کرتی ہوں وہ ہمیشہ لکھتے رہیں میری ڈھیروں دعائیں انتظار حسین ساقی کے لیے ہیں۔

یاسر وکی دیپالپور سے لکھتے ہیں۔اسلام علیکم سب قارئین کو سلام جنوری میں میری سٹوری تھی۔۔کوئی ہے میرا پردیس میں۔۔کافی لوگوں نے اسے پسند کیا میرے ایگزائم اس ماہ کی انیس تاریخ کو ہو رہے ہیں دعا کیجئے گا قارئین آپ دعا کیجئے گا کہ میرے پیپر اچھے ہو جائیں اور میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں اگر میں اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا تو میرا جواب عرض کے سب قارئین سے وعدہ ہے کہ آپ سب کے لیے ایک دعوت کا انتظام کروں گا سب کو اکٹھا کروں گا سب لوگ دعا کیجئے گا۔وقاص انجم صاحب آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کی ہے اس کے علاوہ جن کا میں نام نہ لے سکا سب کی مہربانی اور۔۔۔تسلیم منیو صاحب کہا ہو واپس آجاؤ اور فون آن کرو تم پ مجھ سے خفا کیوں ہیں مرضی ہے میوانی لوگو آپ کی۔۔۔محمد اسحاق انجم صاحب آپ بہت مہمان نواز ہو یار کبھی میرے پاس بھی چکر لگاؤ آخر میں۔فخر حیات بھٹی۔۔۔۔۔فیضان۔۔۔۔آصف۔۔۔نذر۔۔۔۔ارسلان۔۔۔۔رضوان۔۔۔۔ظفر۔۔۔۔انسر بٹ۔۔۔۔ایم یعقوب۔۔۔۔محمد حسین وٹو۔۔۔۔عمران شاہ۔۔۔۔آپی کشور کرن۔ ان سب کو سلام۔۔۔۔غلام فرید جاوید آپ سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔

مس سمیرا شہزادی۔حویلی لکھاں سے لکھتی ہیں۔اسلام وعلیکم سب قارئین کو محبتوں بھرا اسلام قبول ہو قارئین میں دو سال سے جواب عرض پڑھ رہی ہوں یہ رسالہ بہت کمال کا ہے مجھے بھی یاد ہے کہ جب میں شہر

سے عید کی شاپنگ کرنے گئی واپس آ رہی تھی تو بازار میں میں ایک ایجنسی کے قریب ایک بر گر والی دکان پر ہم برگر لینے کے لیے کھڑے ہو گئے تو اس ایجنسی والے کے پاس دو لڑکے کھڑے تھے اور بات کر رہے تھے کہ بھائی اگر کوئی جواب عرض خریدنے آتا ہے اور اس کے پاس پیسے نہیں ہو تو آپ اسے جواب عرض دیجئے گا میں آپ کو بل دے دوں گا یہ کہہ کر وہ لڑکے موٹر سائیکل پر بیٹھے اور چلے گئے یہ لڑکے دونوں ہی اچھے خاندان کے نظر آ رہے تھے میں فوراً ایجنسی والے کے پاس گئی اور کہا کہ جواب عرض چاہیے میں پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور اس کو دیکھنے لگی اس آدمی نے کہا اگر آپ نے لے جانا ہے تو لے جا سکتی ہیں وہ بھی فری میں میں نے پوچھا کہ یہ دونوں لڑکے کون تھے اس نے بتایا کہ ایک کا نام یاسر وکی ہے اور دوسرے کا ۔۔نام نعمان ہے تب سے آج تک ۔۔یاسر وکی صاحب ہی رسالہ لے کر بھیجتے ہیں تھینکس یاسر وکی اینڈ ملک نعمان صاحب ۔۔۔آپی کشور آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اور ۔۔۔سلیم مغو آپ بھی کمال کا لکھتے ہیں ۔۔۔یاسر وکی کی بہت تعریف کی ہے ہر کوئی اس کی باتیں کرتا ہے مس فوزیہ آپ کی کہانی پڑھ کر مجھے بخار ہو گیا اتنی پریشان ہوئی کہ کیا بتاؤں گریٹ آپی ہو آپ آخر میں یاسر وکی اور فخر حیات بھٹی اور ملک نعمان نواز کو میرا اسلام۔

محمد ندیم میوانی پتوکی سے لکھتے ہیں ۔جواب عرض کے چمکتے مہکتے پھولو سلام ۔فروری کا شمارہ خوبصورت حسینہ سے ٹائٹل کے ساتھ ہاتھوں کی زینت بنا آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی رونق بڑھا رہا ہے مگر یہ اپنے چاہنے والوں کو انتظار کی سولی پر لٹکا کر لطف اندوز بہت ہوتا ہے ۔قارئین معلوم ہیں پاکستانی ہونے کی وجہ سے سہہ لیتے ہیں ۔۔۔سوئی آپی کشور کرن جی سلام اینڈ پھولوں کا تازہ گلدستہ جلدی سے برائے کرم قبول فرما لیجئے ورنہ مصباح کریم چھیننے کی تیاری میں ہے آپی جی کا یاد کرنا میرے لیے حکم سو حاضر خدمت ہوں آپی جی میں دو طرح کی سٹڈی کر رہا ہوں اسی لیے ہر ماہ جواب عرض میں حاضری مشکل ہوتی ہے مگر اب آپ اور کچھ دوستوں کے اصرار پر انشاء اللہ ضرور بضرور ہر ماہ خطوط کی محفل میں حاضری ممکن بناؤں گا آپی جی آپ کے ادارے کو تو خط شائع کرنے کی اپیل حق پہنچتی ہے مگر آپی جب فروری کا شمارہ ہی دس فروری کے بعد پانچ سات چکر لگا کر ملے تو وہ کس طرح خط لکھیں تھوڑی سی توجہ دیں اور خوفناک میں قسط وار کہانی لکھنے کا اپنا وعدہ پورا کریں ۔۔۔تقدیر کے کھیل ۔۔۔۔ابو ہریرہ بلوچ ویری گڈ میرے خیال میں آپ کی فرسٹ کہانی ہے شائع ہوئی ہے بہت بہت مبارک ہو آپ کی سٹوری شائع ہوئی یہ بھی تقدیر کے کھیل ہیں ۔ہاہاہا۔پلیز نو مائنڈ۔بہت اچھی تحریر تھی اب اگلی سٹوری بھی لے کر آئیگا ورنہ تقدیر کھیل قارئین بھول بھی سکتے ہیں ۔۔۔ارے بھائی سلیم مغو جی سلام میں نے لاسٹ ٹائم گئی میں جواب عرض پڑھا تو آپ کی سٹوری سچا پیار پڑھی اس کے بعد اب فروری کا شمارہ بلا ارادے خریدا ورق گردانی کی تو آپ کی کہانی موجود پائی لگتا ہے یہ بھی آپ کی محبت کی نشانی ہے کیونکہ آپ ہمارے میوانی بھائی ہو دوسرے جواب عرض کے لکھاری ہو پر ان سب باتوں سے الگ اور ورطہ حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ آپ کا گاؤں کو تھا میری جائے پیدائش سے رابطے میں رہا کریں ہمیں بلا کر غائب ہو جاتے ہو سٹوری ویری گڈ ۔۔۔میرا تو یہ معلوم ہی ہے کہ خوفناک کا لکھاری ہوں تو فروری کے شمارے میں میری سٹوری خونی صحرا شائع ہوئی مجھے آپ کی تنقید کا بے چینی سے انتظار رہیگا اب یہ بہانہ نہ کرنا میں صرف جواب عرض کا عاشق ہوں عارف شہزاد صادق آباد گڈ سٹوری ویلڈن محنت کریں ایک دن اچھا لکھاری بنو گے ۔۔۔مصباح کریم اینڈ انجم شہزادی بھی جلد از جلد حاضری دیں جواب عرض کی محفل منتظر ہے ۔۔۔انکل ریاض جان ہمیں دھرنا دینے پر آپ مجبور نہ کر رہے ہیں اچھے انکل بن کر پہلے کی طرح تمام خطوط کا جواب دیں ورنہ مجبور لوگ کچھ بھی کر جائیں گے

میری طرف سے ان تمام دوستوں کو سلام جنہوں نے مجھے یاد رکھا۔

محمد امین ملتان سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم جناب ریاض بھائی مجھے شاہد رفیق سہو نے کال کر کے بتایا کہ جواب عرض آ گیا ہے اور آپ کا خط بھی شائع ہوا ہے میری خوشی کی انتہا نہ رہی آفس سے سیدھا آ کر چشتی بک سینٹر پہ گیا جواب عرض لیا اور بے وفائی نمبر میں ٹائٹل خوبصورت تھا۔ اپنا خط پڑھ دیکھا بہت خوشی ہوئی۔۔۔ بھائی شاہد رفیق کی کہانی پڑھی تو نہ جانے آنکھوں میں آنسو آ گئے بہت اچھی تھی جواب عرض اب کمزوری بن گیا ہے آخر میں شاہد رفیق سہو کو سلام دعا ہے کہ جواب عرض کا کارواں چلتا رہے۔

ملک کاشف اعوان۔ عبدالحکیم لکھتے ہیں اسلام علیکم۔ بھائی شاہد رفیق نے کال کر کے بتایا کہ آپ کا خط شائع ہو گیا ہے میں سکول سے سیدھا بک سینٹر پر گیا اور جواب عرض لیا اور خوشی سے گھر آ کر پڑھنے لگا اپنا خط دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی اور ناچنے لگا بہت شکر گزار ہوں جواب عرض کا جنہوں نے مجھے جگہ دی اور ابھی تک تین کہانیاں پڑھی ہیں ماں کہاں ہے تو۔ شاہد رفیق سہو کی دل خون کے آنسو روتا ہے عورت کی شان بہت اچھی سٹوریاں تھیں۔

راشد لطیف صبیرے والا سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم ریاض بھائی صاحب فروری کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بہت اچھا ٹائٹل ہے کہانیوں میں۔۔۔۔ بے وفائی۔ زین نصیر لاہور کی۔۔۔۔ چوہدری شاہد رفیق سہو ماں کہاں ہے تو۔۔۔۔ وہ شخص تو شہر ہی چھوڑ گیا حسین راؤ۔۔۔۔ عورت کی شان چوہدری پرویز سہو۔۔۔۔ دل کون کے آنسو روتا ہے انتظار حسین ساقی۔۔۔۔ بہت اچھی سٹوریاں ہیں اور خط بھی سب کے اچھے تھے آپی کشور کرن صاحبہ تو جواب عرض میں سب سے آگے ہیں ان کی کیا تعریف کریں فقیر کی طرف سے ان کو بہت بہت مبارک آخر میں۔۔۔۔ ساجد حسین ڈھکو کہاں ہو تم۔۔۔۔ ریاض صاحب۔۔۔۔ شاہد رفیق سہو کو سلام۔

چوہدری شاہد رفیق سہو کبیر والا سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم ماہ فروری کا شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے بہت خوشی ہوئی شہزادہ عالمگیر کا خواب پورا ہوا ہے اس کام کے لیے سب سے پہلے مدد کروں گا کہانیوں میں کاش تو بیٹی نہ ہوتی عافیہ گوندل بہت اچھا لکھا۔۔۔۔ پیار کا سراب ملک زاہد ویڈن بہت اچھا لکھا۔۔۔۔ آخر کب تک راشد لطیف صبیرے والا۔۔۔۔ غلطی ہو گئی عائشہ نور گجرات۔۔۔۔ پچھتاوا عائشہ علی چھوال۔۔۔۔ بے وفائی زین نصیر۔۔۔۔ یکطرفہ عشق۔ عارش شہزاد۔۔۔۔ محبت کے لالچ ان سب کی سٹوریاں اچھی تھی آئندہ بھی لکھتے رہو گھبرانا نہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔۔۔۔ پرنس مظفر شاہ پشاور صاحب فروری کا خط آپ کا اچھا لگا تھا اسی طرح تبصرے کرتے رہا کریں آپ کی کہانی افغانی محبت پر بھی تنقید ہو سکتی تھی لیکن ہر کوئی آپ کی طرح نہیں آپ کے کہنے پر کسی کی کہانی بے کار ہوتی ہے نا اس نے لکھنا چھوڑ نا ہے کسی کو فرق نہیں پڑتا ہماری سویٹ سی رائٹر اور بہن عائشہ سحران کا آپریشن ہوا ہے سب بہن بھائی ان کے لیے دعا کریں۔۔۔۔ ثریا چوہدری آپ نے کال کی بہت شکریہ۔۔۔۔ عامر وکیل جٹ بہت جلد آپ کا دیدار ہو گا۔۔۔۔ شاہ جانا آپ نے یاد کیا بہت شکریہ اور بھی مجھے سب رابطہ کرتے ہیں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

صدام۔ دین پور سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم۔ ماہ فروری کا شمارہ ملا بہت اچھا تھا کہانیوں بھی سب کی اچھی تھیں سب سے زیادہ خوشی ہوئی میرا خط لگا ہوا تھا۔۔۔۔ ماں تو کہاں ہے شاہد رفیق سہو کی کہانی پڑھ کر روتا رہا میری بھی ماں نہیں ہے شاہد رفیق سہو کا شکریہ ادا کرتا ہوں جواب عرض سے تعارف کروایا۔

رابعہ کنول مانسہرہ سے لکھتی ہیں۔ محترم ریاض انکل جی اسلام علیکم کیسے ہیں آپ اس شمارے میں

جواب عرض

شعری پیغام اپنے پیاروں کے نام

جس کے لئے پیغام ہے، اس کا نام ومقام

نام .... شہر ....

پیغام (شعری شکل میں)

....
....
....
....

بھیجنے والے کا نام ومقام

نام ....

شہر ....

کوپن

کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں؟

"کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں؟" اس عنوان کے تحت آپ اپنی دوستی کے بارے میں لکھیں کہ آپ واقعی ایک اچھے دوست ہیں کہ نہیں۔ مرد حضرات صرف اپنے لڑکوں سے دوستی کے بارے میں لکھیں۔ مرد لڑکیوں کے بارے میں نہ لکھیں اور لڑکیاں صرف اپنی سہیلیوں کے بارے میں لکھ سکتی ہیں۔

میں واقعی ایک اچھا دوست ____________

____

____

____

نام: ____________ شہر: ____________

میری پہلی کوشش ہے مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور لکھتی بھی رہی ہوں مگر شائع نہیں کرانے کے بارے میں سوچا اب سوچا ہے یہ میری پہلی کوشش ہے ماہ فروری کا شمارہ پڑھا بہت اچھا لگا اپنی اپنی جگہ پر سب کی کوششیں بہت اچھی ہیں۔۔۔۔ ملک عاشق حسین ساجد۔ جلتے خوابوں کی راکھ آخری قسط بہت اچھی تھی۔۔۔۔ فلک زاہد لاہور پیار کا سراب پہلی قسط پڑھی بہت اچھی لگی۔۔۔۔ ندیم امانت صنم تیری بے وفائی ۔۔۔۔ ڈریم گرل جہلم کیسی ہے یہ زندگی۔۔۔۔ شاہد رضا کیا یہی پیار ہے۔۔۔۔ ماہ نور کنول برباد محبت کی داستان۔۔۔۔ راشد لطیف آخر کب تک۔۔۔۔ عافیہ گوندل کاش تو بھی نہ ہوتی۔۔۔۔ عذاب محبت۔ عائشہ علی پچھتاوا۔۔۔۔ شاہد رفیق سہو ماں کہاں ہے تو۔۔۔۔ اے آر رانی ریشم۔۔۔۔ عورت کی پہچان چوہدری پرویز سہو۔۔۔۔ غم عاشقی تیرا شکریہ ثنا اجالا۔۔۔۔ سب کی کہانیاں سب کی اچھی تھیں۔ سب کو پیار بھرا اسلام خرم شہزاد مغل بھی ایک اچھے رائٹر ہیں دسمبر میں ان کی کہانی لازوال محبت بہت اچھی تھی اگلی کہانی کا انتظار رہے گا خرم بھائی آپ کی اگلی کہانی کا انتظار رہے گا اچھا اب اجازت دیں زندگی رہی تو پھر اگلے ماہ آئینہ روبرو میں حاضری دوں گی جہاں رہیں سب خوش رہیں آمین۔

علی اکبر زیب بلوچ۔ کوئٹہ پنجپائی سے لکھتے ہیں۔ اسلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ میری طرف سے جواب عرض کی پوری ٹیم کو سلام یہ میرا پہلا خط ہے اور امید کرتا ہوں ریاض بھائی ضرور اس کو شائع کریں گے ماہ جنوری کا جواب عرض خشک گلاب بہت اچھا تھا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپی کشور کرن کی کہانی خشک گلاب پڑھی تو دل چاہا آپی کی تعریف میں کیوں نہ خط لکھا جائے آپی آپ کی سٹوری بہت اچھی تھی میری طرف سے مبارکباد قبول کریں باقی رائٹر بھی کمال کا لکھتے ہیں اب اجازت چاہتا ہوں اللہ حافظ جواب عرض کی پوری ٹیم کو سلام۔

محمد افضل انصاری لاہور سے لکھتے ہیں اسلام علیکم جواب عرض فروری کا شمارہ بہت پیارا تھا ٹائٹل کے ساتھ مل بے حد خوشی ہوئی بہت پسند آیا۔۔۔۔ جلتے خوابوں کی راکھ کی آخری قسط پڑھی اس کے بعد ۔۔۔۔ پیار کا سراب کی پہلی قسط پڑھی دل تو خوش ہوگیا کیونکہ ابھی ایک ناول ختم ہوا اور دوسرا پڑھنے کے لیے مل گیا پہلی قسط بہت دل کش تھی۔۔۔۔ کیسے ہی یہ زندگی واقعی میں کیسی ہے یہ کبھی خوشی ہوتی ہے تو کبھی غم سی طرح یہ گزر جاتی ہے کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے مجھے بہت پسند آئی یقیناً سب قارئین کو بھی بہت پسند آئی ہوگی ۔۔۔۔ ماں تو کہاں ہے تو ایک بہت دکھی تحریر تھی۔۔۔۔ وہ شخص تو شہر ہی چھوڑ گیا۔۔۔۔ بے وفائی نمبر کے لحاظ سے ایک دم زبردست تھی جبکہ۔۔۔۔ آئینہ روبرو میں سب نے بہت خوب لکھا جن میں۔۔۔۔ آپی کشور کرن ۔۔۔۔ عبدالجبار رومی۔۔۔۔ عنوا ایمان۔ میں بھی پہلی دفعہ جواب عرض کی محفل میں شریک ہوا ہوں گلدستہ میں ہر ایک کی تحریر عمدہ شامل ہوتی ہے غزلیں کچھ خاص نہ تھیں اور آخر میں سب کو سلام

ادارہ جواب عرض۔ قارئین ہم اپنے نئے رائٹرز حضرات کو ایک اطلاع شاید پہلے بھی دے چکے ہیں اور اب پھر کہنا پڑ رہا ہے کہ جو کہانی یا تحریر بھیجیں ان کے ساتھ اپنی آئی ڈی کاپی ضرور ارسال کریں جو کہ ہمارے پاس ریکارڈ کے ساتھ ہونا لازمی ہے اور اگر کسی کا آئی ڈی کارڈ نہیں بنا ہوا تو اپنے والد یا کسی بڑے کی کاپی لازمی بھیجا کریں ورنہ وہ کہانی شائع نہیں کی جائے گی۔ پرانے رائٹرز حضرات کی تو ہمارے پاس موجود ہیں مگر جو نئے لکھنے والے ہیں یہ پیغام ان کے لیے ہے ادارہ جواب عرض کسی شناخت کے بغیر کوئی کہانی شائع نہیں کرے گا بے شک ایک بار بھیجنا لازمی ہے بار بار نہیں تو اس درخواست پر عمل کریں مہربانی۔

کوپن جواب عرض میں مختصر اشتہارات کیلئے استعمال کریں

آپکے دیئے گئے ان اشتہارات کا مضمون بے حد مختصر، واضح اور خوشخط انداز میں ہونا چاہئے
اگر اشتہار کمرشل ہے تو اس کی فیس ۸۰۰ روپے ارسال کریں۔ ورنہ اشتہار ضائع کر دیا جائے گا۔ ...ایڈیٹر

....

....

....

نام .... مکمل پتہ ....

....

کوپن کالم ملاقات کیلئے

یہ کوپن ہمیں نام
"ملاقات"
کیلئے کاٹ کر ارسال
کریں

جواب عرض

اور اس میں اپنا تعارف لکھ دیجئے۔ کوپن کے ساتھ کسی قسم کی کوئی فیس یا ڈاک ٹکٹ ارسال نہ کریں
کوپن کے بغیر آپ کا تعارف شائع نہیں کیا جائے۔

نام .... عمر ....

مشغلے ....

مکمل پتہ ....

....

اس کوپن کے ہمراہ
اپنی ایک عدد تصویر
ارسال کریں۔ ہم شائع
کریں گے۔ ایڈیٹر

عاشق حسین ساہر ....